قال علیہ السلام من سبّ اصحابی فقد کفر ومن سبّ اصحابی فاجلدوہ

نبی علیہ السلام نے فرمایا جو
صحابہ کو گالی دینے والا کافر ہے اور
اُسے کوڑے مارے جائیں جامع الاخبار ۱۸۳

المعروف

شیعہ مذہب

تحفۂ جعفریہ

جلد سوم

باب اوّل، صدیق اکبر پر کیے گئے شیعہ اعتراضات کی تردید
باب دوم، فاروق اعظم پر کیے گئے شیعہ الزامات کا منہ توڑ جواب،
باب سوم، حضرت شیخین کی بارگاہ میں گستاخیوں کا جواب،
باب چہارم، عثمان غنی کی شان میں کی گئی بے ادبیوں کا قلع قمع
باب پنجم، سیدہ عائشہ صدیقہ پر لگائے گئے الزامات کی تردید
باب ششم، حضرت طلحہ و زبیر پر مطاعن کا جواب
باب ہفتم، حضرت امیر معاویہ پر لگائے گئے الزامات کا تفصیلی جواب

تالیف مناظر اسلام علامہ مولانا محمد علی مدظلہ العالی

ناشر، مکتبہ نوریہ حسینیہ جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور
واحد تقسیم کار ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ، لاہور

نام کتاب ـــــ تحفہ جعفریہ جلد سوم۔

مصنف ـــــ محقق الاسلام شیخ الحدیث علامہ محمد علی مہتمم
جامعہ رسولیہ شیرازیہ بلال گنج لاہور۔

کتابت ـــــ راجہ محمد صدیق حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

قیمت ـــــ .... ۷۰ روپے

مطبع ـــــ زاہد بشیر پرنٹنگ پریس لاہور۔

طباعت وطبع ـ دوم اگست ۱۹۸۸ء بمطابق محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

تحفہ جعفریہ		عقائد جعفریہ	
جلد اول: قیمت	۷۰ روپے	جلد اول قیمت	۶۰ روپے
〃 〃 دوم: 〃	۷۰ 〃	〃 〃 دوم: 〃	۶۰ 〃
〃 〃 سوم: 〃	۷۰ 〃	〃 〃 سوم: 〃	۶۰ 〃
〃 〃 چہارم 〃	۷۰ 〃	〃 〃 چہارم: 〃	۶۰ 〃
〃 〃 پنجم: 〃	۷۰ 〃	جلد پنجم و ششم زیر طبع	

فقہ جعفریہ

جلد اول ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ زیر طبع

جلد دوم ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ زیر طبع

جلد سوم ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ زیر طبع

جلد چہارم ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ زیر طبع

شانِ صحابہؓ اور رد شیعہ پر تین عظیم الشان اور بے مثال تحقیقی شاہکار کتب
تحفہ جعفریہ ۵ جلدیں
عقائد جعفریہ ۶ جلدیں
فقہ جعفریہ ۴ جلدیں
تالیفات: محقق اہلسنت، قاطع رفض و بدعت، مناظر اسلام حضرت علامہ الحافظ الحاج محمد علی مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ رسولیہ شیرازیہ رضویہ لاہور
○ رد شیعہ پر اتنی جامع مفصل اور محققانہ تحریر قبل ازیں وجود میں نہیں آئی ○ تمام کتب میں استدلال صرف اور صرف قرآن کریم اور کتب شیعہ سے کیا گیا ہے ○ ان کتب کے بعد اس موضوع پر کسی اور کتاب کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی ○ تینوں کتب محققین و مناظرین کے لیے انمول خزانہ اور گستاخان صحابہ کے لیے تازیانہ عبرت ہیں ○ بنظر انصاف مطالعہ کرنے والا ہر شیعہ اپنے عقیدہ پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو جائیگا۔ انداز بیان نہایت سادہ، آسان، علماء و عوام کے لیے یکساں مفید۔
چیدہ چیدہ مضامین درج ذیل ہیں
تحفہ جعفریہ، مسئلہ خلافت، فضائل صحابہ کرامؓ، خصوصاً خلفائے ثلاثہ، امہات المومنین، امیر معاویہ از کتب شیعہ، صحابہ و اہل بیت کے خاندانی خوشگوار تعلقات، صحابہ کرامؓ پر کیے گئے اعتراضات کے دندان شکن جوابات، باغ فدک، حدیث قرطاس، اہل سنت کی طرف غلط طور پر منسوب کتب پر تحقیقی و علمی مباحث، خلافت عثمان غنیؓ کے متعلق اعتراضات کی تردید، جنگ جمل و صفین، بنات رسولؐ، جنازہ رسولؐ، نکاح ام کلثوم، وفات سیدہ عائشہؓ و امیر معاویہؓ کی حقیقت
عقائد جعفریہ، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اہل بیت کی شان میں اہل تشیع کی بے ادبیاں اور گستاخیاں، قاتلان امام حسنؓ و حسینؓ کون تھے۔ نام نہاد محبان اہل بیت پر ائمہ اہل بیت کی لعنت و پھٹکار، بارہ اماموں کے متعلق شیعہ عقائد اور ان کا رد، مسئلہ امامت، مسئلہ تحریف قرآن، مسئلہ تقیہ، قاتلان عثمانؓ کا حشر۔ امیر معاویہ پر لعن طعن کرنے والے سنی نما مولویوں اور پیروں کا محاسبہ
فقہ جعفریہ، شان امام اعظم ابو حنیفہ اور فقہ حنفی پر شیعوں کے تمام اعتراضات کے مدلل جوابات، کلمۂ اسلام، اذان، وضو، نماز، نماز جنازہ وغیرہ کا بیان، مسئلہ متعہ، مسئلہ ماتم، فقہ جعفریہ کے احکام اور کتب شیعہ سے ان کا رد، فقہ جعفریہ کے ناممکن العمل ہونے پر دلائل
کاغذ اعلیٰ
کتابت و طباعت عمدہ
جلد مضبوط خوبصورت
قیمت مناسب
○ دینی طلبا اور تاجران کے لیے خصوصی رعایت
ناشر: مکتبہ نوریہ حسنیہ
جامع رسولیہ شیرازیہ رضویہ بلال گنج
امیر روڈ، عقب دربار داتا صاحبؒ، لاہور فون ۷۲۲۲۸

قطعۂ تاریخ تحفۂ جعفریہ جلد سوم

حضرت علامہ حکیم سید گل حسین شاہ کاظمی مفتی دار العلوم رضویہ
غوثیہ تدریس القرآن جھوکر کلاں (گجرات)

جزوِ ثالث چھپ گئی ردِّ روافض میں کتاب
دشمنِ اصحابِ مرسل ہو گئے سب لاجواب

اہلِ باطل کی نگاہ تو حق کو باطل جان لے
نزدِ عاقل مشتبہ ہوتا نہیں آب و سراب

اس زبوں حالی میں شیعہ پر ہمیں افسوس ہے
ان کے بکواسات نے تو کر دیا دیں کو خراب

دراصل اندر عداوت ہے نبی و آل سے
ہے فرع اُس کی مطاعن واللہ اعلم بالصواب

آ گئے اُن کے مکائد رو برو اہلِ جہاں
مثلِ افعی اپنے اندر کھا رہے ہیں پیچ و تاب

خوب کی باغِ فدک کے غصب کی تحقیق ہے
اور بھی کافی مطاعن جن کا لکھا ہے جواب

مادۂ تاریخ میں گل کو ملا لطفِ غفور ۔ ۔
۱۴۰۵ھ
شکر للہ ہو گیا تحریر میں وہ کامیاب

اے خدا ہم عاصیوں کا ہدیہ صلوٰت و سلام
مرسل و آل و صحابہ پر ہو تا یوم الحساب

الانتساب

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو قدوۃ السالکین حجۃ الواصلین پیری و مرشدی حضرت قبلہ خواجہ سید نورالحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرکار کیلیانوالہ شریف اور نگہدارِ ناموسِ اصحاب رسول محبِّ اولادِ بتول سپہرِ طریقت، راہبرِ شریعت حضرت قبلہ پیر سیّد محمّد باقر علی شاہ صاحب زیب سجادہ کیلیانوالہ شریف کی ذاتِ گرامی سے منسوب کرتا ہوں جن کے روحانی تصرّف نے ہر مشکل مقام پر میری مدد فرمائی۔

ان کے طفیل اللہ میری یہ سعی مقبول و مفید اور میرے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین!

احقر العباد

محمّد علی عفا اللہ عنہ

اَلْاِھْدَاء

میں اپنی یہ ناچیز تالیف زبدۃ العارفین، حجۃ الکاملین، میزبان مہمانانِ رحمۃ للعالمین حضرت قبلہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب ساکن مدینہ منورہ، خلف الرشید شیخ العرب والعجم حضرت قبلہ مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدفون جنت البقیع (مدینہ طیبہ) خلیفۂ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ عالیہ میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہوں جن کی دعا سے فقیر نے اس کتاب کی تحریر کا آغاز کیا۔

ع ۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد علی عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین

تحفہ جعفریہ جلد سوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو امام الانبیاء و خاتم المرسلین بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا۔ اور آپ کے صدقے سے قعر مذلت میں گری ہوئی گمراہ انسانیت کو اوج ثریا کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ اور آپ کو ایسے سچے اور مخلص ساتھی عطا فرما دیئے۔ جنہوں نے آپ کی حیاتِ ظاہرہ کے بعد آپ کے مشن اور آپ کے دین کو اپنی سخت ترین کوششوں سے مضبوط سے مضبوط تر کر دیا۔ یہ وہ محسنینِ اسلام و انسانیت شخصیات ہیں جنہیں صحابہ یا اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جاتا ہے۔ جن میں سر فہرست ابو بکر صدیق، عمر فاروق عثمان غنی اور علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہم کی ذواتِ مقدسہ ہیں۔ جنہوں نے نبی علیہ السلام کے بعد زمام اقتدار سنبھالی اور نیابتِ رسول اور خلافتِ اسلامیہ کی ذمہ داریاں اس خوبی سے نبھائیں کہ پوری تاریخ اسلام میں ان کا دور سب سے زیادہ درخشاں و تابندہ ہے۔

مگر شیعہ فرقہ کا باطل خیال یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے بعد خلافت و حکومت صرف اور صرف حضرت علی کا حق تھا اور آپ کے بعد آپ کی اولاد کا۔ جو صدیق اکبر عمر فاروق اور عثمان غنی نے ان سے چھین لیا۔ اور اکثر صحابہ نے ان کی مدد کی اور انہیں ناجائز حکومت قائم کرنے میں مدد دی۔

چنانچہ اسی باطل خیال کی بناء پر وہ صحابہ کرام خصوصاً خلفاء ثلاثہ کی سیرت کو ہمیشہ بے بنیاد الزامات و مطاعن سے داغدار کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

چنانچہ ابوبکر صدیقؓ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مالی طور پر پست کرنے کے لیے ان سے باغ فدک چھین لیا۔ عمر فاروق پر الزام ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے بوقت وصال اس مقصد کے لیے کاغذ قلم منگوایا کہ حضرت علی کے لیے خلافت کا بلاشرکت غیرے استحقاق لکھ جائیں مگر عمرؓ نے آپ کو روک دیا۔ اور اس طرح گستاخی کے مرتکب ہوئے (معاذاللہ) اسی طرح دیگر صحابہ کرام پر طرح طرح کے مطاعن باندھے جاتے ہیں۔

ان مطاعن کے تفصیلی جوابات تو آپ آئندہ ابواب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ مگر حیرت ہے۔ شیعہ فرقہ پر کہ صحابہ کبار کی ذواتِ مطہرہ پر انہیں الزامات لگانے کی جرأت اور ہمت کیسے ہوتی ہے۔

کیونکہ اللہ نے اپنے ازلی و ابدی کلام قرآن مجید میں امام الانبیاء حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں اور آئمہ اہل بیت نے اپنے ارشادات میں صحابہ کرام کی بے مثال عظمت کو مطاعن سے بالاتر کر دیا ہے۔ اختصاراً چند نمونے پیش خدمت ہیں ملاحظہ ہوں۔

عظمت صحابہ قرآنی آیات میں

تمام مہاجرین وانصار کے لیے بخشش ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۔

(پارہ نمبر۱۰ سورہ انفال رکوع نمبر۵)

ترجمہ:۔

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا اور جنہوں نے ان کی مدد کی اور پناہ دی یہی سچے مومن ہیں ان کے لیے بخشش ہے اور عزت والا رزق ۔

(مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ کے ہاں صادقین ہیں :۔)

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔

(پارہ نمبر۲۸ سورہ حشر رکوع نمبر۴)

ترجمہ:۔

ان نادار مہاجرین کے لیے جنہیں ان کے گھروں اور مالوں سے نکال دیا گیا وہ اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں ۔ اور اللہ اور رسول کی مدد کرتے ہیں ۔ وہی سچے ہیں ۔

راہ خدا میں ہجرت کی تکالیف اٹھانے والے صحابہ کی خطائیں معاف ہیں اور وہ جنتی ہیں :

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۔

(سورہ آل عمران آیت ۱۹۵ پارہ ۴)

ترجمہ:۔

تو جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے اور میرے راہ میں ستائے گئے۔ پھر جہاد کیا اور شہید ہوئے ہم ان کی خطائیں معاف کردیں گے۔ اور انہیں باغات میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ اجر ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ ہی کے نزدیک بہتر اجر ہے۔

الغرض اس طرح کی قرآنی آیات گنتی سے باہر ہیں جن میں نبی علیہ السلام کے صحابہ خصوصاً مہاجرین کی عظمت ان کے لیے مغفرت وجنت کا اعلان اور ان کی خطاؤں کی معافی کالازوال مژدہ موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی۔ جناب طلحہ حضرت زبیر اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم۔ مہاجرین میں داخل ہیں۔

جب اللہ فرمارہا ہے کہ ہم نے اُن کی خطائیں معاف کردیں۔ تو پھر کسی مسلمان کو

حق نہیں کہ ان کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کرے چہ جائیکہ ان پر بے بنیاد الزام لگائے جائیں اور محض ہٹ دھرمی کے ساتھ لغو و بے کار مطاعن از خود تراش تراش کر ان کے دامن کو داغدار کرنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ شیعہ فرقہ کو راہ مستقیم عطا فرمائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں عظمت صحابہ

(ارشاد نبی: خوش نصیب ہے جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔)

بحار الانوار:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِمَنْ رَاٰنِيْ وَطُوْبٰى لِمَنْ رَاٰى مَنْ رَاٰنِيْ وَطُوْبٰى لِمَنْ رَاٰى مَنْ رَاٰى مَنْ رَاٰنِيْ۔

(۱-امالی شیخ صدوق ص ۲۴۱ مطبوعہ قم طبع قدیم

۲-اہل تشیع کی معتبر کتاب بحار الانوار جلد ۲۲ ص ۳۰۵ طبع جدید)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خوشخبری ہے اسے جس نے مجھے دیکھا۔ خوشخبری ہے اسے جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا اور خوشخبری ہے اسے جس نے میرے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

بحار الانوار: (اصحاب رسول آسمان ہدایت کے روشن ستارے ہیں)

عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ اٰبَائِهٖ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ يَكُنْ

سُنَّةٌ مِّنِّیْ فَمَا قَالَ اَصْحَابِیْ فَقُوْلُوْا بِهٖ فَاِنَّمَا مَثَلُ اَصْحَابِیْ فِیْكُمْ كَمَثَلِ النُّجُوْمِ بِاَیِّهَا اُخِذَ اهْتُدِیَ وَبِاَیِّ اَقَاوِیْلِ اَصْحَابِیْ اَخَذْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ وَاخْتِلَافُ اَصْحَابِیْ لَكُمْ رَحْمَةٌ الخ

(۱- اہل تشیع کی معتبر کتاب بحار الانوار ص۲۰۶ ج۲۲ باب فضل المہاجرین والانصار)

(۲- اہل تشیع کی معتبر کتاب معانی الاخبار صفحہ نمبر ۱۵۶)

(۳- اہل تشیع کی معتبر کتاب انوار نعمانیہ جلد ۱ ص۲۰۱ طبع جدید)

(۴- اہل تشیع کی معتبر کتاب عیون اخبار الرضا ص۸۵ جلد دوم)

ترجمہ:۔

امام جعفر اپنے آئمہ آباء سے اور وہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی امر میں میری حدیث موجود نہ ہو تو پھر جو میرے صحابہ فیصلہ دیں وہی مانو کیونکہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے اور میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے

نوٹ:۔

نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لیے رحمت ہے۔ یعنی ان کے اجتہادی اختلافات سے شرع متین کے مسائل کی تشریح ہوتی ہے اور امت کے لیے ہدایت کی راہیں کھلتی ہیں۔ لہٰذا امت کو یہ کب جائز ہے کہ وہ

علی مرتضیٰ حضرت طلحہ وزبیر اور امیہ معاویہ رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات و جنگ و جدال کے واقعات کو غلط رنگ میں پیش کریں اور صحابہ پر زبانِ طعن دراز کریں۔ صحابہ کے اختلاف میں ہمارے سینے دو سرا درس یہ بھی ہے کہ وہ باوجود سخت اختلاف کے بھی ایک دوسرے کی تعریف کرتے تھے۔ گویا وہ ثابت کردیتے تھے کہ ہمارے درمیان ذاتی اختلاف نہیں مسائل کی انہام وتفہیم کا اختلاف ہے۔ چنانچہ جنگ جمل کے بعد حضرت علی نے حضرت طلحہ کی جائے شہادت پر جا کر ان کی بے پناہ تعریف کی۔ اور زار و قطار رو پڑے۔ اور حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہایت کمال عزت و تکریم سے واپس مدینہ بھیجا۔ اور جناب سیدہ ہمیشہ حضرت علی کے اس کردار کی کھل کر تعریف کرتی رہیں۔

یونہی جنگ صفین کے بعد حضرت علی نے امیر معاویہ اور ان کے ساتھیوں کی اپنے خطابات میں تعریف کی۔ اور امیر معاویہ حضرت علی کا ذکر چھڑ جانے پر زار زار رویا کرتے تھے۔ اہل تشیع کی مستند اور معتبر کتب مذکورہ امور سے بھری پڑی ہیں اور اس کی تفصیل پیش نظر کتاب کے آئندہ ابواب میں وضاحت سے آ رہی ہے لہذا اس سے دو امور ثابت ہوئے۔

ایک یہ کہ اگر علی مرتضیٰ حضرت معاویہ جناب حضرت طلحہ وزبیر وغیرہم رضی اللہ عنہم اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کی بے پناہ تعریف کرتے اور ایک دوسرے کا ذکر سن کر رو پڑتے ہیں تو پھر ہمیں کیا حق ہے کہ جنگ جمل اور جنگ صفین کے واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کریں اور انہیں مورد الزام ٹھرائیں اور ان پر زبان طعن دراز کرتے پھریں۔

دوسرا یہ کہ جب صحابہ کرام آپس میں ذاتی اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کو برا نہ کہتے تھے ایک دوسرے کو کافر مرتد نہ کہتے تھے تو

ہمیں بھی چاہیئے کہ ان کی سیرت کو اپنائیں اور فقہی مسائل کے اختلافات کو ذاتی عداوتوں میں تبدیل نہ کریں اور ایک دوسرے کی نیت پر حملے نہ کریں۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میرے صحابہ کا اختلافات تمہارے لیے باعث رحمت وہدایت ہے۔

قول نبی۔ میرے صحابہ امت کے امین ہیں جب تک ان میں سے ایک بھی موجود ہے اسلام غالب رہے گا۔

بحار الانوار:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَمَنَةٌ لِاَصْحَابِيْ وَاَصْحَابِيْ اَمَنَةٌ لِاُمَّتِيْ وَلَا يَزَالُ هٰذَا الدِّيْنُ غَالِبًا عَلَى الْاَدْيَانِ كُلِّهَا مَادَامَ فِيْكُمْ مَنْ رَاٰنِيْ۔

(اہل تشیع کی معتبر کتاب بحار الانوار ص ۲۱/۲۲ طبع جدید)

ترجمہ:

نبی علیہ السلام نے فرمایا میں اپنے صحابہ کا امین ہوں اور صحابہ میری امت کے امین ہیں۔ اور یہ دین تمام مذاہب پر غالب رہے گا۔ جب تک تم میں کوئی ایک بھی مجھے دیکھنے والا موجود ہے۔

ارشاد پیغمبر۔ صحابہ کی خوبیاں بیان کرو اور عیب چھپاؤ

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

بحار الانوار:۔

إِنَّ الْأَنْصَارَ تَرْبِيَتِي فَاعْفُوا عَنْ مُسِيئِهِمْ وَ أَعِينُوا عَلَى مُحْسِنِهِمْ۔

(۱۔ اہل تشیع کی معتبر کتاب بحار الانوار ص ۳۱۲/۲۲ طبع جدید)

(۲۔ اہل تشیع کی معتبر کتاب امالی ابن الشیخ ص ۱۶۰)

ترجمہ:۔

میرے صحابہ میری ڈھال ہیں ان کے عیب چھپاؤ اور خوبی بیان کرو۔

نوٹ:۔

نبی علیہ السلام کا حکم تو یہ ہے کہ صحابہ کی خوبیاں بیان کرو اور اگر ان کی کوئی خطا ہے تو اسے چھپاؤ کیونکہ وہ خدا سے ڈرنے والے ہیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتے۔ مگر شیعہ فرقہ کا حال دیکھو کہ اپنی کتابوں میں موجود احادیث کے خلاف چل کر از خود صحابہ کے مطاعن گھڑتے ہیں اور ان کی سیرت کو داغدار بتلاتے ہیں۔ اللہ ہدایت دے۔

فرمان نبی۔ میرے صحابہ کو گالی دینے والا کافر ہے

جامع الاخبار:۔

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ سَبَّنِي فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ سَبَّ أَصْحَابِي فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ سَبَّ أَصْحَابِي فَاجْلِدُوهُ۔

(شیعوں کی معتبر کتاب جامع الاخبار ص ۱۸۲ فصل ۱۲۵)

ترجمہ:-

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا جس نے مجھے گالی دی وہ بھی کافر ہے اور جس نے میرے صحابہ کو گالی دی وہ بھی کافر ہے۔ اور جو انہیں گالی دے اسے کوڑے لگاؤ۔

اس ارشاد رسول کو مدنظر رکھ کر شیعہ فرقہ فیصلہ کرے کہ ان کی اپنی معتبر کتاب میں موجود ارشاد رسول کی روشنی میں انکا کردار کہاں تک صحیح ہے اور وہ ابو بکر صدیق عمر فاروق، عثمان غنی امیر معاویہ جناب طلحہ و زبیر و سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہہ کر کس زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔

آئمہ اہل بیت کی نظر میں عظمت صحابہ

علی مرتضیٰ کے نزدیک شیخین کا اسلام میں عظیم مقام ہے

وقعۃ صفین:-

وَلَعَمْرِيْ اِنَّ مَكَانَهُمَا فِي الْاِسْلَامِ لَعَظِيْمٌ وَ اِنَّ الْمُصَابَ بِهِمَا لَجَرْحٌ فِي الْاِسْلَامِ شَدِيْدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَجَزَاهُمَا بِاَحْسَنِ الْجَزَآءِ۔

(وقعۃ صفین ص ۶۳ طبع قدیم بیروت)

ترجمہ:-

مجھے اپنی جان کی قسم ان دونوں (صدیق و فاروق) کا مقام اسلام میں

عظیم ہے اور ان کی رحلت اسلام کے لیے شدید دھچکہ ہے اللہ ان پر رحم کرے اور انہیں بہتر جزاء عطا فرمائے۔

صدیق وفاروق وذوالنورین کا گستاخ مردود ہے
امام زین العابدین کا فتوٰے

عربی عبارت کا ترجمہ اختصاراً پیش خدمت ہے۔

امام زین العابدین کے پاس ایک عراقی وفد آیا انہوں نے ابوبکر عمر بن الخطاب اور عثمان رضی اللہ عنہم کے بارہ میں کچھ کہا۔ جب وہ اپنی بات کہہ چکے تو امام زین العابدین نے پوچھا۔ کیا تم مہاجرین میں سے ہو جن کی شان ہے، قرآن میں۔

اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا۔ الخ۔

وفد نے جواب دیا ہم مہاجرین میں سے نہیں ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا کیا تم انصار ہو جن کی عظمت قرآن میں یوں ہے۔

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ۔ الخ کہنے لگے نہیں!

آپ نے فرمایا۔ جب تم نہ مہاجرین ہو نہ انصار ہو اور نہ ہی ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہو تو پھر تمہیں ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی پر اعتراض کا کیا حق ہے۔ نکل جاؤ۔ یہاں سے دور ہو جاؤ اور اللہ تمہیں اپنے عمل کی سزا دے۔

(۱۔ شیعوں کی معتبر کتاب کشف الغمہ جلد دوم ص۷۸)

(۲۔ جلاء العیون جلد اوّل ص۲۹۳)

امام جعفر سے لے کر حضرت علی تک سب ائمہ کا فتویٰ صحابہ کو برا نہ کہو وہ اسلام کے خادم تھے

بحارالانوار:۔

عَنِ الصَّادِقِ عَنْ اٰبَآئِهٖ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ قَالَ اُوْصِيْكُمْ بِاَصْحَابِ نَبِيِّكُمْ لَا تَسُبُّوْهُمُ الَّذِيْنَ لَمْ يُحْدِثُوْا بَعْدَهٗ وَلَمْ يُؤْوُوْا مُحْدِثًا فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصٰى بِهِمْ۔

(بحارالانوار ص ۳۰۶ جلد ۲۲ باب فضل المہاجرین)

ترجمہ:۔

امام جعفر صادق اپنے آباء ائمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

مسلمانو! میں تمہیں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے متعلق وصیت کرتا ہوں کہ انہیں برا نہ کہو کیونکہ انہوں نے آپ کے بعد کوئی کام خلاف اسلام نہیں کیا اور نہ ایسا کرنے والوں کو دوست بنایا اور پناہ دی ہے۔ نبی علیہ السلام نے بھی ان کے متعلق یہی وصیت کی ہے۔

اب شیعوں کو چاہیئے کہ صحابہ کرام پر بے بنیاد الزام تراشیوں سے باز آجائیں۔ کیونکہ ان کی انتہائی معتبر کتابوں میں موجود نبی علیہ السلام اور ائمہ اہل بیت کے اقوال صحابہ کرام کی ذوات خصوصاً خلفاء ثلاثہ کو تمام الزامات

سے بری قرار دے رہے ہیں۔

لیکن جب شیعہ فرقہ اس کے باوجود صحابہ کو موردِ الزام ٹھہرانے میں ہمیشہ سے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا ہے۔ تو ہم نے مناسب سمجھا کہ ان کے ہر ایک الزام کو علیحدہ علیحدہ لے کر جواب دیا جائے کہ تم نے ان مقدس ہستیوں پر جو بھی بہتان تراشی کی ہے اپنا نامہ عاقبت سیاہ کیا ہے۔

شیعہ حضرات کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جو فطری حسد و بغض ہے۔ اس کی بنا پر وہ بھولے بھالے اور بے علم عوام کو گمراہ کرنے کے لیے قرآن و حدیث کے اصلی مفہوم سے بے تعلق الزامات تراشتے ہیں جن سے ان کا مقصود یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ صحابہ کرام معاذ اللہ اہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ازلی دشمن اور بدخواہ تھے۔ اسی غلط پروپیگنڈہ کے ماتحت ان حضرات نے عوام کے سامنے یہ ہوا کھڑا کر رکھا ہے کہ خلافتِ راشدہ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے ہی منصوص من اللہ تھی مگر خلفائے ثلاثہ نے زبردستی ان سے غصب کر کے اس پر قبضہ جما لیا اور اسی قسم کے اور متعدد الزامات صحابہ کرام پر لگا کر ان حضرات نے عوام کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے اور حق کو علی الاعلان مسخ کرنے کا صدیوں سے بیڑا اٹھا رکھا ہے اور موجودہ زمانہ میں یہ لوگ اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ صحابہ کرام اور اہلِ بیت عظام رضوان اللہ علیہم کے درمیان ایک ایسی خلیج ہے جس کو پاٹنا محال اور لاحاصل ہے لیکن ان حضرات کے یہ تمام غلط الزامات اور خیالاتِ فاسدہ تارِ عنکبوت کی طرح ہیں جن کی حقیقت ہمارے دلائلِ قاہرہ اور براہینِ قاطعہ سے کھل کر سامنے آ جائے گی۔

لہٰذا ذیل میں ہم شیعہ حضرات کے اس قسم کے وہ مطاعن جو مذہبِ شیعہ کے

ستون سمجھے جاتے ہیں اور جس کا سہارا لے کر وہ اپنے سوا تمام اہل اسلام کو خارج از دین و ایمان سمجھتے ہیں، نقل کرتے ہیں اور قرآن و احادیث آئمہ اور کتب شیعہ سے ان کے دندان شکن جوابات پیش کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ جن کے سینہ میں رائی بھر بھی ایمان اور انصاف کا مادہ ہے وہ حق و باطل کے درمیان تمیز کر سکیں اور یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ شیعہ حضرات سے

ع خواب تھا ہم نے جو کچھ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔

ہم امید واثق رکھتے ہیں کہ صاحب انصاف حضرات پر ہمارے دلائل قاہرہ دیکھنے کے بعد یہ مخفی نہیں رہے گا۔ کہ جن مطاعن کو شیعہ حضرات نے قرآن و احادیث اہل سنت سے ثابت کیا ہے ان کا قرآن و حدیث سے کوئی تعلق نہیں یہ انہیں حضرات کا مذموم مذہب ہے ورنہ ایسے ناپاک عقائد اور کہاں قرآن و حدیث کی نورانی تعلیمات

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حق مذہب یہی ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آپس کے تعلقات وہ نہیں جو کہ شیعہ حضرات پیش کرتے ہیں بلکہ وہ حضرات باہم شیر و شکر تھے۔ اور ان پر لگائے گئے الزامات و بہتانات فقط شیعی اختراع ہیں۔ اسی حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے ہم ذیل میں شیعی مطاعن اور ان کے جوابات لکھتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

چنانچہ اب کتاب کا اصل مضمون شروع ہوتا ہے۔

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

محمد علی عفا اللہ عنہ

۱۴، اگست ۱۹۸۵ء

مہتمم جامعہ رسولیہ شیرازیہ
بلال گنج لاہور

باب اول :-

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کیے گئے مطاعن

طعن اوّل ـــــــ غصب فدک

الحمد للہ رب العلمین۔ والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ الطیبین الطاھرین اجمعین۔ اما بعد

برادرانِ اسلام۔ اہل علم حضرات اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ کہ اہل سنّت وجماعت اور اہل تشیع بہت سے مسائل میں مختلف نقطہ نظر کے قائل اور مؤید ہیں۔ تحریر وتقریر سے اپنے اپنے ان نظریات کی حقانیت اور فریق مخالف کی تکذیب کا بازار صدیوں سے گرم ہے۔ اور آج بھی اس کی تمازت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ بلکہ اس وقت جب کہ تحقیق و تدقیق کے آسمان پر جہالت، کم علمی اور خود غرضی کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ ان میں اور اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور اپنی فکری تائید کے لیے اگر کسی صحابی کی گستاخی ہو رہی ہو۔ کسی اہل بیت کا دل دکھ رہا ہو۔ کسی آیت قرآنی کی تکذیب ہو رہی ہو۔ یا کسی حدیث سے اعراض برتا جا رہا ہو۔ تو یہ سب کچھ گوارہ لیکن ابطال فکر اور تردید عقیدہ کسی صورت برداشت نہیں۔

ان بیّن سے مختلف فیہ مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ "مسئلِ خلافت" ہے۔ جس کے بارے میں ہم گذشتہ اوراق میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر آپ خود فیصلہ کر سکیں گے۔ کہ حق کیا ہے۔ اور باطل کے پجاری کون ہیں۔ محبان اہل بیت کون ہیں۔ اور "نام نہاد" محبان اہل بیت "کون ہیں؟

دوسرا مسئلہ "فدک" کا ہے۔ جس کی اہمیت کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس باغ کی نسبت،

سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی طرف کی جاتی ہے۔ اور آپ کی شخصیت ایسی عظیم ہے۔ کہ بعض روایات کے مطابق آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کائنات کی تمام عورتوں کی سردار فرمایا۔ اور آپ کی افضلیت سب پر قائم فرمائی۔ تو جس شخصیت کی عظمت کا یہ عالم ہو کہ کائنات کی، کوئی عورت اس عظمت تک نہ پہنچ سکے۔ اس عظیم شخصیت کو جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم، نے "باغ فدک" عطا فرما دیا۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس انتظار میں تھے۔ کہ ہم جتنا جلدی ہو سکے۔ سیدہ فاطمہ سے اس کو چھین لیں۔ اور ان کی گزر اوقات کا بہت بڑا ذریعہ جب ان سے چھین لیا جائے گا۔ تو وہ کس مپرسی کی زندگی بسر کریں گی۔ تو ان دونوں صاحبوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ کی دختر نیک اختر سے چن چن کر بدلے لیے۔ اور دشمنیِ رسول کا حق ادا کر دیا (معاذ اللہ)

جب دختر رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کی عدالت میں اس باغ کا مطالبہ کیا۔ تو اپنی دیرینہ مخفی دشمنی کی بنا پر ابوبکر نے انہیں اس حق سے محروم رکھنے کے لیے فوراً ایک من گھڑت حدیث پیش کر کے خاموش کرنا چاہا۔ حدیث یہ تھی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ نَحْنُ الْاَنْبِيَاءُ لَا نُوَرِّثُ دِرْهَمًا وَّلَا دِيْنَارًا اِلَّا عِلْمًا وَّحِكْمَةً،

ہم انبیاء کرام کی وراثت درہم و دینار نہیں ہوتی۔ بلکہ علم و حکمت کی وراثت ہم چھوڑ جاتے ہیں۔

اور لوگوں کو اس میں سے ہی حصہ ملے گا۔ لیکن سیدہ خاتون جنت بھی کچی گولیاں کھیلنے والی نہ تھیں۔ کہ وہ اس طرح کی موضوع روایت سن کر (اور وہ بھی اپنے والد گرامی کی طرف، نسبت سے) خاموش ہو کر اپنا مطالبہ چھوڑ دیتیں۔ آپ کو اس خفیہ دشمنی اور اہل بیت سے عداوت کا پہلے سے علم تھا۔ اس لیے بنت رسول نے اس حق پر "شہادت" سے ثابت کر دیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "باغ فدک" میری ملکیت کر دیا تھا۔

لہذا مجھے میری ملک ملنی چاہیئے۔ ابوبکر کے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ کہ وہ باغ حوالے کر دیتے۔ لہذا انھوں نے بادلِ نخواستہ مجبور ہو کر اس باغ کا فیصلہ سیّدہ خاتونِ جنت کو لکھ دیا۔ مگر خدا کا کرنا کہ جب سیّدہ وہ حکمنامہ لے کر واپس تشریف لا رہی تھیں۔ تو راستہ میں، خطاب کا بیٹا عمر ملا۔ اس نے پوچھا۔ دخترِ رسول! یہ ہاتھ میں کیا ہے؟ تو جواب دیا۔ کہ ایک حکمنامہ اور فیصلہ ہے۔ جو ابوبکر نے "باغ فدک" کے بارے میں میرے حق میں کیا ہے۔ یہ سن کر عمر بن خطاب نے سیّدہ کے ہاتھ سے وہ تحریر شدہ فیصلہ چھین لیا۔ اور اس پر تھوک کر زمین پر پھینکا۔ پھر اُسے پاؤں سے روند ڈالا۔

سیّدہ یہ دیکھ کر روتی ہوئیں گھر واپس تشریف لے آئیں۔ اور ان دونوں کی دیرینہ دشمنی، اس طرح اب کھل کر سامنے آ گئی۔ اور یوں اہلِ بیت کو انھوں نے اپنے ظلم و ستم کی آماجگاہ بنا کر دل کی ہوس پوری کرنی شروع کی۔

یہ تھا وہ افسانہ اور ڈرامہ جسے اس انداز میں بیان کر کے شیعہ حضرات یہ بتانا چاہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت سے صحابہ کرام کی عموماً اور ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کی خصوصاً دشمنی تھی۔ اور عملی طور پر اس کی ابتدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شروع ہو گئی۔ جب یہ لوگ خیالاتی دنیا سے نکل کر عملی طور پر دشمن اہل بیت ہو گئے۔ تو ان کی خلافت و امامت کب صحیح اور درست ہو سکتی ہے؟ لہذا معلوم ہوا۔ کہ یہ لوگ (معاذ اللہ) غاصب خلافت تھے۔ اور امامت کے بالکل مستحق نہ تھے۔؟

حالانکہ یہ لوگ اگر کچھ معمولی بھی سوجھ بوجھ کے مالک ہوتے۔ اور قرآن و حدیث کا انہیں معمولی بھی علم ہوتا۔ اور تعصب کی عینک نظر سے اتار کر دیکھتے۔ تو انہیں خود بخود معلوم ہو جاتا۔ کہ تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کا جو طریقہ ان لوگوں نے اپنا رکھا ہے۔ اس سے بربادیٔ دین و ایمان اور عداوتِ اسلام ہی ٹپکتی نظر آتی ہے۔ قرآن کہے۔ کہ تمام صحابہ، "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کی صفت سے موصوف تھے۔ اور تم ان کے درمیان بغض و عناد

ثابت کرو۔ قرآن ان کے لیے اپنی نعمت کا ان الفاظ میں ذکر فرما دے۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ۔۔۔ (پارہ ۱۰ سورۃ انفال) اور تم اس نعمت کی بجائے ان کی باہمی دشمنی ثابت کرو۔ تو کیا تمہاری بات قابل اعتبار و یقین ہے یا اعلان رب العالمین؟ تم علیم بذات الصدور کی بات کو الٹ ثابت کر کے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی چلا رہے ہو۔ صحابہ کرام کے بارے میں یہ باتیں اور تحریں اللہ رب العزت کی ہیں۔ جس کی بات کبھی کذب سے متصف نہیں ہو سکتی۔ جب وہ کذب جیسی صفت کی نسبت سے بھی پاک تو تم کیوں اتنے بے باک؟ تمہاری بے باکی نے ہی تو تمہارے ایمان و اسلام کی کشتی ڈبوئی۔ اور خود تمہیں اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ پھر جن کی خوبی خود صاحب قرآن ان الفاظ میں بیان فرمائیں۔

صَحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ۔

(۱) (انوار نعمانیہ جلد ۱ ص ۱۰ طبع جدید نور مرتضوی)

(۲) (عیون اخبار الرضا جلد دوم ص ۸۵ طبع تہران (قمی)

(۳) معانی الاخبار ص ۱۵۶ معنیٰ اتمثل اصحابی کالنجوم)

میرے صحابہ آسمان ہدایت کے روشن ستارے ہیں۔ جس کی بھی تم نے اقتدا کی۔ ہدایت پالی۔

ان حضرات کے بارے میں تم دل میں حسد و عناد رکھو۔ اور تحریر و تقریر سے ان کی اذیت کا سبب بنو۔ تو کس منہ سے دربار خدا میں اور بارگاہ مصطفےٰ میں آؤ گے۔ آپ نے فرمایا۔

مَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ۔ (الحدیث)

جس نے ان صحابہ کو کوفت پہنچائی۔ اس نے مجھے دکھ دیا۔ اور جس نے مجھے دکھایا۔ اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی۔

شیعہ لوگوں نے اس "باغ فدک" میں اس قدر من گھڑت افسانے تراشے اور پھیلائے

ہیں۔ کہ جہاں کہیں بھی فقیر تقریر کے لیے جاتا ہے۔ وہاں اپنے سُنّی بھائی بار بار رقعہ جات بھیج کر دریافت کرتے ہیں۔ کہ ہمیں سب سے پہلے یہ سمجھایا جائے۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مرد باغ فدک،، کن وجوہات کی بنا پر چھینا تھا۔ اور بعض دفعہ، تو صرف اسی مسئلہ کی حقیقت سمجھاتے میں تقریر کا سارا وقت صرف ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا۔ کہ اس مسئلہ میں بھی تحقیقی بحث قلم بند کروں۔ تاکہ اس کے ذریعہ ہر خاص وعام مستفید ہو سکے اور ان کی افسانہ تراشیوں سے آگاہی حاصل ہو جائے۔

فصل اوّل

فدک کی تحقیقی بحث

فدک بفتحتین نام دیہے از خیبر۔ (قاموس) یعنی "فدک،، حرف فا اور دال کے زبر کے ساتھ، خیبر کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ "قاموس اور منتخب،، میں بھی اس لفظ کا یہی معنی لکھا ہوا ہے۔

ایک شہر کا نام ہے۔ جو مدینہ منورہ سے دو دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اور خیبر سے صرف ایک منزل دُور ہے۔ (مصباح اللغۃ)

فدک ایک گاؤں ہے۔ جو حجاز میں واقع ہے۔ اور اس کی مسافت مدینہ منورہ سے دو دن کی ہے۔ بعض روایات کے مطابق تین دن کی راہ کی مسافت بھی آئی ہے۔

(معجم البلدان)

ازروئے کتب شیعہ فدک مالِ فئی تھا جو بحکم قرآن عام مسلمین کے لیے ہوتا ہے۔

فدک کے بارے میں شیعہ سُنّی تمام اس پر متفق ہیں۔ کہ یہ مقام و موضع یا شہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں بغیر جنگ و جدال کے آیا۔ اس کی خاطر کوئی منصوبہ بندی اور

طاقت استعمال کرنے کا کوئی موقع اور ضرورت در پیش نہ ہوئی۔ اور ایسا علاقہ یا مال فئی کہلاتا ہے دوسرا اس امر پر بھی دونوں گروہوں کا اتفاق ہے۔ کہ مال فئی کسی کو ہبہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان دونوں متفقہ امور کے ثبوت کے لیے ہم شیعہ کتب سے دو حوالہ جات قارئین کے پیش نظر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

حوالہ نمبر (۱)

صاحب معجم البلدان گفتہ، فدک قریہ ایست میانِ حجاز۔ در میانِ او و مدینہ دو روزہ راہ است و بعضے گفتہ اند سہ روزہ و آں قریہ از کفار خیبر بود کہ بطریق مصالحہ در تحت تصرف آں حضرت در آمدہ بود و بموجب دین الٰہی خالصۃً حضرت رسالت پناہی شدہ بود۔ و در آنجا چشمۂ آب رواں و درختہائے خرما بسیار بود

(مجالس المومنین جلد اول ص۴۸ مطبوعہ تہران در ذکر فدک)

ترجمہ:۔ "معجم البلدان" کے مصنف نے کہا۔ کہ "فدک" حجاز میں واقع ایک گاؤں ہے۔ مدینہ منورہ اور اس کے درمیان دو دن کی مسافت کا فاصلہ ہے۔ اور بعض مؤرخین کہتے ہیں۔ کہ ان دونوں کی مسافت تین دن کے فاصلہ کے برابر ہے۔ یہ گاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تصرف میں لائے۔ جس کی خاطر کوئی جنگ نہ کرنا پڑی۔ اور آپ کے تصرف میں آنے سے قبل یہ "خیبر" کے، کفار کی ملکیت تھا۔ اور اللہ کے دین کے فیصلہ کے مطابق یہ موضع صرف اور صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہوا۔ اس موضع میں ایک بہتا، ہوا چشمہ اور کھجوروں کے بہت سے درخت تھے۔

حوالہ نمبر (۲)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَسْبَاطٍ قَالَ لَمَّا وَرَدَ اَبُو الْحَسَنِ مُوْسٰى عَلٰى

الْمَهْدِيَّ رَآهُ يَرُدُّ الْمَظَالِمَ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَا بَالُ مَظْلِمَتِنَا لَا تُرَدُّ فَقَالَ لَهُ وَمَا ذَاكَ يَا أَبَا الْحَسَنِ قَالَ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَمَّا فَتَحَ عَلَى نَبِيِّهِ فَدَكَ وَمَا وَالَاهَا لَمْ يُوجَفْ عَلَيْهِ بِخَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ۔

(اصول کافی جلد اول ص ۵۴۳ کتاب الحجۃ باب الفئی والانفال مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: علی بن اسباط سے مروی ہے۔ کہ جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام مہدی عباسی کے پاس آئے۔ تو وہ لوگوں کے غصب شدہ املاک واپس کرتا تھا حضرت نے فرمایا۔ ہمارے غصب شدہ مال کو بھی واپس دے دو۔ اس نے کہا۔ وہ کیا ہے یا ابا الحسن؟ آپ نے فرمایا۔ جب اللہ نے اپنے نبی کو فدک پر فتح دی۔ اور بغیر جنگ حاصل کیا۔

(ترجمہ اصول کافی جلد اول ص۶۸۳)

مذکورہ دونوں حوالہ جات سے وہی دونوں متفقہ امور بالکل صراحت کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ "فدک" رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف کسی جنگ و جدل کے بغیر آیا۔ دوسرا یہ کہ مال غنیمت کے طور پر مقام و موضع بمعہ اس کے لوازمات کے صرف اور صرف، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف تھا۔ اس میں از روئے حکم خدا کوئی آپ کے ساتھ شریک نہ تھا۔ آپ تنہا اس کے والی و متصرف تھے۔

فدک کیا تھا؟ اس کے مصارف کیا تھے

یہ دو اہم سوال ہیں۔ جن کے جواب سے اس موضوع پر کچھ لکھنا مفید ثابت ہوگا۔ تو میں

ابتداء میں انہی دو امور کی وضاحت کروں گا۔

چند سطور پہلے آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ "فدک" ایک موضع اور بستی کا نام ہے۔ جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین منزل دوری پر واقع ہے۔ اور اس کی نصف زمین یہودیوں نے بغیر جنگ کے بطور صلح مسلمانوں کی دی تھی۔

ایک یہ قطعہ زمین اور اسی طرح سات اور قطعات زمین بھی تھے۔ جو مدینہ منورہ کے قرب وجوار میں تھے۔ جو یہود کے قبیلہ بنی نضیر سے لیے گئے تھے۔ یہ تمام قطعات زمین بمعہ "فدک" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف وقبضہ تھے۔ تاکہ ان کی پیداوار سے اپنی حاجات آپ پوری کر سکیں۔

اس کے ساتھ خیبر کے کچھ قطعات بھی آپ کے زیر تصرف تھے۔ جن کی آمدنی کا پانچواں حصہ آپ کا مقرر تھا۔ اور اس کے علاوہ جہاد میں جو مال غنیمت مجاہدین کے ہاتھوں میں آتا۔ اس میں سے بھی پانچواں حصہ آپ کا مقرر تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مختلف مدات سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ آپ انہیں، مندرجہ ذیل امور پر خرچ فرمایا کرتے تھے۔

۱۔ اپنی ذات، اپنے اہل وعیال، اپنی ازواج پر خرچ فرماتے۔ اور تمام بنی ہاشم کو اس آمدنی سے کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے تھے۔

۲۔ بادشاہوں کے سفیر اور مہمانوں کی آؤ بھگت بھی اسی سے ہوتی۔

۳۔ حاجت مندوں اور غریبوں کی امداد بھی اسی سے ہوتی۔

۴۔ جہاد کے لیے اسلحہ بھی اسی سے خریدا جاتا۔

۵۔ مجاہدین کے لیے گھوڑے، اونٹ وغیرہ خریدنے کے لیے اسی سے ان کی امداد کی جاتی تھی۔

۶۔ اصحاب صفہ کی خبر گیری اور ان پر اٹھنے والے مصارف بھی اسی سے پورے

کیے جاتے۔

نوٹ:

صدقہ کا مال جو آتا۔ تو آپ اسے فوراً غرباء اور مستحقین میں بانٹ دیتے تھے۔ اپنے لیے اس میں سے کچھ نہیں رکھتے تھے۔

ان مصارف کو دیکھا جائے۔ کہ جن کی کفالت اور امداد اس آمدنی سے متعلق تھی۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ آمدنی　　کا ان تمام مصارف میں پورا ہونا بہت مشکل تھا۔ اسی وجہ سے ازواج مطہرات کو شکایت رہتی تھی۔ کہ سب کچھ بانٹ دیا جاتا ہے اور گھریلو اخراجات کے لیے مناسب خرچہ نہیں رکھا جاتا۔ اس کے برخلاف بنی ہاشم کے لیے جو خرچہ مقرر تھا۔ وہ بھی ان کے حالات کے مناسب تھا۔ ادھر حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا باوجودیکہ آپ کو انتہائی عزیز تھیں۔ پھر بھی ان کے حصہ میں آنے والی آمدنی ان کی پوری کفالت نہیں کرتی تھی۔ ان مصارف کو دیکھ کر یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان قطعات سے حاصل شدہ آمدنی مخصوص مدوں پر صرف فرماتے تھے۔ اور ان کو اپنی ذاتی ملکیت قرار نہیں دیتے تھے۔ بلکہ اللہ کی راہ میں ہی خرچ کیا کرتے تھے۔

جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ دوڑ سنبھالی۔ تو انہوں نے بھی اس باغ کی آمدنی کو انہیں مصارف اور مدات پر خرچ کرنا شروع کیا۔ جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں صرف فرمایا کرتے تھے۔ "فدک" کی پیداوار وصول ہوتی۔ تو اس میں سے اہل بیت کرام کا جتنا حصہ نکلا کرتا تھا۔ اتنا حصہ نکال کر ان کے پاس بھیج دیتے۔ اور جن جن کے وظائف اس آمدنی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے تھے۔ ہر ایک کو اس کا وظیفہ مقررہ باقاعدگی سے ادا کیا جاتا۔ خلفائے راشدین نے اس کی آمدنی انہی مدات پر خرچ کی۔ جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فرمایا کرتے تھے۔

لیکن جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حاکم مقرر ہوئے۔ تو ان کی خلافت کے دوران جب امام حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا۔ تو "مروان" نے اسی باغ کا ایک تہائی حصہ لپنے نام منتقل کر کے اُسے اپنی جاگیر بنا لیا۔ جب خلافت ملی تو تمام قطعہ فدک کو اپنے لیے خاص کر لیا۔ اور اپنی ملکیت میں لے لیا۔ پھر یہی "باغ فدک" مروان کی اولاد کے پاس رہا۔ اور یہ لوگ اس سے اپنی ضروریات پوری کرتے رہے۔ وقت گزرتا گیا۔ بالآخر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ تو انہوں نے جہاں اور اصلاحات کیں۔ وہاں ایک یہ بھی کام کیا۔ کہ "باغ فدک" کو مروان کی اولاد سے واپس لے کر اس کی وہی حیثیت برقرار کر دی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں تھی۔ اور خلفائے راشدین جس طرح اس کی آمدنی کو جن مصارف پر خرچ کرتے رہے۔ اسی طرح انہی مصارف پر پھر سے اس کی آمدنی خرچ ہونا شروع ہو گئی۔

فدک کیا تھا۔ اور اس کے مصارف کیا تھے؟ اس ضمن میں یہاں تک جو کچھ ہم نے تحریر کیا۔ اتنا شیعہ سنی دونوں کو تسلیم ہے۔ اور اس کی اتنی تاریخ پر دونوں متفق ہیں۔ اس صاف اور سیدھی تاریخ فدک سے ثابت ہوا۔ کہ یہ معاملہ کچھ بھی نہ تھا۔ جسے اتنا اہم بنا لیا گیا محض ایک بات تھی۔ جسے یار لوگوں نے تنگڑ بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اور اس میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خواہ مخواہ ہدفِ ملامت بنانے کی ناکام کوشش کی گئی۔ اور ان کے بارے میں زبان طعن دراز کی گئی۔ مذکورہ سطور سے چند باتیں بطور خلاصہ معلوم ہوتی ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ فدک کی آمدنی کے مصارف خلفائے راشدین کے دور میں بھی وہی تھے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے تھے۔

۲۔ یہ کسی کی ملکیت نہ تھا۔ بلکہ بیت المال کا حصہ تھا۔ صرف اس کی آمدنی کی مدات مقرر کی گئی تھیں۔ تاکہ ان پر اس کی آمدنی خرچ کی جائے۔

۲۔ خلفائے راشدین نے اس کی آمدنی بحیثیت وکیل ہونے کے وصول کی۔ کیونکہ بوجہ خلافت نظام حکومت ان کے پاس تھا۔ اس لیے وہ اس بات کے ذمہ دار تھے۔ کہ فدک کی آمدنی انہی مدات پر خرچ ہو۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقرر فرما گئے تھے۔

خود شیعہ کتب اور شیعہ علماء بھی اس بات کا اعتراف و اعلان کرتے ہیں۔ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فدک کی آمدنی انہی مصارف پر خرچ فرمایا کرتے تھے۔ جو حضور نے مقرر فرمائے۔ اور آپ کے مطابق اہل بیت کو بھی ان کا مقررہ حصہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دیا کرتے تھے۔

باغ فدک کی حدود اربعہ کے بارہ میں شیعی روایات پر تنقیدی نظر

جس باغ فدک کے بارے میں اول و آخر اس بات پر زور دیا جاتا ہے۔ کہ یہ باغ بنتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا۔ اور دختہ رسول سے ابو بکر صدیق نے زبردستی چھین لیا۔ اس بارے میں انہیں یہ بھی یاد نہ رہا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی لخت جگر کو یہ باغ عطا فرمایا بھی تھا؟ اسی باغ کے بارے میں جب میں نے کتب شیعہ کو دیکھا۔ تو ان میں اس کی حدود اربعہ کی کیفیت نے مجھے اور حیران کر دیا۔ یارب یہ ماجرا کیا ہے۔
باغ فدک روئے زمین پر ایک ہی تھا۔ اور ایک ہوتے ہوئے اس کی حدود اربعہ میں اتحاد نہیں۔ اس قدر نزاع نظر آیا۔ کہ یقین نہیں آتا۔ کہ ایسا نزاع ہونے ہوئے کوئی اس نام کا ایک باغ ہوگا بھی یا نہیں۔ اور اسی مختلف الحدود باغ میں اختلاف کی وجہ سے امت کا شیرازہ بکھر گیا۔
مدعیان حضرات (اہل تشیع) اور ائمہ اہل بیت کی بیان کردہ حدود میں باہمی اتفاق نہیں۔ اگر ایک کو سچا کہیں۔ دوسرے کا کذب لازم آتا ہے۔ اس لیے یقین

سے کہتا ہوں۔ کہ ان مختلف اقوال کے ملاحظہ کر لینے کے بعد کوئی شخص یہ نہ جان سکے گا۔ کہ "باغ فدک"، کی حقیقت کیا ہے۔؟

جس شئی کی حقیقت معلوم نہ ہو۔ وہ مجہول کہلاتی ہے۔ اور مجہول کے بارے میں کسی قسم کا دعویٰ، لغو اور بے معنی ہوتا ہے۔ اور نہ ہی اس میں کوئی تاویل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کی حدود اربعہ میں اس قدر اختلاف ہے۔ جن کا جمع کرنا ناممکن ہے۔ آپ خود ائمہ اہل بیت اور شیعہ حضرات کی کتب کے حوالہ جات اس سلسلہ میں ملاحظہ فرما کر اندازہ لگائیں گے۔ کہ جو کچھ میں نے کہا۔ وہ درست ہے یا غلط؟

روایت اوّل: باغ فدک خیبر سے رقبہ میں چھوٹا تھا

فدک بفتح حرف اوّل وثانی ایک قریہ کا نام ہے۔ کہ مدینہ سے دو منزل اور خیبر سے قریب ایک منزل کے ہے۔

(تہذیب المتین جلد اوّل فی تاریخ امیر المومنین ص ۲۰۸/ذکر تفضیۂ غصب فدک مطبوعہ دہلی)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ فدک ایک قریہ کا نام ہے۔ جس کی وضاحت اسی کتاب میں ص۱۳۲ پر ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ "فدک کا علاقہ آبادی میں خیبر کے برابر نہ تھا" یعنی اس کا رقبہ خیبر کے برابر نہ تھا۔

روایت دوم

صاحب معجم البلدان گفتہ کہ فدک قریہ ایست میان حجاز درمیان او ومدینہ دو روزہ راہ است و بعضے گفتہ اند سہ روز و آں قریہ از کفار خیبر بود

کہ بطریق مصالحہ در تحت تصرف آنحضرت درآمدہ بود بموجب دین الٰہی خالصۂ حضرت رسالت پناہی شدہ بود و در آنجا چشمۂ آبِ رواں و درختہائے خرما بسیار بود۔

(مجالس المومنین جلد اوّل صـ۲۸ / ذکر فدک مطبوعہ تہران سن طباعت ۱۲۷۵ھ)

ترجمہ: صاحب معجم البلدان نے کہا۔ کہ فدک ایک بستی کا نام ہے۔ جو حجاز میں ہے اس کے اور مدینہ منورہ کے درمیان دو دن کی مسافت کا فاصلہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ تین دن کی مسافت ہے۔ یہ بستی خیبر کے کفار کی تھی۔ جو انہوں نے مصالحت کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں دی تھی۔ اور اللہ کے دین کے مطابق یہ قطعہ زمین صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی تھا۔ اس (فدک) میں ایک بہتا چشمہ اور کھجوروں کے بہت سے درخت تھے۔

روایت سوم: باغ فدک کی حدود اربعہ سے کہ عریش مصر اور سیف البحر دومۃ الجندل تک تھیں

اصول کافی: (کا کچھ حصہ مذکور ہے)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِنَا اَظُنُّهُ السَّيَّارِيَّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَسْبَاطٍ قَالَ لَمَّا وَرَدَ اَبُو الْحَسَنِ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْمَهْدِيِّ رَآهُ يَرُدُّ الْمَظَالِمَ فَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَا بَالُ مَظْلِمَتِنَا لَا تُرَدُّ فَقَالَ لَهُ وَمَا ذَالِكَ يَا اَبَا الْحَسَنِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَمَّا فَتَحَ عَلٰى نَبِيِّهٖ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ فَدَکَ وَمَا وَالَاھَا لَمْ یُوْجَفْ عَلَیْہِ
بِخَیْلٍ وَلَا رِکَابٍ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ فَلَمْ یَدْرِ رَسُوْلُ اللّٰہِ مَنْ ھُمْ فَرَاجَعَ فِیْ
ذٰلِکَ جِبْرَئِیْلُ رَبَّہٗ فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْہِ اَنِ ادْفَعْ فَدَکَ اِلٰی فَاطِمَۃَ
فَدَعَاھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالَ لَھَا یَا فَاطِمَۃُ اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَدْفَعَ اِلَیْکِ
فَدَکَ فَقَالَتْ قَدْ قَبِلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنَ اللّٰہِ وَمِنْکَ......
فَقَالَ لَہُ الْمَھْدِیُّ یَا اَبَا الْحَسَنِ! حُدَّھَا لِیْ فَقَالَ حَدٌّ مِّنْھَا
جَبَلُ اُحُدٍ وَحَدٌّ مِّنْھَا عَرِیْشُ مِصْرٍ وَحَدٌّ مِّنْھَا سَیْفُ الْبَحْرِ
وَحَدٌّ مِّنْھَا دَوْمَۃُ الْجَنْدَلِ فَقَالَ لَہٗ کُلُّ ھٰذَا قَالَ نَعَمْ یَا اَمِیْرَ
الْمُؤْمِنِیْنَ ھٰذَا کُلُّہٗ اِنَّ ھٰذَا کُلَّہٗ مِمَّا لَمْ یُوْجِفْ عَلٰی اَھْلِہٖ رَسُوْلُ
اللّٰہِ بِخَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ فَقَالَ کَثِیْرٌ وَّ اَنْظُرُ فِیْہِ ۔

(اصول کافی مطبوعہ نولکشور کتاب الحجۃ باب الفیٔ والانفال ص۳۵۴ / طبع قدیم / اصول کافی جلد اوّل ص۵۴۳ کتاب الحجۃ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: علی بن محمد بن عبد اللہ نے ہمارے بعض اصحاب سے نقل کیا۔ جسے میں "دریساری" گمان کرتا ہوں۔ اور اس نے علی بن اسباط سے روایت کی۔ کہ جب امام ابوالحسن موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ علیہ مہدی کے پاس گئے۔ تو اس وقت خلیفہ زیادتیوں کو رفع کر رہا تھا۔ تو امام موسیٰ نے کہا امیرالمومنین ہمارے اوپر زیادتیوں کا کیا حل ہے؟ وہ ہمیں کیوں نہیں لوٹائی جاتیں۔ تو خلیفہ نے پوچھا۔ وہ کیا ہیں؟ امام موسیٰ کاظم نے کہا۔ وہ یہ ہیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو "فدک" عطا فرمایا۔ اور اس کے

ملتی کو بھی عطا کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حصول کے لیے نہ گھوڑوں سے حملہ کیا۔ اور نہ ہی اونٹ اس پر دوڑائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس (فدک) کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ "قرابت والوں کو ان کا حق دیجئے"، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس اشارہ کو نہ جان سکے۔ پھر جبریل سے اللہ نے فرمایا۔ کہ اس کا مقصد یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فدک کا رقبہ اپنی لختِ جگر فاطمہ کو عطا کر دیں۔ اس کے بعد آپ نے جناب فاطمہ کو بلایا۔ اور فرمایا۔ فاطمہ! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے۔ کہ میں تجھے فدک دے دوں۔ تو عرض کی۔ یا رسول اللہ! اور آپ کی عطا مجھے قبول ہے۔

یہ سن کر خلیفہ مہدی نے امام موسیٰ کاظم سے کہا۔ اے ابوالحسن! اس (فدک) کی حدود اربعہ بتلائیں؟ کہا اس کی حد بندی یہ ہے۔ کہ ایک طرف اس کے احد پہاڑ دوسری طرف عریش مصر تیسری طرف سیف البحر اور چوتھی طرف دومۃ الجندل ہے۔ (ان چار اطراف کے اندر تمام رقبہ "فدک"، ہے) پوچھا۔ کیا ان اطراف کے اندر پورا رقبہ؟ کہا۔ ہاں یا امیر المومنین مکمل رقبہ اس کا رقبہ ہے۔ اور یہ تمام علاقہ وہ رقبہ ہے۔ کہ جس کے باسیوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ گھوڑے دوڑائے۔ اور نہ ہی اونٹ۔ تو یہ سن کر خلیفہ مہدی نے کہا۔ بہت بڑا رقبہ ہے۔ میں اس بارے میں سوچوں گا۔

سوال:

جب آپ نے تین روایات کے ذریعہ اس کی حد بندی ملاحظہ فرمالی۔ تو میں اس کے بعد شیعہ حضرات سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہوں۔ کہ "فدک"، کی حد بندی جو امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی۔ جو روایت سوم میں ہے۔

وہ درست سمجھتے ہو؟ یا وہ حدود اربعہ جو نوراللہ شوستری یا سید مظہر حسین نے بیان کیں۔ وہ قابل اعتبار ہیں۔؟

اگر نوراللہ شوستری اور سید مظہر حسین کی بیان کردہ حدود فدک تمہارے ہاں درست تسلیم کی جاتی ہیں۔ تو انہیں صحیح ماننے سے یہ لازم آیا۔ کہ امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ کی بیان کردہ "حدود فدک" ان کی طرف محض منسوب کی گئی ہیں۔ خود ان کی بیان کردہ نہیں۔ اور ایک من گھڑت اور بے سروپا روایت کو امام موصوف کی طرف نسبت کر کے دراصل اس روایت کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ تاکہ مگرمچھ کی طرح آنسو بہا کر جاہل لوگوں میں یہ تاثر دیا جا سکے۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی "فدک" کی اتنی بڑی جائیداد تھی۔ جس کو اس وقت کے خلیفہ نے زبردستی یا کسی بہانے سے ان سے چھین لیا تھا۔ تاکہ سیدہ اپنی زندگی بے کسی اور بے بسی میں بسر کریں۔ اور یہ غاصب لوگ ان کی بے بسی پر خوش و خرم ہوں۔

اور اگر اس کے برعکس خود امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کردہ روایت درست ہے۔ تو اس کے حدود اربعہ کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ ایک بہت بڑا اور وسیع رقبہ تھا۔ جس کے ایک طرف کوہ احد ہے۔ جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل جانب شمال میں ہے۔ دوسری طرف عریش مصر ہے۔ جو شام کی طرف سے مصر جانے والے راستہ پر واقع ہے۔ بحیرۂ روم کے ساحل پر مصر کی سرحد ہے۔ تیسری طرف کنارۂ بحر جس سے مراد اکثر طور پر "بحر عمان" کا کنارہ ہوتا ہے۔ واقع ہے۔ اور چوتھی طرف دومۃ الجندل جو دمشق کی جنوبی طرف پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ اور مدینہ منورہ سے تقریباً پندرہ، سولہ دن کی راہ بنتی ہے۔

(صافی شرح کافی)

باغ فدک کے علاوہ سات باغ اور بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قبضہ میں تھے نبی علیہ السلام پر کنبہ پروری کا اتہام

فروع کافی:-

اس جائیداد کے علاوہ اور بھی سات باغ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی روایت سے سیدہ فاطمہ کی ملکیت میں مذکور ہوئے۔ ملاحظہ ہو۔

فَلَمَّا قُبِضَ جَآءَ الْعَبَّاسُ يُخَاصِمُ فَاطِمَةَ فِيْهَا فَشَهِدَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَغَيْرُهٗ اَنَّهَا وُقِفَ عَلٰى فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَهِيَ الدَّلَالُ، وَالْعِفَافُ وَالْحُسْنٰى وَالصَّافِيَةُ وَمَالِاُمِّ اِبْرَاهِيْمَ وَالْمِيْثَبُ وَالْبَرْقَةُ۔

ترجمہ: پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سات باغات کے بارے میں جھگڑا کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ نے ان کے بارے یہ شہادت دی۔ کہ یہ سب حضرت فاطمہ کو وقف کر دیئے گئے ہیں۔ وہ سات باغات یہ ہیں۔ دلال۔ عفاف، حسنیٰ، صافیہ، مالام ابراہیم، میثب اور برقہ۔

(۱) فروع کافی جلد ہفتم کتاب الوصایا باب صدقات النبی ص۴۷

(۲) مناقب آل ابی طالب جلد اول ص۱۶۹ فی اموالہ ودقیقہ۔ طبع قم جدید

(۳) ناسخ التواریخ زندگانی فاطمہ رضی اللہ عنہا ص۲۴۵ طبع تہران،

امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول دونوں روایتوں کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت ور فدک،، کے

وسیع و عریض رقبے کے علاوہ مذکورہ سات باغات بھی تھے۔ اور ان دونوں جائداد دل کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اراضی اور باغات بھی ان کے زیر قبضہ و تصرف تھے تو اس تفصیل کے جاننے اور مان لینے کے بعد یہ ماننا بہت مشکل ہوگا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''فدک'' کے یہ اموال اپنی لخت جگر کو ہبہ کر دیئے تھے۔ کیونکہ اس کے ماننے سے شانِ نبوت پر ایک رکیک حملہ ہوتا ہے۔ جس کا تذکرہ چند سطور آگے چل کر کروں گا۔

ادھر کتب شیعہ اس بات کو صراحۃً بیان کرتی ہیں۔ کہ ''فدک'' کی پیداوار ''ہزاروں دینار'' تھی۔ ''محمد باقر مجلسی'' اپنی تصنیف ''حیات القلوب'' میں ذکر کرتا ہے۔ ''کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ فدک سے معاہدہ کر لیا کہ وہ ہر سال چوبیس ہزار دینار دیں۔ اور یہ بھی ہے کہ آپ نے خیبر کا سارا خمس بھی فاطمہ کو دے دیا تھا۔ ناسخ التواریخ زندگانی فاطمہ ص۱۲۳

ان تمام باتوں سے معلوم ہوا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ سات باغات بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائے۔ اور ''فدک'' کے اموال فئے جو کہ بموجب معاہدہ چوبیس ہزار دینار (جو لاکھوں روپے بنتے ہیں۔) تھے۔ وہ بھی سیدہ کو دے دیئے۔ یہ تو وہ جائداد تھی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی لختِ جگر کو ملی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اراضی اور باغات اس کے علاوہ ان کی ملک میں تھے۔

اتنی بڑی جائداد کی وارثہ بنا دینا کیا قرآن پاک کی اس آیت کے خلاف نہیں تھا۔ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ۔ تو اس آیت کریمہ کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ اتنی بڑی جائیداد کسی ایک شخص کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرما دی دراصل آپ کی ذات پر یہ الزام لگانا ہے۔ کہ آپ (معاذ اللہ) خویش پرور، خود غرض اور احکامات قرآنیہ کی پرواہ نہ کرنے والے تھے۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو ''رحمۃ اللعالمین'' بنایا۔ آپ اس کے عملی طور پر نمونہ نہ تھے۔

اصحاب صفہ اور دیگر وہ مہاجرین کہ جو غریب و مسکین تھے۔ اور انصار میں سے کچھ

وہ لوگ جو محتاج تھے۔ ان میں سے بعض تو ایسے بھی تھے۔ کہ جنہیں تن ڈھانپنے کے لیے پورا کپڑا اور بھوک مٹانے کے لیے نان جویں بھی میسر نہ تھا۔ ادھر فوجی اعتبار سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ضروریات جہاد اور مصارف میں اتنی کمی تھی۔ کہ جس کا ثبوت آخری غزوہ تبوک کی صورت میں ہمارے سامنے نظر آتا ہے۔ اس غزوہ میں ابتداءً ہر ایک مجاہد کو کھجور کا ایک ایک دانہ کھانے کے لیے ملتا رہا۔ بعد میں چند مجاہدوں کو مجموعی طور پر ایک ایک دانہ کھجور میسر آتا رہا۔ اس تنگی اور بے سروسامانی کی وجہ سے اس غزوہ کو ”جیش العسرۃ“ کہا گیا۔ خود رب ذوالجلال نے قرآن پاک میں اس غزوہ کی سواریوں کی کیفیت ان الفاظ میں بیان فرمائی۔

عہد رسالت میں صحابہ کرام کی تنگدستی کا عالم

آیت:

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ۔

(پ۱۰ آخری رکوع)

ترجمہ: اور نہ ہی ان صحابہ پر کوئی گناہ کا بوجھ ہے۔ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے درخواست کرتے تھے۔ حضور! جہاد میں شرکت کے لیے ہمیں کوئی سامان اور سواری عنایت کیجیے۔ آپ نے انہیں فرمایا۔ کہ تمہارے لیے سامان و سواری کا انتظام میرے پاس نہیں ہے۔ یہ سن کر وہ غریب صحابہ ایسی حالت میں واپس لوٹے۔ کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش جاری تھی۔ یہ حالت اس لیے ہوئی۔ کہ ان بیچاروں کے پاس اللہ کی راہ

میں خرچ کرنے کے لیے کچھ بھی میسر نہ تھا۔

ایک طرف اصحاب صفہ اور غریب مہاجرین ہوں۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ضروری سامان و خوراک بھی نہ ہو۔ اور دوسری طرف لاکھوں کروڑوں کی جائیداد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خاتونِ جنت کو عطا فرما دی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رویہ کیا رحمۃ للعالمین کے وصف کا غماز ہے؟ کیا اتنی بڑی جائیداد ثابت کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں؟

یہ لوگ ایک طرف تو سیدہ خاتون جنت کی محبت کے دعوئی ہیں اور دوسری طرف اس محبت سے حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ بغض و عداوت میں اس قدر حواس باختہ نظر آتے ہیں۔ کہ خود اپنی کتابوں میں اس واقعہ کی طرف ان کی نظریں نہیں اٹھتیں۔ کہ جب خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے اپنے خانگی کام کاج میں ہاتھ بٹانے کے لیے لونڈی کا سوال کیا۔ تو بارگاہ نبوی سے لونڈی کی بجائے "سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر" کی تسبیحات پڑھنے کو ملیں۔ اور فرمایا۔ بیٹی! خادم اور نوکر سے ان تسبیحات کا پڑھنا تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ اگر اتنی بڑی جائیداد کی آپ مالکہ تھیں تو خدا داد دولت سے آپ کئی لونڈیاں خرید سکتی تھیں۔ اور کم از کم اپنی گھریلو زندگی اتنی ٹھاٹھ باٹھ سے بسر فرماتیں۔ کہ کسی قسم کی کمی اور ضرورت نہ رہتی۔ لیکن چکی پیستے پیستے ہاتھوں کو چھالے پڑ جاتے ہیں۔ اور کئی کئی دن گھر کھانا نہیں پکتا۔

مشکوٰۃ اور ابو داؤد میں مذکور ہے۔ کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے "فدک" کا سوال کیا۔ تو سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف انکار فرما دیا۔ اور اس کی آمد نی آپ اپنی زندگی میں فی سبیل اللہ، بنی ہاشم اور دیگر یتیم اور مسکین ضرورتمندوں پر صرف فرماتے رہے۔

اہلِ بیت رسول کو اللہ نے دنیاوی مال و دولت اور زیب و زینت سے منع فرمایا

آیت :

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا - وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۔

(پ ۲۱ رکوع آخری)

ترجمہ : اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی بیویوں کو فرما دیں۔ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت کی متمنی ہو۔ تو چلو تمہاری تمنا پوری کیے دیتے ہیں۔ اور تمہیں اچھے طریقہ سے اپنے سے علیحدہ کر دیتے ہیں۔ اور اگر تمہاری خواہش (دنیوی ساز و سامان کی بجائے) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دار آخرۃ (کا حصول) ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ نے نیکو کار عورتوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی اعلان فرمایا۔ کہ

إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۔

(پ ۲۲ رکوع ۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے۔ کہ اہلِ بیت! تم سے مال و دولت کی حب دور کر کے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دار آخرت

کی محبت کے عالی مقام و مرتبہ سے تم کو نواز دے۔

جب ازواج مطہرات نے سامانِ دنیا کا تھوڑا سا مطالبہ کیا۔ تو اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھا نہ سمجھا۔ اور اس مبغوض و مذموم دنیا کی حرص ان کے دل سے نکال کر طہارت قلبی عطا فرمائی۔ تو کیا سیدہ خاتون جنت کے لیے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لعنت اور قابل مذمت چیز کو پسند فرما کر انہیں عطا کر دیا۔ جس دل میں طہارت اور پاکیزگی آنی تھی۔ وہ حُبِّ دنیا سے معمور ہو گیا۔ اور جس غربت و فقر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے باعثِ فخر کہیں۔ اس سے سیدہ کو کوسوں دور رکھیں۔ جب سونے کے پہاڑ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دینے چاہے۔ اور فرمایا۔ اے محبوب! اگر تم چاہو۔ تو یہ پہاڑ سونے کے بن کر تمہارے ساتھ ادھر ادھر چلتے رہیں۔ لیکن آپ نے منظور نہ کیا۔ شب معراج ایک بڑھیا کی شکل میں "دنیا" نے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے داؤ لگایا۔ لیکن آپ متوجہ نہ ہوئے۔ اور اُسے منہ نہ لگایا۔ کیا ایسی اولوالعزم شخصیت سے، یہ باور کیا جا سکتا ہے۔ کہ جو خود ٹھکرا دیا۔ وہ اپنی لختِ جگر کے سپرد کر دیا۔ جسے خود نفرت سے دیکھتے رہے۔ اُسے اپنی بیٹی کا مطمحِ نظر بنا دیا۔ حاشا ثم حاشا نہ آپ خود دنیا کے طالب تھے۔ اور نہ ہی آپ کی اولاد امجاد میں اس کی طلب تھی۔ یہ محض افترار و بہتان ہے۔ جو کسی نام نہاد "محبِ اہل بیت" کو ہی زیب دیتا ہے۔

مقامِ غور:

مذکورہ روایات میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ "اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ"، کا جو شان نزول بیان کیا گیا۔ واقعی یہی شان نزول ہے۔:

۲ ۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے حق میں "فدک" کا فیصلہ ایک عورت اور ایک مرد کی شہادت سے کیا تھا۔ کیا یہ درست ہے؟

جہاں تک "اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ" کے ضمن میں "اصول کافی" کے اندر جو قصہ مذکور ہے۔ وہ بے سروپا ہے۔ جس کی ایک وجہ یہ ہے۔ کہ شیعہ حضرات کے تمام مترجمین جن میں "مقبول احمد" بھی شامل ہے۔ اور تمام مفسرین نے اس بات کو تسلیم کیا۔ کہ "سورۃ روم" اور سورۃ بنی اسرائیل" دونوں مکی ہیں۔ زیر بحث آیت کریمہ ان دونوں میں موجود ہے۔ گویا مکی زندگی کے دوران "قرابت والوں" کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا جا رہا ہے۔ لہٰذا جس وقت یہ آیت اتری۔ اس وقت ابھی "فدک" کا مسئلہ ہی نہیں تھا۔ کیونکہ یہ "جائیداد" مکہ سے ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف آئی۔

تو کس قدر جہالت ہے۔ کہ ابھی ایک چیز زیر تصرف ہی نہیں آئی۔ اور نہ ہی اس کا کوئی چرچا تھا۔ تو ایسی معدوم جائیداد میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو "ذوی القربیٰ" کے حقوق دینے کا حکم دیا۔ جس سے نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف مالایطاق کا حکم دیا جا رہا ہے۔ بلکہ خود اللہ رب العزت کی شان میں یہ کہنا پڑے گا۔ کہ اُسے بھی علم نہیں۔ کہ جو چیز ابھی زیر تصرف نہیں۔ اس کا حکم دے رہا ہے۔ اور یہ لوگ (شیعہ) ہیں۔ کہ اس معدوم کے ہبہ کرنے کی رٹ لگائے جا رہے ہیں۔

اگر ایک اور پہلو سے اس مسئلہ میں غور و فکر کی جائے۔ تو بھی ان حضرات کے دامن میں سوائے خاک کے اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ جسے ہاتھوں میں لے کر قیامت تک اپنے منہ پر ملنا ان کا شیوہ ٹھہرا۔ ذرا روایات کا انداز دیکھئے۔

لکھتے ہیں۔ کہ جب جبرائیل امین "اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ" آیت لے کر حاضر ہوئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مقصد و مفہوم نہ سمجھ سکے۔ جس کی بنا پر آپ کو جبرائیل

کی پھر ضرورت پڑی۔ کہ پوچھا اسے جبرئیل! تم ہی بتاؤ۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟ کیونکہ مجھے سمجھ نہیں آئی۔ جبرئیل نے بھی کورا جواب دیا۔ حضور مجھے کیا علم کہ اس سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ چنانچہ پھر اللہ رب العزت کی بارگاہ سے جبرئیل نے پوچھا۔ اے مالک دوجہاں!

تو نے جو آیت کریمہ "وآتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ"۔ نازل فرمائی۔ اس کی مراد نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ سکے۔ اور نہ ہی مجھے معلوم ہے۔ لہٰذا اس کی مراد بتلا دیجیے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ "فدک کی جائیداد اپنی بیٹی کو بلا کر ہبہ کر دو"

ذرا اس انداز روایت میں غور کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم دیا۔ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ سمجھ سکے۔ لہٰذا اس کی فہمائش کی خاطر جبرئیل کو پھر آسمانوں پر جانا پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب شیعہ حضرات کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ آپ اور تمام ائمہ اہل بیت "مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ"، کا علم رکھتے ہیں۔ تو اتنے علم کا حامل ہوتے ہوئے "ذوی القربیٰ"، کی مراد نہ سمجھ سکے۔ ادھر اللہ رب العزت جو "وَرَبُّكَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ" کی صفت والا ہے۔ اس نے بھی ایسا حکم دیا۔ جو معمہ بن گیا۔ اور بلاوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد میں ڈالا۔ کیا اچھا ہوتا۔ کہ وہ اس چکر میں ڈالنے کی بجائے سیدھا صاف الفاظ میں فرما دیتا۔ "وآتِ فَاطِمَةَ فَدَكَ"، یعنی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو "فدک"، دے دیں۔

ان حضرات کے بیان کردہ شان نزول کے واقعات سے ایک نہیں بہت سی قباحتیں اور گستاخیاں ثابت ہوتی ہیں۔ محض اپنے مطلب کو ثابت کرنے کی خاطر نہ خدا کو معاف کیا۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام نبوت کا پاس رکھا۔ اور نہ ہی تاریخ کے اوراق کو دیکھنا گوارا کیا۔ ٹھیک ہی کہا کسی نے "حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ"۔

شیعوں کی ایک گپ

ابوبکر رضی نے سیدہ فاطمہ رضی کو فدک کی ملکیت کا پروانہ لکھ دیا تھا مگر عمر رضی نے چھین کر پھاڑ ڈالا

شیعہ حضرات کی تقریباً اکثر چھوٹی بڑی کتب میں یہ من گھڑت قصہ ہمیں پڑھنے کو ملتا ہے کہ اُمّ ایمن اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کی شہادت پر کہ نبی علیہ السلام نے باغ فدک سیدہ فاطمہ رضی کے ملک کیا تھا۔ ابوبکر نے جناب فاطمہ کو فدک کی ملکیت کا پروانہ لکھ دیا۔ اور وہ بخوشی سے کر گھر آ رہی تھیں کہ راستہ میں عمر مل پڑے انہوں نے (معاذاللہ) سیدہ فاطمہ کو دھکا دیا اور ان سے وہ پروانہ چھین کر پھاڑ ڈالا۔

جواب ۱:

اس من گھڑت قصہ کی تردید بالتفصیل تو آئندہ آنے والی تمام ابحاث سے بخوبی ہو گی۔ من جملہ اُں کہ باغ فدک مال فئی تھا۔ جو کسی کی ملک میں دیا جا ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ نبی علیہ السلام نے سیدہ کو باغ فدک دے دیا تھا۔ جس کے چھن جانے پر فاطمہ نے دعویٰ کیا سیدہ فاطمہ، اُمّ ایمن اور علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہم سب کی توہین ہے۔

فی الحال اختصاراً ہم شیعوں کی مذکورہ گپ کا جواب انہی کی معتبر کتاب سے پیش کیے دیتے ہیں۔

❖ ❖

شرح ابن میثم:-

فَقَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَدْ وَهَبَهَا لِيْ ، قَالَ فَمَنْ يَّشْهَدُ بِذٰلِكَ
فَجَآءَ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَّ اُمُّ اَيْمَنَ فَشَهِدَا
لَهَا بِذٰلِكَ فَجَآءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَ
عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فَشَهِدَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ يُقَسِّمُهَا ، فَقَالَ
اَبُوْبَكْرٍ صَدَقْتِ يَا ابْنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَصَدَقَ
عَلِيٌّ وَّصَدَقَتْ اُمُّ اَيْمَنَ وَصَدَقَ عُمَرُ وَ
صَدَقَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَ ذٰلِكَ اَنَّ لَكِ مَا لِاَبِيْكِ
كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ
مِنْ فَدَكٍ قُوْتَكُمْ وَ يُقَسِّمُ الْبَاقِيَ وَ يَحْمِلُ
مِنْهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَكِ عَلَى اللّٰهِ اَنْ اَصْنَعَ
بِهَا كَمَا كَانَ يَصْنَعُ فَرَضِيَتْ بِذٰلِكَ وَاَخَذَتِ
الْعَهْدَ عَلَيْهِ بِهٖ ۔

(ابن میثم شرح نہج البلاغہ جلد ۵ ص ۱۰۷ خطبہ ۴۴)

ترجمہ: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا (ابوبکر سے) کہ فدک نبی علیہ السلام نے
مجھے ہبہ کیا تھا۔ ابوبکر صدیق نے پوچھا۔ اس پر کوئی گواہ؟ چنانچہ
علی بن ابی طالب اور ام ایمن آئے اور انہوں نے اس کی گواہی دی
اتنے میں عمر بن الخطاب اور عبدالرحمٰن بن عوف بھی آگئے، انہوں نے

گواہی دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فدک (کی آمدن) کو تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ ابوبکر نے کہا۔ اے بنت رسول! آپ نے سچ کہا۔ امّ ایمن اور علی نے بھی سچ کہا۔ عمر اور عبدالرحمٰن نے بھی سچ کہا۔ یعنی اے فاطمہ! آپ کو وہی کچھ ملتا رہے گا جو نبی علیہ السلام کے لیے تھا جیسا کہ نبی علیہ السلام فدک سے تمہاری خوراک بھر لیتے تھے اور باقی تقسیم کر دیتے اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ اور میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ آپ کو وہی کچھ دیتا رہوں گا۔ جیسے نبی علیہ السلام کا دستور تھا۔ جس پر سیدہ راضی ہو گئیں اور اس پر ابوبکر صدیق سے عہد لے لیا۔

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ علی مرتضٰے اور ام ایمن نے فاطمہؓ کو فدک ہبہ کیے جانے کی گواہی ضرور دی تھی مگر بعد میں عمر فاروق اور عبدالرحمان بن عوف نے گواہی دی کہ عہد رسالت میں فدک کی آمدن تقسیم ہوتی تھی جس پر ابوبکر صدیق نے دونوں طرح کی گواہی میں یوں تطبیق دی کہ نبی علیہ السلام نے سیدہ فاطمہؓ کو فدک مکمل طور پر نہیں بلکہ آمدن کا کچھ حصہ دے رکھا تھا اور بقیہ آمدن فقراء میں تقسیم ہو جاتی تھی اور ابوبکر نے قسم اٹھائی کہ عہد رسالت سے فاطمہؓ کا مقرر حصہ انہیں ضرور ملتا رہے گا جس پر وہ راضی ہو گئیں اور اس پر ابوبکر صدیق سے عہد لے لیا۔

جواب ۲: یہ بارگاہِ صدیقی میں افترا ہے۔ کیونکہ اگر اس بات کو درست تسلیم کر لیا جائے۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حکم قرآن کی اس بارے میں مخالفت کی۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے۔ کہ آپ کے اس خلاف شرع فیصلہ پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔ حالانکہ یہ ایسا زمانہ تھا۔ کہ اس میں آزادی رائے کا اتنا اہتمام تھا۔ کہ خلیفہ وقت کے فیصلہ کے خلاف بھرے مجمع میں ایک معمولی عورت کھڑے ہو کر ٹوک سکتی تھی۔ کہ آپ نے غلط کہا۔ اور وقت کا خلیفہ اس بڑھیا کی بات بڑی خندہ پیشانی سے سنتا تھا۔ اگر درست ہوتی تو سر تسلیم خم ورنہ کوئی گرفت نہیں تھی۔

عہد فاروقی میں عدل و انصاف کا عالم

منہج الصادقین

در وقتیکہ عمر بر بالائے منبر رفت و از مغالات در صداق منع کرد زنی بر خواست و او را گفت أَتَمْنَعُنَا مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ لَنَا ایا مارا منع میکنی از آنچہ حقتعالی از برائے ما مقرر کردہ و زمام اختیار آں بدست ما دادہ بعد از آں ایں آیت تلاوت کرد (وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا)..... پس عمر از رائے خود رجوع کرد۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد دوم ص ۵۸ ہم مطبوعہ تہران زیر آیت وآتیتم احدٰہن قنطارا)

ترجمہ: جس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لائے اور حق مہر میں گرانی کو منع فرمایا تو ایک عورت اٹھی اور کہنے لگی کیا آپ ہم سے اس چیز کو منع رکھنا چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقرر کی

ہے۔ اور اس کا ہمیں اختیار دیا ہے۔ اور اس کے بعد یہ آیہ کریمہ تلاوت کی یعنی اور اگر تم عورت کو حق مہر میں ایک ڈھیر (مال کا) بھی دو تو اس میں سے کوئی چیز نہ لو۔ عورت کی یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔

ہمارا اس واقعہ کو عرض کرنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ قارئین کے سامنے اس دور کی آزادی رائے کی تصویر آجائے۔ جس میں کسی امیر و غریب۔ شاہ و گدا، شریف و ذلیل میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ اور نہ ہی آیات و احکام قرآنیہ کے خلاف کسی کی بات چلتی تھی۔ جب خلفائے راشدین کا دور ایسا مسعود تھا۔ تو ہم کس طرح باور کر سکتے ہیں۔ کہ خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے "وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ" کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک عورت اور ایک مرد کی گواہی پر فیصلہ فرما دیا۔ بلکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے گواہی کا مسئلہ ہی نہ تھا۔ کیونکہ آپ نے اس اصل بات کو ہی ختم فرما دیا۔ جس میں دعویٰ وغیرہ تھا "انبیاء کرام کی وراثت درہم و دینار نہیں ہوتی۔ بلکہ علم ہوتا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بتانے کا مطلب یہ تھا۔ کہ اے فاطمہ! نبی کی وراثت زر و جواہر اور دنیوی مال و جائیداد نہیں ہوتی۔ بلکہ علم دین ہوتا ہے۔ تو تمہیں اپنے والد کے ارشاد کے مطابق اس مسئلہ کو اٹھانا ہی نہیں چاہیئے تھا۔ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بتلایا۔ تو کیا اس مقام پر ہم یہ کہیں۔ کہ "خاتون جنت" نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ نہیں نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس ارشاد سے قبل اگر کوئی بات دل میں تھی بھی۔ تو وہ بھی صاف ہو گئی ہو گی اور بلا چوں و چرا اسے حق سمجھتے ہوئے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو داد انصاف دی ہو گی۔

فدک کا مطالبہ سیدہ فاطمہ کی عصمت کے خلاف تھا۔

بقول شیعہ مؤرخ

ناسخ التواریخ:

کلمۂ او ودیعۂ خداوند رحمٰن و مناعتِ محل او از ملکوت رفیع تر بود تا بعوالی و فدک چہ رسد و چہ بسیار وقت کہ حسنین را گرسنہ میخوا بانید و طلفۂ یک شبہ ایشا نرا بسائلی میر ساند۔ مملکتِ دنیا در چشم او با پر زبابے بمیزان، نمیر فت و فدک و عوالی چہ حیثیت حاصل عوالی کدام است،

اگر گوئی ایں خطاب وخطبہ چہ بود و ایں ہمہ فزع و شکوی چہ واجب مے نمود پس در حضرت امیر المومنین اظہار جسارت کردن و معذرت جستن با جلباب عصمت بینونت داشت، پاسخ ایں سخن را بدیں گونہ ساختگی کنیم کہ اسرار اہل بیت مستور است،

(ناسخ التواریخ زندگانی حضرت فاطمہؓ ص ۱۵۸
مرزا محمد تقی شیعہ۔ طبع جدید تہران۔)

ترجمہ: سیدہ فاطمہ کی ہر بات اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ ہوتی ہے آپ کا مقام تمام جہانوں سے بلند تر ہے۔ آپ کو فدک اور اس کے عوالی سے کیا غنیمت حاصل ہوئی تھی۔ آپ تو کئی وقت اپنے بچوں حسن و حسین کو بھوکا سلا دیتی اور ان کا رات بھر کا کھانا سائل کو دے دیتی تھیں۔ دنیا کی دولت تو ان کی نگاہ میں مکھی کے ایک پر کے برابر بھی نہ تھی، فدک اور عوالی کی حیثیت ہی کیا ہے؟ اور ان کی

آمدن کس زمرے میں ہے؟

اگر تم پوچھو کہ سیدہ کے مذکورہ خطبے اور خطابات (ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ) کیا معنٰے رکھتے ہیں اور وہ شکوے اور شکائتیں کیا تھیں؟ چنانچہ حضرت علی کی بارگاہ میں سیدہ کا جسارت کرنا پھر معذرت کرنا لباسِ عصمت کے خلاف ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اہل بیت کے اسرار پوشیدہ ہوئے ہیں۔

مندرجہ بالا عبارت سے یہ امور ثابت ہوئے

۱۔ سیدہ فاطمہ کی ہر بات اللہ کی طرف سے ودیعت کردہ ہے۔ لہٰذا آپ کی شان کے خلاف کوئی بات آپ کی طرف منسوب کرنا آپ کی توہین ہے

۲۔ آپ کا مقام اتنا بلند ہے کہ ساری دنیا کی دولت آپ کی نگاہ میں مکھی کے پر کے برابر بھی نہیں فدک کی تو حیثیت ہی کیا ہے؟

۳۔ مذکورہ عبارت سے ثابت ہوا کہ شیعہ کتب میں جو اس قسم کی روایات ہیں کہ باغ فدک چھن جانے پر سیدہ نے حضرت علی کو سخت سست کہا اور کہا کہ تم یوں گھر میں چھپے بیٹھے ہو جیسے بچہ ماں کے رحم میں ہوتا ہے۔ اور یوں شیر خدا کی سخت بے ادبی کی (معاذ اللہ) یہ سب شیعہ روایات جھوٹ کا پلندہ ہیں اسی طرح فدک جیسی حقیر چیز کے لیے دختر رسول خدا ہوتے ہوئے

شکوہ و شکایت کرنے کی تمام شیعہ روایات سیدہ کی عصمت کے خلاف اور آپ کے دامنِ عصمت کو داغدار کرنے کی بدترین جسارت ہیں۔

دعوت فکر:

مذکورہ عبارت سے ایک درس ہمیں حاصل ہوتا ہے جو ہم انصاف کے نام پر پورے مسلکِ شیعہ کے سامنے رکھتے ہیں ممکن ہے گم کردہ راہ کو ہدایت مل جائے۔

دیکھئے سیدہ فاطمہ کا علی مرتضٰے پر فدک کے متعلق غضب ناک ہونا جب شیعہ مؤرخ نے عصمتِ سیدہ فاطمہ کے خلاف دیکھا تو فوراً یہ تاویل کر دی کہ یہ اہل بیت کے اسرار میں سے ہے لہذا علی مرتضٰے پر کوئی اعتراض نہیں! شیعو! سیدہ کا غضب علیؓ پر اگر اسرار اہل بیت میں سے ہے تو ابو بکرؓ پر سیدہ کا غضب اور ناراضگی اسرار اہل بیت سے قرار دیتے ہوئے شخصیتِ صدیقی کو تم بے داغ کیوں نہیں سمجھتے؟

ع شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات؟

مالِ فئی وانفال کی تعریف اور اس کا حکم قرآن وائمہ اہل بیت کے اقوال سے

نوٹ:

"باغ فدک" کے بارے میں ہم نے جو مختلف روایات کتب شیعہ سے پیش کی ہیں۔ ان میں اگرچہ ان لوگوں نے بہت رطب و یابس سے کام لیا ہے۔ اور دروغ گوئی تک سے باز نہیں آئے۔ جس کی تردید ہم نے ٹھوس دلائل سے کر دی ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ان روایات میں ایک بات سب نے تسلیم کی۔ وہ یہ ہے۔ کہ "باغ فدک وہ مال ہے۔ جو بغیر جنگ و جدال بطور مصالحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ آیا۔"

اور جو مال اس طریقہ سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اُسے "مال فئے" کہتے ہیں۔ سورۃ حشر میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

آیت:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(سورۃ الحشر رکوع ۴/ پ ۲۸)

ترجمہ: اور جو مال حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے بغیر لڑے عطا کیا ہے

تو اُس پر تم نے نہ گھوڑے دوڑائے ہیں نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسول کو جس جس پر چاہتا ہے مسلط فرما دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

(ترجمہ مقبول احمد)

اس آیت کریمہ میں "مال فئے" کی خود اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی۔ یعنی جو مال جنگ وجدل کے بغیر حاصل ہو۔

جب یہ ثابت ہو گیا۔ کہ "فدک" روایت شیعہ کے مطابق اور تعریف قرآن کے مطابق "مال فئے" ہے۔ تو اس قسم کے مال کا حکم کیا ہے؟ یعنی وہ کس کی ملکیت ہوتا ہے؟ اور اس کا مصرف کیا ہوتا ہے؟ ان چند باتوں کے جواب سے زیر نظر مسئلہ کی مزید وضاحت ہو گی۔ ہم اس سلسلہ میں کتب شیعہ سے ہی اس کا حکم ذکر کرتے ہیں۔ سر دست پانچ حوالہ جات پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

حوالہ نمبر (۱)

تہذیب الاحکام میں جناب باقر علیہ السلام اور جناب امام جعفر علیہ السلام سے فے اور انفال کے بارے میں منقول ہے۔ کہ جو زمین اس طرح ہاتھ آئے۔ کہ اس میں نہ خون بہایا گیا ہو (اور نہ ہی اس میں جہاد کی نیت سے گھوڑے دوڑائے گئے ہوں) بلکہ کسی قوم سے مصالحت کی گئی ہو۔ اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے کچھ دیا ہو۔ اور جو زمین غیر آباد پڑی ہو۔ یا پانی کی تہہ میں ہو۔ یا پانی کے راستہ میں ہو۔ سب کی سب فے اور انفال میں داخل ہے۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول کی ملکیت ہے۔ اور اللہ کا حصہ بھی اس کے رسول کے اختیار میں ہے۔ کہ جس

مصرف میں چاہے اسے صرف کرے۔ اور بعد رسول کے امام کو بھی وہی حق ہے۔

(ضمیمہ جات مقبول حواشی ص۱۵۶ / افتخار بک ڈپو لاہور)

حوالہ نمبر (۲)

الجوامع میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ انفال میں ہر وہ چیز داخل ہے۔ جو بغیر لڑائی کے کفار کے ملک سے ہاتھ آئے اور ہر وہ زمین جس سے اس کے رہنے والے بغیر لڑائی کے نکل جائیں جس کو فقہا کی اصطلاح میں "فئے" کہتے ہیں۔

(ضمیمہ جات مقبول حواشی ص۱۵۶)

حوالہ نمبر (۳)

عَنِ الْبَاقِرِ وَالصَّادِقِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ اَلْفَيْءُ وَالْاَنْفَالُ مَا كَانَ مِنْ اَرْضٍ لَمْ تَكُنْ فِيْهَا هِرَاقَةُ دَمٍ وَقَوْمٌ صُوْلِحُوْا وَاَعْطَوْا بِاَيْدِيْهِمْ وَمَا كَانَ مِنْ اَرْضٍ خَرِبَةٍ اَوْ بُطُوْنِ اَوْدِيَةٍ فَهُوَ كُلُّهُ مِنَ الْفَيْءِ وَالْاَنْفَالِ فَهٰذَا كُلُّهُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ فَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ لِرَسُوْلِهٖ يَضَعُهُ حَيْثُ شَآءَ وَهُوَ لِلْاِمَامِ بَعْدَ الرَّسُوْلِ۔

(تفسیر صافی جلد اول ص۶۲۶ مطبوعہ تہران / زیر آیت یسئلونک عن الانفال)

ترجمہ: امام باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ فئے اور انفال ہر وہ زمین ہے۔ جس کے حصول کے لیے خون ریزی نہ کی گئی ہو۔ اور

لوگوں نے بطور صلح اپنے ہاتھوں خود دے دی ہو۔ اور وہ زمین جو غیر آباد ہو۔ یا پانی کی تہہ میں ہو۔ وہ بھی تمام کی تمام فئے اور انفال میں داخل ہے۔ اور "فئے انفال" کا مالک اللہ اور اس کا رسول ہوتا ہے تو جو اللہ کی ملکیت ہے۔ وہ بھی نیابتاً اس کے رسول کی ملکیت میں ہوتی ہے۔ رسول کی مرضی اسے جہاں چاہے صرف فرمائے۔ اور رسول کے انتقال کے بعد امام اس کا مالک ہوتا ہے۔

حوالہ نمبر (۴)

عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْاَنْفَالُ كُلُّ مَا اُخِذَ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ بِغَيْرِ قِتَالٍ وَ كُلُّ اَرْضٍ اِنْجَلٰى اَهْلُهَا عَنْهَا بِغَيْرِ قِتَالٍ وَّسَمَّاهَا الْفُقَهَاءُ فَيْئًا وَّ الْاَرَضُوْنَ الْمَوَاتُ وَالْاٰجَامُ وَبُطُوْنُ اَوْدِيَةٍ وَقَطَائِعُ الْمُلُوْكِ وَ مِيْرَاثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهٗ وَهِيَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِمَنْ قَامَ مَقَامَهٗ بَعْدَهٗ (تفسیر صافی جلد اول ص ۶۲۳)

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ "انفال" ہر وہ چیز ہے۔ جو دار الحرب سے لڑائی کے بغیر حاصل ہو۔ اور ہر وہ زمین جسے اس کے مالک بغیر لڑائی کے چھوڑ کر چلے جائیں۔ اسی قسم کی زمین کو فقہاء "فئے" کہتے ہیں۔ غیر آباد زمین۔ جنگلات، پانی کے راستے بادشاہوں کی جاگیریں اور اس شخص کی وراثت جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ یہ تمام اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔ اور رسول کے بعد اس کے لیے جو ان (رسول) کا قائم مقام ہو۔

حوالہ نمبر (۵)

سوم فیٔے است (یعنی منجملہ اموالیکہ آئمہ و ولاۃ دراں تصرف دارند و آں ملے است۔ کہ از کفار بمسلمانان منتقل شود بدون قتال و ایجاف خیل درکاب و آں رسول را باشد درحال حیوٰۃ وی و بعد از وی کسی را کہ قائم مقام وی باشد از ائمہ دین وایشاں ہرکس را کہ خواہند دھند۔ و در ہر چہ صلاح باشد صرف نمایند وایں قول امیر المومنین است۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۹ ص ۲۲۳ مطبوعہ تہران / زیر آیت ما افاء اللہ علی رسولہٖ / سورۃ حشر پ ۲۸)

ترجمہ: تیسرا مال فیٔے ہے۔ یعنی من جملہ ان اموال کے کہ جن میں ائمہ اور والیان حکومت تصرف رکھتے ہیں۔ یہ وہ مال ہوتا ہے۔ جو کفار کی ملکیت سے مسلمانوں کے پاس بغیر حرب و ضرب کے منتقل ہو کر آجائے۔ اس کے مالک رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے ہیں۔ جب تک بقید حیات ہیں۔ اور ان کی وفات کے بعد اس شخص کی ملکیت قرار پاتے ہیں۔ جو پیغمبر کے قائم مقام ائمہ دین میں سے ہوتے ہیں۔ پھر یہ لوگ جس کو چاہیں اس میں سے عطا کریں۔ اور ہر اس کام پر خرچ کریں۔ جو بہتر ہوتا ہو۔ یہی قول امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے۔

ان پانچ حوالہ جات سے "مال فیٔے" کی تعریف اور اس کا مصرف بخوبی واضح ہو گیا۔ اب ہم اپنے مقصد کی طرف لوٹتے ہیں۔ وہ یہ کہ جب "فدک" کے متعلق خود شیعہ روایات سے ثابت ہوا۔ کہ اِسے بغیر جنگ و جدال کے محض مصالحتی طور پر کفار خیبر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف دیا تھا۔ تو اس

طریقہ سے "فدک" کا شمار بھی مذکورہ روایات کی روشنی میں "مال فئے" میں ہوا اور جب "فدک" مال فئے ٹھہرا۔ تو اس کی ملکیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوئی۔ اور اس کی آمدنی کا تصرف بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا۔ آپ کے وصال کے بعد جو شخص امامِ امت اور والی مملکت اسلامیہ بنا۔ یہ جائیداد نیابۃً اس کے زیر تصرف آئی۔ اور وہ بھی اس کی آمدنی انہی مدات میں خرچ کرنے کا پابند تھا۔ جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف فرمایا کرتے تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ "مال فئے" جب کسی کی ملکیت میں نہیں دیا جا سکتا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی مالک بن سکتا ہے۔ تو "فدک" بھی کسی کی ملکیت نہ قرار پایا۔ اور نہ ہی (اس کی ملکیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر صدیق) عمر بن خطاب، عثمان غنی حضرت علی، امام حسن رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی طرف منتقل ہوئی۔ بلکہ اپنے اپنے دور میں یہ حضرات اس کے امین ہو کر تصرف کرنے کا نیابۃً اختیار رکھتے تھے۔ لہٰذا اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بالفرض سیدہ فاطمہ کے سوال کرنے پر انہیں یہ نہیں دیا تھا تو انہیں ایسا کرنا از روئے شرع لازم تھا۔ اور اس پر ان کے عدل و انصاف اور شرعی استقامت کی داد دینی چاہیئے۔ نہ کہ انہیں ظالم بنا کر لوگوں کے سامنے ان کا ڈھنڈھورا پیٹا جائے۔ لیکن عقل کے اندھوں کو اتنی سمجھ کہاں؟

سوال:

اگر کوئی شخص مذکورہ پانچ حوالہ جات کی روشنی میں اور آیت کریمہ کے ضمن میں یہ سوال کرے۔ کہ ان میں صرف "مال فئے" کی تعریف اور اس کے مصارف کا ذکر آیا۔ یہ کہاں آیا ہے۔ کہ "فدک" بھی "مال فئے" تھا؟ تاکہ اس کے ثابت ہونے کے بعد بقیہ باتیں درست مانی جائیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے۔ کہ پچھلی سطور میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ ان حوالہ جات

اور آیت قرآنیہ میں "مال فئے" کی تعریف و مصرف ذکر کیا گیا رہا یہ کہ "فدک" مال فئے تھا یا نہیں؟ تو ایک قاعدہ کلیہ جب بیان کر دیا جائے۔ تو اس وقت اس قاعدہ کے تحت جو بھی چیز آئے گی۔ اُسے وہی حکم دیا جائے گا۔ اس کی تمام جزئیات کا نام لے کر شمار کرنا نہ ضروری ہے۔ اور نہ ہی اس کی پابندی۔ جب تمہارے حوالہ جات سے یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ "فدک" بغیر جنگ و جدال کے حاصل ہوا۔ اور اس کی خاطر کوئی خون ریزی نہیں ہوئی۔ کفار نے مصالحتی طور پر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا تھا۔ اور جب "فئے" کی تعریف اس پر صادق آتی ہے۔ تو اسے ہم "مال فئے" کیوں نہ کہیں؟ جب "فدک" تعریف کے مطابق "مال فئے" ٹھہرا۔ تو ایسے مال کی کسی کو ملکیت نہیں دی جاتی۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول یا رسول کے نائب اس کے متصرف ہوتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ "فدک" مال فئے ہونے کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف تھا۔ اور آپ کے انتقال کے بعد آپ کے نائب خلیفۃ المسلمین کے زیر تصرف آیا۔ اس طرح یہ ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

فدک مال فئے میں سے تھا

ناسخ التواریخ:

> وچوں فتح فدک نبیروے سوارہ وپیادہ نبود بتمامت خاص پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گشت وایں آیہ مبارکہ دلالت برایں معنی تو اند داشت
>
> وَمَا اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا

اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۔

ترجمہ فارسی :

میفرماید آنچہ از ملک و مال کفار بار سول مختار گذاشتیم سواران و پیادگان شمار نج تاختن و شکنج ازم ساختن ندیدند کہ بہرہ و نصیبہ تو انند کرد لاجرم خاصہ و خالصہ خدا و رسولست و مقرر است از برائے خویشاوندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و مساکین ایشاں تا درمیان تونگراں دست بدست نرود ۔

(ناسخ التواریخ زندگانی حضرت فاطمہؓ ص ۸۳ ذکر تفویض ضوابط فدک بفاطمہ)

ترجمہ: جب فدک کی فتح سواروں اور پیادوں کی طاقت سے نہ تھی اس لیے تمام تر خاصہ پیغمبر ٹھہری ۔ اور یہ آیہ مبارکہ اسی معنے پر محمول ہوتی ہے ۔ کہ کفار سے جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مال فئے دیتا ہے تو وہ ایسا (مال و علاقہ) ہے جس پر تم نے گھوڑے نہ دوڑائے ہوں اور نہ اونٹ مگر اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جس علاقہ پر چاہے تسلط دے دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اللہ تعالیٰ کچھ علاقوں

سے اپنے رسول کو جو کچھ مال فئی دیتا ہے تو اس کا حق دار اللہ اس کا رسول، رسول کا رشتہ دار۔ یتیم مساکین اور مسافرین ہیں تاکہ یہ مال تم میں سے دولت مندوں کے درمیان نہ گھومتا رہے۔ اور جو رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ امور ثابت ہوئے۔

(۱) علاقہ فدک پر فوج کشی نہیں کی گئی۔ بلکہ بغیر جنگ کے صلح کے ساتھ یہ علاقہ اسلام میں داخل ہوا اور ایسے علاقہ اور ایسے مال کو اللہ تعالیٰ کا قرآن اموال فئی قرار دیتا ہے۔

(۲) قرآن کی رو سے مال فئے رسول کے لیے ہے کہ وہ اس سے اپنا گھریلو خرچہ چلائیں اسی طرح آپ کے رشتہ داروں کے لیے ہے کہ اس میں سے انہیں بھی کچھ دیا جائے گا۔ اسی طرح مسلمانوں میں سے غرباء مساکین یتامیٰ اور مسافرین کے لیے ہے۔ گویا اس میں تمام اہل اسلام کا حق ہے۔

(۳) قرآن کریم نے اسے تمام یتامیٰ و مساکین و مسافرین پر خرچ کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ اسے صرف دولت مندوں کے لیے مختص نہ کر دیا جائے۔ اور غریب لوگ فاقہ کشی میں مبتلا نہ رہیں۔

یاد رہے کہ مذکورہ عبارت سے قبل بھی مرزا محمد تقی نے ناسخ التواریخ میں شرح و بسط کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ کہ فدک بغیر جنگ کے صلح کے ساتھ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تھا۔ اس لیے مال فئے ٹھہرا۔

اور ابھی آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ یہ مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اختیار و تصرف میں ہوتا ہے اور آپ اسے اللہ کے قرآن کے احکام کے مطابق اس کے ارشاد کردہ مصارف پر خرچ فرماتے ہیں۔ اور آپ کے بعد آپ کے جانشین خلیفہ کے تصرف میں ہوتا ہے اور وہ اُسے سنتِ نبوی اور ارشادِ قرآن کے مطابق طے شدہ مصارف پر خرچ کرتا ہے۔ اور بلا شک و شبہ خلفاء ثلاثہ نے یہی کچھ کیا فدک کا مال فئی ہونا مجالس المومنین کے حوالہ سے بھی بحث کے آغاز میں بیان ہو چکا ہے اور مزید تسلی کے لیے اصول کافی کی عبارت پیش کی جا رہی ہے۔

اصول کافی

عَنْ عَلِیِّ بْنِ سُبَاطٍ قَالَ لَمَّا وَرَدَ اَبُو الْحَسَنِ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ عَلَی الْمَھْدِیِّ رَآہُ یَرُدُّ الْمَظَالِمَ فَقَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ مَا بَالُ مَظْلِمَتِنَا لَا تُرَدُّ؟ فَقَالَ وَمَا ذَالِکَ یَا اَبَا الْحَسَنِ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی لَمَّا فَتَحَ عَلٰی نَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَدَکَ وَمَا وَالَاھَا لَمْ یُوْجِفْ عَلَیْہِ بِخَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ۔ (اصول کافی جلد اول ص۵۴۳)

ترجمہ: علی بن سباط سے روایت ہے کہ جب امام موسیٰ کاظم عباسی خلیفہ مہدی کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ لوگوں کی غصب شدہ املاک واپس کر رہا ہے آپ نے کہا ہماری غصب ملک واپس کیوں نہیں کر رہا؟ کہا وہ کونسی اے ابوالحسن؟ کہا جب اللہ نے نبی کو فدک پر فتح دی تو اس پر گھوڑے نہیں دوڑائے اب صافی شرح اصول کافی سے اسی جگہ مذکورہ حدیث کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔

لَمْ یُوْجِفْ معلوم از باب افعال است۔ وضمیر مستتر راجع برسول است۔ "باء" در بِخَیْلٍ برائے تعدیہ بمفعول دوم است۔ ومفعول اول محذوف است۔ بتقدیر لَمْ یُوْجِفِ الْعَسْکَرَ واشارہ است۔ بقول اللہ تعالیٰ در سورۂ حشر "وَمَا اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ" (سورۂ حشر پ۲۸)

ترجمہ: "لَمْ یُوْجِفْ" نفی جحد معلوم باب افعال سے ہے۔ اس میں مستتر ضمیر "ھُوَ" رسول کی طرف لوٹتی ہے۔ "بِخَیْلٍ" کے لفظ پر داخل شدہ "حرف باء" اس فعل کو دوسرے مفعول کی طرف متعدی کرنے کے لیے آتی ہے۔ اور مفعول اول عبارت میں حذف کیا گیا ہے یعنی "لَمْ یُوْجِفِ الْعَسْکَرَ" ان الفاظ

(لَمْ یُوْجِفْ بِخَیْلٍ) کے ذکر فرمانے کا مقصد دراصل اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ جو سورۂ حشر میں واقع ہے۔ "وَمَا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ الخ"

وضاحت

مذکورہ عبارت میں "صاحب صافی" نے یہ بات واضح کردی۔ کہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے خلیفہ مہدی کے دربار میں "باغ فدک" کی حقیقت بیان کرتے ہوئے جو یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

"وَلَمَّا فَتَحَ عَلٰی نَبِیِّہٖ فَدَکَ وَمَا وَالَاھَا وَلَمْ یُوْجِفْ عَلَیْہِ بِخَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ" تو ان سے ان کی صاف طور پر یہ مراد تھی۔ کہ "باغ فدک" بھی آیت فئے میں داخل ہے۔ کیونکہ "مال فئے کی طرح اس کے حصول کے لیے کوئی جنگ و جدال نہ ہوئی۔ بلکہ کفار نے محض صلح کرتے ہوئے یہ جائیداد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف دے دی تھی۔

دو ضروری باتیں:

۱۔ شیعہ و سنی دونوں کی معتبر کتب سے ثابت ہے۔ کہ "اموال فئے" (جس میں فدک بھی شامل ہے) کے متعلق جو عمل اور طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اور جن مصارف پر آپ اسے خرچ فرمایا کرتے تھے۔ انہی مصارف پر آپ کے انتقال کے بعد خلیفہ اوّل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثانی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثالث عثمان غنی رضی اللہ عنہ، خلیفہ رابع علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور امام حسن رضی اللہ عنہ صرف کرتے رہے۔ آپ کے عمل اور طریقہ میں ذرہ بھر فرق نہ کیا۔ اور نہ ہی ان اموال میں کوئی تغیر و تبدل کیا۔ گویا قرآن پاک میں

مذکورہ ہدایت اور حکم کے مطابق اِسے تصرف میں لاتے رہے۔ حتیٰ کہ ’’مروان‘‘ کا دور آیا۔ تو اس نے ’’فدک‘‘ میں ردوبدل کیا۔ اس کے بعد جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا۔ تو انہوں نے ’’مروان‘‘ کے طریقہ کو ختم فرما کر پھر سے وہی طریقہ وعمل جاری فرمایا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا تھا۔

اس وضاحت کے پیشِ نظر اگر کوئی متعصب، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس بنا پر غاصب، ظالم اور منافق تک کے الفاظ کہتا ہے۔ کہ ان حضرات نے ’’فدک‘‘ میں ردوبدل نہ کیا۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دینے کی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل وطریقہ کو مقدم رکھا۔ تو پھر صرف یہی دو حضرات ہی موردِ الزام نہ ٹھہریں گے۔ بلکہ اس طریقہ اور عمل پر جو بھی کاربند رہا۔ وہ بھی ان الفاظ کا مصداق قرار پائے گا۔ کیونکہ یہ طریقہ وعمل جب یکساں ٹھہرا۔ تو اس طریقہ پر حکم بھی ایک جیسا ہوگا۔ لہٰذا یہ الفاظ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، امام حسن رضی اللہ عنہ بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات پر بھی صادق آئیں گے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

۲۔ دونوں فریق کی کتب اس بات کی بھی شہادت دیتی ہیں۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ اے دخترِ رسول خدا میں جب تک زندہ ہوں۔ اموال فئے (فدک وغیرہ) میں وہی طریقہ اور عمل جاری رکھوں گا۔ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا تھا۔ اس میں قطعاً کوئی ردوبدل نہ کروں گا۔ اور تغیر وتبدل کے ذریعہ کوئی دوسرا طریقہ ہرگز نہ اپناؤں گا۔

ہاں یہ پیش کش کئے دیتا ہوں۔ کہ میرے ذاتی مال وجائیداد میں اے دخترِ رسول! تمہیں کلی اختیار ہے۔ جو چاہیں لے لیں۔ یہ سب آپ پر قربان ہے شیعہ کتاب ’’حق الیقین‘‘ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

اموال واحوال خود را از تو مضائقہ ندارم۔ آنچہ خواہی بگیر تو سیدہ امتِ

پدرِ خودی و شجرۂ طیبہ از برائے فرزندانِ خود انکارِ فضلِ تو کسے نمی تواند کرد۔ وحکم تو نافذ است در مالِ من۔ اما در اموالِ مسلمانان مخالفتِ گفتۂ پدر تو نمی توانم کرد۔

(۱) (حق الیقین صـ۱۲۷ باب پنجم ذکر احتجاج حضرت زہرا با ابوبکر در امر فدک) مطبوعہ تہران

(۲) ناسخ التواریخ جز اول از تاریخ خلفاء صـ۱۵۷ بالفاظ مختلفہ مطبوعہ تہران طبع جدید تہران مصنفہ مرزا محمد تقی، نیز ناسخ التواریخ زندگانی فاطمہ صـ۱۴۸)

ترجمہ: میں اپنے اموال و احوال کو تم سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ آپ اس میں خود مختار ہیں۔ جو چاہیں لے سکتی ہیں آپ اپنے والد گرامی کی امت کی سیدہ ہیں اور اپنے فرزندوں کے لیے "شجرۂ طیبہ" ہیں۔ آپ کے فضل کا کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ اور آپ کا حکم میرے ذاتی مال میں نافذ ہے۔ لیکن مسلمانوں کے اجتماعی مال میں آپ کے والد بزرگوار کے ارشاد کی مخالفت نہیں کرسکتا۔

اسی مقام پر کچھ سطور پہلے اسی کتاب "حق الیقین" میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جو کچھ فرمایا۔ اس کی جھلک ملاحظہ ہو۔

حق الیقین: فدک کے متعلق خدمتِ فاطمہؓ میں صدیق اکبر کی نہایت مخلصانہ گزارش

ابوبکر گفت۔ اے دختر رسول خدا پدر تو نسبت بمومنان مشفق و کریم و مہربان و رحیم بود۔ و بر کافران عذاب الیم و عقاب عظیم بود۔ و او را اگر نسبت میدہم پدر تست نہ زنانِ دیگر و برادر شوہر تست نہ دوستان دیگر او را اختیار کرد بر ہر خویشی و اویاری او۔ نمود در ہر امر عظیم و دست

نمیدارد شمار امگر ہر سعادت مندی و دشمن نمیدارد شمار امگر ہر بد بختی پس شما عترت پاکیزۂ رسول اید و نیکاں و برگزیدگان و راہ نمایانِ ما اید بسوئے خیر و سعادت و جنت و توئی برگزیدۂ زناں و دختران بہترین پیغمبراں راست گوئی در گفتار خود سبقت داری بر ہمہ بسبب وفور و عقل خود و کسی تو را از حق خود بر نمیگرداند بخدا سوگند کہ من از رائی رسول خدا تجاوز نہ کردہ ام و آنچہ کردہ ام باذنِ او کردہ ام و خدا را گواہ میگیرم کہ شنیدہ ام از رسول خدا کہ گفت ما گروہ انبیاء میراث نیگذاریم نہ طلا و نہ نقرہ و نہ خانہ و نہ عقار و نیست میراث ما مگر کتابہا و حکمت و علم پیغمبری و آنچہ طعمۂ ما است ولی امرِ خلافت بعد از ما در آں حکم میکند بحکم خود و من چناں کردہ حکم کردم کہ آنچہ تو از ما طلب می کنی صرف اسباب و اسلحہ شود کہ مسلمانان با کفار قتال کنند و ایں را باتفاق مسلمانان کردہ ام و دریں امر منفرد و تنہا نبودہ ام۔

(حق الیقین ص۱۲۶) باب پنجم خطبہ حضرت صدیقۂ کبریٰ

ناسخ التواریخ زندگانی فاطمہ ص۱۴۷ طبع تہران)

ترجمہ: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے خدا کے پیغمبر کی لختِ جگر! آپ کے والد گرامی مومنوں کے لیے انتہائی مشفق، کریم، مہربان اور رحیم تھے۔ اور کفار کے لیے دردناک عذاب اور بہت بڑی سزا تھے ان کے بارے میں جو کچھ نسبت کر سکتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ وہ آپ کے والد تھے۔ نہ کہ دوسری عورتوں کے۔ اور آپ کے خاوند کے بھائی تھے۔ کسی اور کے نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو ہی اپنے اعزہ و اقارب پر پسند فرمایا۔ اور حضرت علی نے بھی ان کی خوب مدد کی۔ ہر سعادت مند ہی آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھے گا۔

اور صرف بدبخت ہی آپ سے دشمنی کرے گا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اولاد ہیں۔ اور ہم میں سے نیک اور برگزیدہ ہیں۔ ہر سعادت اور خیر و جنت کی آپ ہمارے لیے راہ نما ہیں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر ان نیک اختر سے پاکیزہ تر ہیں۔ گفتار میں سچی ہیں۔ عقل و سمجھ میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ کوئی بھی آپ کو آپ کے حق سے محروم نہیں کر سکتا۔ اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے تجاوز نہیں کیا۔ اور جو کچھ کیا ہے۔ آن کے ہی اذن سے کیا ہے۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا۔ آپ نے فرمایا۔ ہم گروہ انبیاء میراث چھوڑ کر نہیں جاتے۔ نہ چاندی، نہ سونا نہ گھر نہ ہی زمین ہماری وراثت ہوتی ہے۔ ہماری وراثت صرف کتابیں، حکمت اور علم پیغمبرانہ ہوتا ہے۔ اور جو کچھ ہماری خوراک ہوتی ہے۔ اس میں ولی امر ہمارے بعد خلیفہ ہوتا ہے۔ اور اس بارے میں وہ ہی فیصلہ کرتا ہے۔ میں نے بھی اسی طرح فیصلہ کیا۔ اور جو آپ نے مجھ سے طلب فرمایا۔ وہ مسلمانوں کے اجتماعی امور میں صرف ہوگا۔ مسلمان اس سے سامان جنگ خریدیں گے۔ اور کفار کے ساتھ جنگ کریں گے۔ اور یہ فیصلہ میں نے مسلمانوں کے اتفاق سے کیا ہے۔ اس فیصلہ میں میں تنہا نہیں۔

خلاصہ کلام:

"حق الیقین"، کی اس عبارت سے یہ بات بالکل نکھر کر سامنے آجاتی ہے۔

کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خاتون جنت کو اپنے مال و متاع میں تصرف کرنے کا کلی اختیار عطا کر دیا۔ لیکن "باغ فدک" چونکہ اجتماعی مفاد کے لیے وقف تھا۔ اس لیے اس کو دینے سے معذرت کی۔ اور یہ صرف ان کی اپنی رائے اور ذات کا فیصلہ نہ تھا۔ بلکہ صحابہ کرام کا اجتماعی اور متفقہ فیصلہ تھا۔ جس کی پشت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی مخالفت حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں بھی نہیں فرمائی ۔ بلکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر ہی عمل فرماتے رہے۔

"باغ فدک" سے محرومی پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خلیفہ وقت سے ناراضگی کی تحقیق

"مسئلہ فدک" میں ایک بات خاص طور پر توجہ طلب ہے۔ وہ یہ کہ فدک سے محرومی کی وجہ سے سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا اس وقت کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں تھیں۔ ناراضگی کی یہ کہانی اہل سنت وجماعت کی کسی معتبر کتاب سے ان الفاظ کے ساتھ صراحۃً ثابت نہیں کی جا سکتی۔ کہ سیدہ نے خود فرمایا ہو۔ "کہ میرا حق غصب ہوا۔ لہٰذا میں ابوبکر سے سخت ناراض ہوں۔ انہوں نے مجھ پر زیادتی کی۔ اس لیے میں ان سے کبھی بھی بات چیت نہ کروں گی"۔

اس بارے میں راقم الحروف کا دعوٰی ہے۔ کہ کوئی شخص اہل سنت وجماعت کی کسی معتبر کتاب سے اس قسم کا ثبوت پیش نہیں کر سکتا۔ ہاں جو الفاظ پیش کیے جا سکتے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ فَغَضِبَتْ فَاطِمَۃُ فَھَجَرَتْ اَبَابَکْرٍ یعنی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) غصہ ہو گئیں۔ اور ابوبکر سے گفتگو ترک کر دی۔ اس سے زیادہ کوئی حوالہ پیش نہیں کیا

جا سکتا۔

آئیے ان الفاظ کے بارے میں تحقیق کریں۔ کہ کیا ان الفاظ سے واقعی سیدہ کی ابو بکر سے ناراضگی ثابت ہوئی۔ اور عمر بھر کے لیے انہوں نے ابو بکر صدیق سے گفتگو کرنا بند کر دی۔ سب سے اہم بات یہ ہے۔ کہ یہ الفاظ راوئ روایت کے خیال کی ترجمانی تو کر سکتے ہیں۔ سیدہ خاتون جنت کا ارشاد نہیں بن سکتے۔ یعنی اس روایت کے راوی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ کہ میرے خیال میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر سے ناراضگی کی۔ اور اس کی بنا پر قطع تعلق کر لیا۔ اس کی تائید اور دلیل یہ ہے۔ کہ ناراضگی ایک ایسا فعل ہے۔ جس کا تعلق قلب انسانی سے ہوتا ہے۔ جب تک متکلم اپنی ناراضگی اور خوشی وغیرہ افعال قلبیہ کا خود اظہار نہ کرے۔ دوسرے کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ ہاں بعض دفعہ قرائن و حالات سے ان امور کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن حالات و قرائن سے لگایا ہوا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ چاہے وہ اندازہ لگانے والا معصوم ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ ہمارے سامنے ہے۔ جب جناب خضر علیہ السلام نے کشتی کو ناکارہ بنا دیا۔ تو حضرت موسیٰ نے حالات اور قرائن سے یہ معلوم کیا۔ کہ کشتی اس لیے توڑی گئی ہے تاکہ اس کے اندر سوار لوگوں کو ڈبو یا جائے۔ گویا ان کی رائے میں حضرت خضر علیہ السلام کے فعل کا مقصد یہی آیا۔ لیکن یہ اندازہ درست نہ تھا۔ بلکہ جو ارادہ تھا۔ اُسے حضرت خضر ہی جانتے تھے۔ کیونکہ اس کا تعلق افعال قلبیہ سے تھا۔ پھر وقت آنے پر آپ نے ارادہ بتلا دیا۔

اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلامی کے بعد فارغ ہوئے۔ اور واپس قوم میں تشریف لائے۔ تو حالات و واقعات سے ایک اندازہ لگایا۔ کہ میرے طور پہ جانے کے بعد میرے بھائی ہارون نے

میری ہدایات پر پوری طرح عمل نہیں کیا۔ اور لوگ ان کی سستی یا کاہلی سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو گئے۔ خدا وحدہ لاشریک کے ساتھ بچھڑے کو شریک بنالیا۔ اور اس کی پرستش شروع کر دی۔ حتیٰ کہ اتنا غصہ آیا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر جھنجھوڑا۔ لیکن یہ اندازہ درست نہ تھا۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کوتاہی اور سستی واقع نہ ہوئی تھی۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام بالکل بے قصور تھے۔ ان دو قرآنی واقعات سے معلوم ہوا۔ کہ کسی قلبی فعل کے لیے حالات و واقعات اور قرائن راہنما تو بن سکتے ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت کی وضاحت اسی وقت درست اور یقینی ہو سکتی ہے۔ جب کہ متکلم اور فاعل خود اس قلبی فعل کی حالت کا اظہار کرے۔

نوٹ :

یاد رہے بعض واقعات اور حالات کو راوی اپنے قیاس کے مطابق صحیح سمجھ کر بیان کر دیتا ہے۔ لیکن اس کا وہ قیاس درست ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ محض ایک تاثر تھا۔ جو اس نے بیان کر دیا۔ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ تاریخ میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ بلکہ حدیث پاک میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے واقعات موجود ہیں۔ ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات سے الگ ہو کر چند روز بالاخانہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ تو آپ کے اس رویہ سے کچھ لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ جب یہ خبر اڑتی اڑتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے جہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں آپس میں یہی گفتگو ہو رہی تھی۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بات

کی تحقیق و تفتیش کے سبب بالاخانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اس بارے میں دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ طلاق کوئی نہیں دی۔ وہ سب میرے نکاح میں ہی ہیں۔

تو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت نشینی اور علیحدگی سے کچھ لوگوں نے یہ قیاس و اندازہ لگایا۔ کہ آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ حالانکہ ایسا قطعاً نہ ہوا تھا۔ اسی طرح اس روایت کے راوی نے جب اپنے شیخ اور استاد سے "لَمْ تَتَكَلَّمْ" کے الفاظ سنے۔ تو اس سے یہ قیاس کر لیا۔ کہ یہ الفاظ "سیدہ" کی حالت غضب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ لہٰذا اس قیاس کے مطابق غلط فہمی سے "غَضِبَتْ" کا لفظ زیادہ کر دیا۔ اور ایک دوسرے سے یہی نقل ہوتا رہا۔

حالانکہ "لَمْ تَتَكَلَّمْ" کا مقصد یہ نہ تھا۔ کہ سیدہ غصہ ہو گئیں۔ اور غصہ میں آ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کلام نہ کیا۔ اور واپس گھر آ گئیں۔ بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ جب سیدہ خاتون جنت کو "فدک" کے بارے میں تسلی ہو گئی۔ اور انہیں اس کا علم ہو گیا۔ کہ اس میں بقول رسولِ خدا وراثت نہیں چلتی۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں وہی عمل و طریقہ باقی رکھا ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتی میں تھا۔ تو اس تسلی و تشفی کے بعد انہوں نے اس معاملہ میں مزید گفتگو نہ کی۔

یہ ہم جو لفظ "لَمْ تَتَكَلَّمْ" کا ابھی بیان ہوا۔ اس کے مطابق ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں۔ کہ راوی کو غلط فہمی ہوئی۔ کہ جس سے اس نے ان الفاظ سے ناراضگی سمجھی۔ لہٰذا اس غلط فہمی کی بنا پر راوی کے عدل و ثقاہت اور عدالت میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

تو جس طرح پچھلے دو واقعات قرآنیہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ یہ حالات و واقعات

سے غلط قیاس ہوا تھا۔ اور اس کی تصحیح اس طرح ہوئی۔ کہ خود فاعل نے اپنے فعل کی وضاحت کر دی۔ کہ اس فعل میں میری کیفیت قلبی کیا تھی؟ تو اسی طرح جب تک سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی زبان اقدس سے صراحتہً یہ معلوم نہ ہو۔ کہ آپ نے اپنی قلبی کیفیت یعنی غصہ کا خود اقرار کیا۔ اور اس کا اپنی زبان سے اظہار کیا۔ اس وقت تک یہ کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے۔ کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سن کر حضرت خاتون جنت ناراض ہو گئی تھیں۔ بلکہ اس وقت یہی کہا جائے گا۔ کہ راوی نے اپنے اندازے اور قیاس سے اس عبارت سے "غصہ ہونا" سمجھا۔ حالانکہ ایسا نہ تھا۔ اور نہ ہی ایسا واقعہ تھا۔ "لَمْ تَتَكَلَّمْ" کے الفاظ اپنے شیخ اور استاد سے سُنے۔ اور ان سے ناراضگی کا مفہوم مراد لے کر " غَضِبَتْ " کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ لہٰذا ایک اعتبار سے یہ روایت بالمعنی ہوئی۔

یہ مسلمہ بات ہے۔ کہ روایت بالمعنی میں غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ متکلم کے الفاظ سے جو معنی سامع مخاطب کے ذہن میں آیا۔ اس نے یہ سمجھا۔ کہ متکلم کی اپنے کلام سے مراد بھی یہی ہو گی۔ حالانکہ بعض دفعہ سمجھا اور جاتا ہے۔ اور مراد متکلم کچھ اور ہی ہوتی ہے۔

"غَضِبَتْ فَاطِمَةُ" والی روایت، روایت بالمعنی ہے، اس کے دلائل

ہم جب مختلف کتب حدیث کو اٹھاتے ہیں۔ اور ان میں "روایت فدک" پڑھتے ہیں۔ تو اس روایت کو ہم تین صحابہ سے مروی پاتے ہیں۔ وہ تین یہ ہیں۔ حضرت ابوہریرہ، ابو طفیل اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم۔

جہاں تک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ

سے اس بارے میں روایت ہے۔ اس میں سرے سے "غَضِبَتْ فَاطِمَۃُ" کے الفاظ میں ہی نہیں۔ تیسری راویہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بذریعہ "زہری" ہے۔ اور امام زہری کے بہت سے شاگردوں میں سے بعض نے ناراضگی کا ذکر کیا۔ اور بعض نے سرے سے اس کا نام تک نہ لیا۔ جن بعض نے یہ الفاظ ذکر کیے۔ انہوں نے بھی بعض مواضع پر ان کا ترک کیا ہے۔ اور جہاں جہاں ناراضگی کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے کسی جگہ ناراضگی خود سیدہ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے طور پر بیان نہیں کی گئی۔ تاکہ ان کی وجہ سے سیدہ کا غضب ناک اور ناراض ہونا ثابت ہو سکے۔

ہم مزید اطمینان کے لیے ان تین صحابہ کرام سے مروی روایت کے مکمل الفاظ نقل کرتے ہیں۔ جن میں کوئی قطع و برید نہ ہوگی۔ تاکہ آپ خود پڑھ کر اطمینان حاصل کر سکیں کہ یہ روایت، روایت بالمعنی ہے۔ اور روایت بالمعنی میں راوی کو غلطی ہو سکتی ہے جس کی بنا پر راوی نے "لَمْ تَتَکَلَّمْ" سے ناراضگی سمجھ کر اُسے بیان کر دیا۔ اور بعد میں آنے والوں نے اسی رسم کو باقی رکھا۔

روایت ابوطفیل:

عَنْ اَبِی الطُّفَیْلِ قَالَ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَتْ فَاطِمَۃُ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ اَنْتَ وَرِثْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمْ اَھْلُہٗ ؟ قَالَ فَقَالَ لَا بَلْ اَھْلُہٗ قَالَتْ فَاَیْنَ سَھْمُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ اِذَا اَطْعَمَ

نَبِیًّا طُعْمَۃً ثُمَّ قَبَضَہٗ جَعَلَہٗ لِلَّذِیْ یَقُوْمُ مِنْ بَعْدِہٖ فَرَاَیْتُ اَنْ اُرَدَّہٗ اِلَی الْمُسْلِمِیْنَ فَقَالَتْ فَاَنْتَ وَمَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی جلد ۲۱ صفحہ ۲۶۲ فی تذکرہ امتناع ابی بکر من عطا فاطمہ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: ابو طفیل روایت کرتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے کسی کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ تاکہ دریافت کرے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تم وارث ہو یا آپ کے اہل؟ ابوبکر صدیق نے جواب دیا۔ نہیں بلکہ آپ کے اہل آپ کے وارث ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کہاں گئی؟ ابوبکر صدیق کہنے لگے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جب کسی پیغمبر کو میں کوئی چیز عطا کرتا ہوں۔ پھر وہ پیغمبر فوت ہو جاتا ہے۔ تو وہ چیز اس کے بعد بننے والے خلیفہ کی حفاظت میں ہوتی ہے۔ لہذا میں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ اس (باغ فدک) کو مسلمانوں پر خرچ کر دوں۔ جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کرتے تھے۔ تو اس پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کہ میں نے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا۔

روایت ابوہریرہ:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عِنْدَ التِّرْمِذِیْ جَاءَتْ فَاطِمَۃُ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالَتْ مَنْ یَّرِثُکَ قَالَ اَھْلِیْ وَوَلَدِیْ قَالَتْ فَمَالِیْ لَا اَرِثُ اَبِیْ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا نُوْرَثُ وَلٰکِنِّیْ اَعُوْلُ مَنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعُوْلُہٗ

(فتح الباری شرح بخاری کتاب فرض الخمس جلد ۶ ص ۱۵۱ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائیں۔ اور پوچھا۔ تمہارا (مرنے کے بعد) کون وارث ہو گا۔ ابوبکر صدیق نے کہا۔ میری اولاد اور میرے اہل۔ تو جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا تو میں اپنے والد کی وارث کیوں نہیں؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ آپ نے فرمایا۔ ہم وراثت نہیں چھوڑتے۔ لیکن میں ہر اس آدمی کی کفالت کروں گا۔ جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفالت فرماتے رہے۔

روایت صالح عن الزہری:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ ابْنُ عَبْدِ اللّٰہِ ثَنَا اِبْرَاھِیْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ اَخْبَرَنِیْ عُرْوَۃُ بْنُ الزُّبَیْرِ اَنَّ عَائِشَۃَ اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اَخْبَرَتْہُ اَنَّ فَاطِمَۃَ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَاَلَتْ اَبَابَکْرِ الصِّدِّیْقَ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّقْسِمَ لَھَا مِیْرَاثَھَا مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فَقَالَ لَھَا اَبُوْبَکْرٍ اِنَّ رَسُوْلَ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَجَرَتْ اَبَا بَكْرٍ فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ اَشْهُرٍ قَالَتْ وَكَانَتْ فَاطِمَةُ تَسْاَلُ اَبَا بَكْرٍ نَصِيْبَهَا مِمَّا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَيْبَرَ وَفَدَكَ وَصَدَقَتِهٖ بِالْمَدِيْنَةِ فَاَبٰى اَبُوْبَكْرٍ عَلَيْهَا ذٰلِكَ وَقَالَ لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْمَلُ بِهٖ اِلَّا عَمِلْتُ بِهٖ فَاِنِّيْ اَخْشٰى اِنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِّنْ اَمْرِهٖ اَنْ اَزِيْغَ فَاَمَّا صَدَقَتُهٗ بِالْمَدِيْنَةِ فَدَفَعَهَا عُمَرُ اِلٰى عَلِيٍّ وَّعَبَّاسٍ فَاَمَّا خَيْبَرُ وَفَدَكُ فَاَمْسَكَهُمَا عُمَرُ وَقَالَ هُمَا صَدَقَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتَا لِحُقُوْقِهِ الَّتِيْ تَعْرُوْهُ وَنَوَائِبِهٖ وَاَمْرُهُمَا اِلٰى مَنْ وَّلِيَ الْاَمْرَ قَالَ فَهُمَا عَلٰى ذٰلِكَ اِلَى الْيَوْمِ

(بخاری شریف باب فرض الخمس جلد اول ص۴۳۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ترجمہ: حضرت عبد العزیز بن عبد اللہ، ابراہیم بن سعد سے اور یہ صالح سے صالح نے ابن شہاب سے روایت کی۔ کہ عروہ بن زبیر فرماتے ہیں۔ کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بتایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی دختر نیک اختر سیدہ فاطمہ

رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کے بارے میں دریافت کیا۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور "فیئے" دی تھی۔ تو انہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہمارے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ ہم جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں۔ وہ صدقہ ہوتا ہے۔ تو اس پر رسول خدا کی بیٹی غصہ میں آگئیں۔ اور ابوبکر صدیق سے قطع کلامی کر لی۔ اور یہ قطع کلامی ان کی مدت عمر تک رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد سیدہ فاطمہ صرف چھ ماہ زندہ رہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کہ جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، ابوبکر صدیق سے اس متروکہ مال کا حصہ بھی مانگتی تھیں۔ جو خیبر، فدک اور اس مال کا جو مدینہ میں تھا۔ لیکن ابوبکر صدیق نے انکار کر دیا۔ اور فرمایا۔ کہ ان اشیاء میں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تصرف فرمایا کرتے تھے۔ میں بھی اسی طرح تصرف کروں گا۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں، کہ اگر آپ کے طریقہ تصرف میں کچھ بھی کمی بیشی کی۔ تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ لیکن آپ کا جو وقف مدینہ میں تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما کو دے دیا۔ اور خیبر و فدک اپنے قبضہ میں رکھا تھا۔ اور کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وقف تھا۔ جسے آپ نے ان ضروریات اور حاجات کے لیے رکھا ہوا تھا۔ جو گاہے بگاہے پیش آتی تھیں۔ آپ کے بعد اب ان کا اختیار و تصرف خلیفہ کو ہے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ آج تک وہ اسی طرح ہیں۔

☆

روایت شعیب عن الزہری

اَبُو الْیَمَانِ اَنَا شُعَیْبٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ ثَنِیْ عُرْوَۃُ بْنُ الزُّبَیْرِ عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ فَاطِمَۃَ اَرْسَلَتْ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ تَسْئَلُہٗ مِیْرَاثَہَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ تَطْلُبُ صَدَقَۃَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الَّتِیْ بِالْمَدِیْنَۃِ وَفَدَكَ وَمَا بَقِیَ مِنْ خُمُسِ خَیْبَرَ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا فَهُوَ صَدَقَۃٌ اِنَّمَا یَاْکُلُ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِّنْ هٰذَا الْمَالِ یَعْنِیْ مَالَ اللّٰہِ لَیْسَ لَہُمْ اَنْ یَّزِیْدُوْا عَلَی الْمَاْکَلِ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ لَا اُغَیِّرُ شَیْئًا مِّنْ صَدَقَاتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْہَا فِیْ عَہْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَاَعْمَلَنَّ فِیْہَا بِمَا عَمِلَ فِیْہَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَشَہَّدَ عَلِیٌّ ثُمَّ قَالَ اِنَّا قَدْ عَرَفْنَا یَا اَبَا بَکْرٍ فَضِیْلَتَكَ وَذَکَرَ قَرَابَتَہُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَحَقَّہُمْ وَتَکَلَّمَ اَبُوْبَکْرٍ فَقَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَرَابَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ اَصِلَ مِنْ قَرَابَتِیْ

(انتہیٰ) بخاری شریف جلد اول ص ۵۲۶ مناقب قرابۃ الرسول)

ترجمہ: ابو الیمان بیان کرتے ہیں۔ کہ شعیب، زہری سے اور وہ عروہ بن زبیر سے اور یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کسی آدمی کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ تاکہ ان سے اپنی اس میراث کا پوچھے۔

جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ملنی تھی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے وہ مال بطور فئے دیا تھا۔ یعنی صدقات مدینہ، فدک اور خیبر کے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ مانگا تھا۔ تو ابوبکر صدیق نے کہا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ہم میراث نہیں چھوڑتے ہمارا جو کچھ ہوتا ہے۔ وہ صدقہ ہوتا ہے۔ آل محمد اسی مال میں سے کھائیں۔ جو اللہ نے انہیں دیا ہے۔ لیکن انہیں یہ اختیار نہیں کہ کھانے سے زیادہ لیں۔ اللہ کی قسم! میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات کی اس حالت میں جو آپ کے حین حیات تھی۔ ذرا بھر تغیر و تبدل نہ کروں گا۔ بلکہ اس میں میرا عمل بھی وہی ہو گا۔ جو خود آپ کا تھا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تشہد پڑھا۔ اس کے بعد کہا۔ اے ابوبکر! ہم تمہاری بزرگی جانتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت علی نے سیدہ فاطمہ کی حضور سے قرابت اور ان کا حق بیان کیا۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ قسم اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ میرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اپنی قرابت سے باعتبار سلوک کے بہت محبوب ہے۔

روایت خالد عن الزہری:

حَدَّثَنَا سَعدٌ عَن عُقَيلِ بنِ خَالِدٍ عَنِ ابنِ شِهَابٍ عَن عُروَةَ بنِ الزُّبَيرِ عَن عَائِشَةَ زَوجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا اَخبَرَتهُ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنتَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اَرسَلَت اِلٰى اَبِي بَكرِ الصِّدِّيقِ تَسأَلُهُ مِيرَاثَهَا مِن رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيهِ

بِالْمَدِیْنَةِ وَمَا بَقِیَ مِنْ خُمُسِ خَیْبَرَ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ اِنَّمَا یَاْکُلُ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَاِنِّیْ وَاللّٰهِ لَا اُغَیِّرُ شَیْئًا مِّنْ صَدَقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حَالِهَا الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهَا فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَاَعْمَلَنَّ فِیْهَا بِمَا عَمِلَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَبٰی اَبُوْبَکْرٍ اَنْ یَّدْفَعَ اِلٰی فَاطِمَةَ مِنْهَا شَیْئًا۔

(ابوداؤد جلد دوم ص ۱۵۷، ۱۵۸ کتاب الخراج مطبوعہ سعید کمپنی کراچی)

ترجمہ: اسعد عقیل بن خالد سے، یہ ابن شہاب سے اور یہ عروۃ بن الزبیر سے اور یہ حضرت عائشہ زوجہ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا۔ کہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ابوبکر صدیق کے پاس اس غرض سے بھیجا۔ کہ دریافت کرے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقاتِ مدینہ اور خیبر کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔ وہ ہمیں ملنی چاہیئے۔ تو ابوبکر صدیق نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ہماری وراثت تقسیم نہیں ہوتی۔ ہمارا سب کچھ چھوڑا ہوا صدقہ ہوتا ہے۔ آلِ محمد اس مال سے کھائیں گے۔ اللہ کی قسم! میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات میں کوئی ردوبدل نہ کروں گا۔ ان کی وہ حالت جو آپ کے موجود ہوتے تھی۔ وہی باقی رہے گی۔ اور ان پر اسی طرح عمل ہو گا۔ جو آپ کا تھا۔ تو یہ کہہ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس میں سے کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا۔

خلاصہ:

ہم نے تفصیل کے ساتھ وہ روایات ذکر کر دی ہیں۔ جو موضوع کے متعلق تھیں۔ آپ نے توجہ فرمائی ہو گی۔ کہ سلسلہ روایت میں "ابوالطفیل اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما" سے ذکر کردہ الفاظ روایت میں تو "غَضِبَتْ" کا لفظ ہی موجود نہیں۔ باقی تین روایات جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں۔ ان میں امام زہری کے واسطہ سے ان کے صرف ایک شاگرد "صالح" کی ذکر کردہ روایت میں یہ لفظ آیا ہے۔ اور انہی (امام زہری) سے روایات کرنے والے دو راوی (شعیب، خالد) اس لفظ کا ذکر نہیں کرتے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ امام زہری کے شاگرد "صالح" نے جب اس واقعہ میں اپنے استاد زہری سے "لَمْ تَتَكَلَّمْ حَتّٰى مَاتَتْ" کے الفاظ سُنے۔ تو اس سے خود اندازہ لگا لیا۔ کہ سیدہ فاطمہ کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنی وفات تک کلام نہ کرنا بوجہ غصہ اور ناراضگی کے تھا۔ اس اندازے اور قیاس کی بنا پر "صالح" نے "غَضِبَتْ" کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ جو صرف اس کی اپنی سوچ کے مطابق تھا۔ حقیقتِ حال سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ سیدہ کا دم آخر تک کلام نہ کرنے کا اس مقام پر مفہوم یہ ہے۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سوال و جواب کے بعد انہیں یہ بات سمجھ آ گئی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ وہ صرف ان مستحقین پر صرف ہو گی۔ جن پر آپ خود صرف فرماتے رہے۔ تو اس حقیقت سے آگاہی کے بعد سیدہ نے پھر تا دم آخر اس معاملہ میں ابو بکر صدیق سے قطعاً گفتگو نہ کی۔

اگر حقیقت میں آپ ناراض ہوتیں۔ اور بوجہ ناراضی گفتگو کا بائیکاٹ ملے

فرماتیں۔ تو اس کا صحابہ کرام، اہل بیت اور تابعین وغیرہ میں بہت چرچا ہوتا۔ اور خاص کر اہل مدینہ سے یہ بات چھپی نہ رہ سکتی۔ لیکن ہمیں صرف امام زہری کے ایک شاگرد کی روایت میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے شاگرد نے ان الفاظ کو ذکر نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ ناراضگی نہ تھی۔ بلکہ راوی کا اپنا خیال تھا۔ جو اس نے ذکر کر دیا۔

فوائد احادیث مذکورہ

فائدہ نمبر (۱):

"اَرْسَلَتْ فَاطِمَۃُ" کے الفاظ سے معلوم ہوا، کہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی بنفسِ نفیس عدالت میں حاضری ایک غلط کہانی ہے۔ درست یہ ہے۔ کہ آپ نے کسی معتمد شخص کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا۔

فائدہ نمبر (۲):

"جَعَلَہٗ لِلَّذِیْ یَقُوْمُ مَقَامَہٗ" سے یہ فائدہ حاصل ہوا۔ کہ "باغ فدک" اور دیگر اموال فئے کے بارے میں شرعی ہدایات یہ تھیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان میں تصرف کا وہ شخص مجاز ہوگا۔ جو آپ کے قائم مقام (خلیفہ) ہوگا۔

فائدہ نمبر (۳):

"مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم" کے الفاظ

بتلاتے ہیں۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ”باغ فدک وغیرہ“ کا سوال کرنا اس وجہ سے تھا۔ کہ انہیں یہ حدیث نہیں پہنچی تھی۔ جب سن لی۔ تو آخری دم تک پھر اس موضوع پر کلام نہ فرمایا۔ ”لَمْ تَتَكَلَّمْ حَتّٰى مَاتَتْ“ کے الفاظ اسی مفہوم کو بیان کر رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ مارے غصہ کے آپ نے تا دم آخر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گفتگو نہ فرمائی۔

فائدہ نمبر (۴)

مَنْ يَرِثُكَ قَالَ اَهْلِيْ وَوَلَدِيْ قَالَتْ فَمَا لِيْ لَا اَرِثُ کے الفاظ یہ بتلاتے ہیں۔ کہ سیدہ کے ذہن میں ایک سیدھا سا مسئلہ تھا۔ کہ جس طرح کوئی فوت ہو جائے اس کے اہل و عیال اس کے مال کے وارث ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ کی وارث ہوں۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف ”ہبہ“ کرنے کی روایت بے اصل ہے۔ حضرت خاتون جنت ہی نہیں بلکہ تقریباً امہات المؤمنین بھی یہی سمجھتی تھیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے ہمیں بھی کچھ ملنا چاہیے۔ اسی بنا پر انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنایا۔ تاکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر ہمارے حقوق کا مطالبہ کریں۔ جب ان ازواج مطہرات نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ”لَا نُوْرَثُ“ والی حدیث سنی۔ تو امہات المؤمنین نے اپنا مطالبہ ترک کر دیا۔ کیونکہ مسئلہ کی اصلیت معلوم ہو چکی تھی۔

فائدہ نمبر (۵)

جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مال کے بارے میں یہ فرمایا۔ کہ میں اس کو اسی طریقہ و حالت سے صرف کروں گا۔ جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف فرماتے رہے ہے۔ تو یہ سن کر حضرت خاتون جنت بغیر ناراضگی کے خاموش

ہو گئیں۔

فائدہ نمبر (۶):

فَاَبٰی اَبُوْبَکْرٍ عَلَیْھَا ذٰلِكَ فَقَالَ لَسْتُ تَارِکًا شَیْئًا کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے "باغ فدک" کی آمدنی کو اسی طرح خرچ کیا۔ جس طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف فرمایا تھا۔ صرف ابوبکر صدیق کے دورِ خلافت میں ہی نہیں بلکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک "باغ فدک" کا مصرف بعینہٖ وہی رہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ اقدس میں تھا۔

ملاحظہ ہو۔

(ابن میثم شرح نہج البلاغۃ جلد نمبر ۵ صفحہ نمبر ۱۰۷، مطبوعہ تہران خطبہ ۴۴)

وَکَانَ یَاْخُذُ غَلَّتَھَا فَیَدْفَعُ اِلَیْھِمْ مِنْھَا مَا یَکْفِیْھِمْ ثُمَّ فَعَلَتِ الْخُلَفَاءُ بَعْدَہٗ کَذٰلِكَ اِلٰی اَنْ وَلِیَ مُعَاوِیَۃُ۔

ترجمہ: یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باغ فدک کے غلہ کو سب سے پہلے اہل بیت کی ضرورت کے مطابق انہیں عطا فرماتے تھے اور اسی طرح آپ کے بعد کے خلفاء نے یہی کیا۔ حتیٰ کہ امیر معاویہ والی سلطنت ہوئے۔

فائدہ نمبر (۷):

فَاِنِّیْ اَخْشٰی اِنْ تَرَکْتُ شَیْئًا مِنْ اَمْرِہٖ اَنْ اَزِیْغَ۔ کے الفاظ یہ بتلاتے ہیں۔ کہ صدیق اکبر نے "باغ فدک" وغیرہ کسی دیرینہ دشمنی کی بنا پر سیدہ فاطمہ کو دینے سے منع نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہ اتباع رسول کی خاطر تھا۔

اسی لیے فرمایا۔ کہ اگر میں آپ کی اتباع کو چھوڑ دوں۔ تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ اس کی واضح دلیل یہ بھی ہے۔ کہ کسی بھی شیعہ کتاب میں اس بات کا ثبوت نہیں مل سکتا۔ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی آمدنی اپنی ذات اور اپنی اولاد وغیرہ پر خرچ کی ہو۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

جیسا کہ ہم فائدہ ۱۰ میں بتلا چکے ہیں۔ کہ "اَرْسَلَتْ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ" کے الفاظ میں یہ بات بالکل واضح ہے۔ کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا خود عدالت صدیقی میں نہیں گئیں۔ بلکہ کسی معتمد آدمی کو بھیجا تھا۔ اس صراحت کے باوجود کچھ ہمارے اپنے غیر محتاط علماء بھی یہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنفس نفیس عدالت صدیقی میں تشریف لے گئیں۔ اور ان سے وراثت کا مطالبہ کیا۔ تحقیق یہی ہے۔ کہ سیدہ وراثت کے سلسلہ میں وہاں نہیں گئیں۔ کیونکہ آپ کا عدالت صدیقی میں جانا عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ سیدہ کے شوہر وہ عالی مرتبت شخصیت ہیں۔ کہ جن کے مقابلہ میں سارا عرب بھی آجائے۔ تو بھی فرمائیں۔ کہ میں ان کی گردنیں اڑانے میں دیر نہ کروں گا۔ تو ایسے جری اور شیر خدا کو کب زیب دیتا ہے۔ کہ ان کی زوجہ اور دختر رسول عدالتِ صدیقی میں ایک حقیر دنیوی چیز کے لیے دستِ طلب دراز کریں اور سب کے سامنے چند درختوں کے حصول کی خاطر باہر تشریف لے آئیں۔

اس کے ساتھ جب ہم حضرت سیدہ کی وہ وصیت دیکھتے ہیں۔ جو آپ نے "اسماء بنت عمیس" کو فرمائی تھی کہ "جب میرا انتقال ہو۔ تو مجھے "جنت البقیع" تک پالکی میں لے جانا۔ یہ وصیت اس لیے تھی۔ تاکہ بعد از وفات بھی کوئی غیر محرم آپ کے بدن پاک کی قامت نہ دیکھ سکے۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وصیت فرمائی۔ کہ مجھے آپ کے سوا کوئی دوسرا غسل نہ دے۔ تاکہ وقتِ غسل کسی کی میرے جسم پر

نظر نہ پڑے۔ اور یہ بھی کہا۔ کہ مجھے دفن کرنے کے لیے رات کی تاریکی میں لے جانا تاکہ میرے جسم کا چارپائی پر پڑے ہوئے کوئی اندازہ بھی نہ کر سکے۔ اور نہ ہی کوئی اشارہ کر سکے۔ کہ وہ بنتِ رسول کا جنازہ جا رہا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ جس خاتون جنت کی عفت و پاکدامنی اور شرم و حیا کا یہ عالم ہو۔ اس کے متعلق یہ باور کر لینا کہ محض چند درختوں کی خاطر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا ہوگا۔ اور خود عدالت صدیقی میں اپنے پاؤں سے چل کر تشریف لے گئی ہوں گی۔ بالکل خلاف عقل ہے۔ ہاں اگر "مدعیان محبت اہل بیت" اس قسم کے افسانے تراشیں تو کوئی عجب نہیں۔ کیونکہ "محبت اہلبیت میں وہ اس قدر" وارفتہ "ہیں۔ کہ "توہین اہل بیت" بھی ان کے ہاں "محبت اہل بیت قرار پائی ہے۔ اور ان کا ہر وہ لفظ جو دل زخمی کرنے میں تیر و تفنگ سے کم نہیں۔ اُسے وُہ "عقیدت کے پھول" تصور کرتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ (پ ۱۶ رکوع ۲ سورۃ الکھف)

ہاں جن مقامات میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا عدالتِ صدیقی میں جانا مذکور ہے۔ اُن مقامات اور ان روایات سے دراصل ایک ہی واقعہ کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ یعنی "باغ فدک" وغیرہ کے بارے میں عدالتِ صدیقی سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رجوع کرنا ایک ہی مرتبہ ہوا۔ جب واقعہ ایک ہی ہو۔ تو اس واقعہ کو سرانجام دینے کے لیے دو ایسے طریقے جن میں تضاد ہو۔ اپنائے نہیں جا سکتے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اس ایک واقعہ میں یا تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے کسی کو بطور وکیل عدالت صدیقی میں بھیجا ہوگا۔ یا خود بنفسِ نفیس تشریف لے گئیں ہوں گی۔ جیسا کہ ہم بادلائل ثابت کر چکے ہیں۔ کہ آپ خود نہیں گئیں۔ بلکہ آپ نے کسی معتمد کو بھیجا تھا۔ تو اب ان روایات کی تاویل کرنا پڑے گی۔ جن میں ان کا خود جانا آیا ہے۔

سو اس کا حل یہ ہوگا۔ کہ جن روایات میں کسی کو بھیجنے کا ذکر ہے۔ وہ حقیقت پر محمول ہیں۔ اور جن میں سیدہ خاتون جنت کا خود جانا مذکور ہے وہ مجازاً ہوگا۔ کیونکہ وکیل کا کام اس کے موکل کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ رعیت میں سے کسی کا کام جو بادشاہ کے حکم سے ہو۔ وہ بادشاہ کا کام کہلاتا ہے۔ کسی کے سفیر کی گفتگو اس کے بھیجنے والے کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ عزرائیل کا کسی کو موت دینا اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اور وزرائے کرام کا کسی کو کچھ عطا کرنا بادشاہ کی عطا شمار ہوتا ہے اس لیے ان روایات میں مجاز سے کام لیا گیا۔ اور اس کی نسبت حضرت سیدہ خاتونِ جنت کی طرف کر دی گئی ہے۔ کیونکہ ان کا کسی کو بھیجنا گویا خود جانا تھا۔

واللہ اعلم بالصواب

کیا بنتِ رسول کی ناراضگی خلافت کے استحقاق پر اثر انداز ہوسکتی ہے

روایت صالح عن الزہری کا ،،روایت بالمعنی ،، ہونا۔ ہم نے ثابت کر دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف ،،غضبت ،، کی نسبت راوی کے قیاس و اندازہ کی بنا پر ہے۔ حقیقتِ حال اس کے خلاف ہے۔ اگر بتقاضائے بشری سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراض ہونا ثابت بھی ہو جائے تو اس بنا پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کونسا شرعی ضابطہ نافذ کرو گے ؟ اگر تمہارا جواب یہ ہو۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی اتنا اہم معاملہ ہے۔ کہ خاتونِ جنت جس سے ناراض ہو جائیں۔ وہ امت مسلمہ کا خلیفہ بننے کا مستحق نہیں رہتا۔ کیونکہ خلافت دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت اور نیابت ہے۔ اور جس سے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دخترِ نیک اختر ناراض ہو جائیں۔ اُسے خلافت رسول کا حق کب باقی رہتا ہے۔

تو پھر ہم تم سے دریافت کریں گے۔ کہ اگر واقعی یہی قاعدہ اور قانون ہے۔ تو کیا صرف اس کا اطلاق ابوبکر صدیق پر ہو گا۔ یا کسی دوسرے پر بھی ؟ اگر صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک تم محدود کرتے ہو۔ تو یہ سخت ناانصافی ہے۔ (جو تمہاری دیرینہ عادت ہے۔) اگر سب کے لیے مانو۔ تو ہم ثابت کیے دیتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ناراض بھی ہیں۔ اور ہم تم سب اُن کو خلیفہ رسول مانتے ہیں۔ بلکہ تم تو ان کو ،، خلیفہ بلافصل ،، مانتے ہو۔ آؤ ہم تمہیں تمہاری کتابوں سے یہ بھی ثابت کر دکھائیں۔ کہ خاتون جنت بار ہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ناراض ہوئیں۔ یہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حوالہ نمبر(۱):

ابوجہل کی لڑکی سے علیؓ نے نکاح کا ارادہ کیا تو سیدہ فاطمہؓ ناراض ہو گئیں

امالی صدوق:

اِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَرَادَ اَنْ يَّتَزَوَّجَ ابْنَةَ اَبِيْ جَهْلٍ عَلٰى فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَكَاهُ عَلَى الْمِنْبَرِ اِلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ اِنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ ابْنَةَ عَدُوِّ اللّٰهِ عَلَى ابْنَةِ نَبِيِّ اللّٰهِ اِنَّ فَاطِمَةَ بِضْعَةٌ مِّنِّيْ فَمَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ سَرَّهَا فَقَدْ سَرَّنِيْ وَمَنْ غَاظَهَا فَقَدْ غَاظَنِيْ ۔

(۱) (امالی صدوق ص۲۶۷ المجلس الثانی والعشرون مطبوعہ قم)

(۲) جلاء العیون ص۲۲۶ جلد اول زندگانی فاطمہ، طبع جدید)

(۳) ناسخ التواریخ زندگانی فاطمہ ص۲۰۶)

(۴) انوار نعمانیہ جلد اول ص۴۳ نور مرتضوی طبع تبریز جدید)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ کے ہوتے ہوئے۔ ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنا چاہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بر سر منبر تمام صحابہ کرام کے سامنے اس کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا۔ علی (رضی اللہ عنہ) چاہتا ہے۔ کہ اللہ کے پیغمبر کی بیٹی کے ہوتے ہوئے۔ اللہ کے دشمن کی بیٹی سے شادی رچائے۔ خبردار! فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ جس نے اُسے دکھایا،

اس نے مجھے دکھایا۔ اور جس نے اُسے خوش کیا۔ اُس نے مجھے خوش کیا جس نے اسے غضبناک کیا۔ اُس نے مجھے غضبناک کیا۔

حوالہ ۲:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باغ صدقہ کیا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں غصہ سے مارا (معاذاللہ)

امالی صدوق

حدیث میں وارد ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سلمان فارسی کو بلایا۔ اور فرمایا۔ کہ وہ باغ جس کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لگایا تھا۔ بازار میں جاکر تجار حضرات کے پاس فروخت کر دو۔ چنانچہ سلمان فارسی نے بارہ ہزار درہم پر اُسے فروخت کر دیا۔ اور یہ رقم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیش کر دی۔ وہاں ایک اعرابی تھا۔ اُس نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے اس رقم میں سے چار ہزار چالیس درہم اس کو عطا فرما دیئے۔ تو یہ خبر مدینہ شریف میں پھیل گئی۔ لہذا تمام لوگ جمع ہو گئے۔ اور ایک آدمی انصار میں سے سیدہ فاطمہ کے پاس گیا۔ اور اُس نے آپ کو مذکورہ واقعہ کی خبر دی۔ تو آپ نے اس کو دعا دی۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہیں بیٹھے ہوئے بقایا تمام رقم لوگوں میں تقسیم کر دی۔ یہاں تک کہ ایک درہم بھی باقی نہ رکھا۔ اس کے بعد سیدہ فاطمہ نے حضرت علی سے پوچھا۔ کہ آپ نے میرے باپ کے باغ کو فروخت کر دیا ہے؟ تو حضرت علی نے جواب دیا۔ ہاں میں نے فروخت کر دیا ہے۔ سیدہ فاطمہ نے سوال کیا کہ رقم

کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے وہ اللہ کے راستہ میں تقسیم کر دی ہے اس کے جواب میں پھر حضرت فاطمہ نے فرمایا۔ کہ میں بھوکی ہوں ہمارے بیٹے بھوکے ہیں۔ اور آپ بھی ہماری مثل بھوکے ہیں اور ہمارے پاس ایک درہم بھی نہیں ہے۔ اور یہ کہہ کر فاطمہ نے حضرت علی کے دامن کو پکڑ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے فاطمہ! مجھے چھوڑ دے۔ تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ کہ میں خدا کی قسم ہرگز آپ کو نہیں چھوڑوں گی۔ یہاں تک کہ میرے اور آپ کے درمیان میرے ابا جان فیصلہ فرمائیں۔ پس جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا۔ کہ اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو اور علی کو اللہ تعالیٰ سلام فرماتا ہے۔

قُلْ لِفَاطِمَةَ لَيْسَ لَكِ اَنْ تَضْرِبِيْ عَلٰى يَدَيْهِ وَ تَلْزَمِيْ بِثَوْبِهٖ ۔

ترجمہ: یعنی فاطمہ کو فرما دیجیے۔ کہ تیرے لیے یہ جائز نہیں کہ تو حضرت علی کے ہاتھوں پر مارے اور اس کے دامن کو نہ چھوڑے۔

لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ کے گھر آئے۔ تو فاطمہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت علی کا دامن پکڑا ہوا تھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دامن کو کیوں پکڑا ہوا ہے؟ سیدہ فاطمہ نے مذکورہ بالا واقعہ سنایا۔ تو اس پر آپ نے فرمایا۔ اے بیٹی! میرے پاس جبرئیل تشریف لائے۔ اور مجھے اور حضرت علی کو اللہ کا سلام پہنچایا۔ اور فرمایا ہے۔ کہ فاطمہ کو فرما دیجیے۔ کہ تیرے لیے جائز نہیں ہے۔ کہ تو حضرت علی کے ہاتھوں پر مارے۔ لہذا حضرت

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چھوڑ دیا۔ اور معافی مانگی۔

(۱) (امالی صدوق ص۲۸۱ المجلس الحادی والسبعون)

(۲) جلاء العیون جلد اول ص۱۹۴ زندگانی فاطمہ بالفاظ مختلف)

(۳) انوار نعمانیہ جلد اول ص۵۸ نور مرتضوی)

نوٹ:

ان دونوں واقعات میں سے دوسرے واقعہ میں صرف سیدہ فاطمہ کی ناراضگی ہی نہیں بلکہ مارنے تک کا ذکر موجود ہے۔ اور پہلے واقعہ میں سیدہ خاتونِ جنت کی ناراضگی کی وجہ سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا یہ عالم تھا۔ کہ آپ نے برسرِ منبر تمام صحابہ کرام کے سامنے اس کا اظہار فرمایا۔ اور یہاں تک فرمایا۔ کہ فاطمہ کی ناراضگی میری ناراضگی۔ اور اس کی خوشی میری خوشی ہے۔ اور جس نے اسے تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف دی۔

ان دونوں روایات میں بالکل صاف صاف نظر آرہا ہے۔ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ناراض بھی کیا۔ اور تکلیف کا باعث بھی بنے۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برسرِ منبر اس امر کا اظہار فرمایا۔ ان روایات میں تو "روایت بالمعنی" کا احتمال بھی نہیں نکل سکتا۔ تاکہ اس پر محمول کر لیا جائے۔ جیسا کہ پچھلی "غَضِبَتْ" والی روایت میں اس کا احتمال تھا۔ تو اس صراحت کے ساتھ ناراضگی جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں کوئی اثر نہیں ڈالتی۔ کہ اس کی وجہ سے آپ کی خلافت کو "جعلی" ثابت کیا جائے۔ تو وہ ناراضگی جو "روایت بالمعنی" سے ثابت ہوئی۔ اس سے یہ فائدہ حاصل کرنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت معاذ اللہ منافقانہ تھی۔ اور آپ خلیفہ برحق نہیں تھے۔ کہاں کی منطق ہے۔ اور کس دانشکدہ کی تعلیم ہے؟

حوالہ ۳: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عقد ہو جانے کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا غم و غصہ سے رو پڑیں بوجہ اُن کے فقیر ہونے کے (معاذ اللہ)

امالی صدوق:

قَالَ كُنَّ قُعُوْدًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاءَتْ فَاطِمَةُ تَبْكِيْ بُكَاءً شَدِيْدًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُبْكِيْكِ يَا فَاطِمَةُ قَالَتْ يَا اَبَاهُ عَيَّرَتْنِيْ نِسَاءُ قُرَيْشٍ وَقُلْنَ اِنَّ اَبَاكِ زَوَّجَكِ مِنْ مُعْدُوْمٍ لَا مَالَ لَهُ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ لَا تَبْكِيْنَ فَوَاللّٰهِ مَا زَوَّجْتُكِ حَتّٰى زَوَّجَكِ اللّٰهُ مِنْ فَوْقِ عَرْشِهٖ وَ اَشْهَدَ بِذٰلِكَ جِبْرَئِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ۔

(۱) (امالی صدوق ص ۲۶۲ / المجلس السابع والستون)

(۲) بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۴۶ باب کیفیۃ معاشرتھا مع علی طبع قدیم)

ترجمہ: راوی کہتا ہے۔ کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ اچانک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سخت روتی ہوئی تشریف لائیں۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فاطمہ! تمہیں کس نے رُلایا؟ عرض کی ابا جان! قریشی عورتوں نے مجھے طعنہ دیا ہے۔ کہ تمہارے والد نے تمہاری شادی ایسے شخص سے کی۔ جس کے پاس کچھ مال نہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ بیٹی مت روؤ۔ اللہ کی قسم! میں نے تیری

شادی اس وقت کی جب اللہ نے تیری شادی عرش پر کر دی تھی۔ اور اس پر حضرت جبرائیل اور میکائیل گواہ بنے تھے۔

لمحۂ فکریہ؛

ناظرین کرام! آپ بنظر انصاف اور غور سے اس روایت کو پڑھیں۔ ایک طرف تو شیعہ حضرات فرضی ناراضگی کو اتنی اہمیت دیتے ہیں۔ کہ اس کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ کافر و منافق تک کہنے سے گریز نہیں کرتے۔ اور دوسری طرف انکے مذہب کے بانی مبانی　　　اور صحاح اربعہ میں سے ایک کے مصنف "شیخ صدوق" نے اس روایت میں کھلے الفاظ میں جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی اور توہین کی۔ وہ کسی سے مخفی نہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جن کے بارے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے "بتول" فرمایا۔ جس کے معنی دُنیا سے بے نیاز کے ہیں۔ "شیخ صدوق" نے اس روایت کے ذریعہ اس سیدہ کو بہت بڑا دنیادار ثابت کیا۔ اور کہا کہ آپ نے اس کمینی دنیا کی خاطر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فقیر سمجھتے ہوئے انتہائی گریہ وبکا کیا۔ اور روتی ہوئی بارگاہِ رسالت میں آئیں۔ اور تمام صحابہ کرام کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی غربت اور اپنی بدقسمتی کا رونا رویا۔ تو کیا یہ انداز روایت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شدید توہین کے مترادف نہیں؟ اگر ہے۔ اور واقعی ہے۔ تو خود اس روایت کا راوی اور اس کے متبعین اور بناوٹی مخلصین مومنین کا ایمان وخلوص کدھر گیا؟ ادھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرضی داستان غصہ سے کفر و نفاق کا فتویٰ، ادھر حقیقی گستاخی اور توہین سے خالص ایمان؟

حوالہ نمبر (۴): حضرت علی کے ایک جائز فعل پر سیدہ ان سے ناراض ہو کر میکے چلی گئیں

فَدَخَلَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ يَوْمًا فَنَظَرَتْ اِلٰى رَأْسِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ حُجْرِ الْجَارِيَةِ فَقَالَتْ يَا اَبَا الْحَسَنِ فَعَلْتَهَا فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا بِنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلْتُ شَيْئًا فَمَا الَّذِيْ تُرِيْدِيْنَ قَالَتْ تَاْذَنُ لِيْ فِي الْمَسِيْرِ اِلٰى مَنْزِلِ اَبِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ فَقَالَ لَهَا قَدْ اَذِنْتُ لَكِ۔ (انوار نعمانیہ جلد اوّل ص ۹، نور معتوی)

ترجمہ: (حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو شاہِ حبشہ نے ایک لونڈی ہبہ کی انہوں نے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دی) ایک دن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اس لونڈی کی گود میں تھا۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اے ابوالحسن آپ نے اس سے جماع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا خدا کی قسم اے بیٹی رسول میں نے اس سے کچھ نہیں کیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ناراضگی کے عالم میں کہا آپ مجھے رخصت دے دیں کہ میں اپنے والد گرامی کے گھر چلی جاؤں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔

لیکن اس ناراضگی سے حضرت علی کی خلافت پر قطعاً کوئی آنچ نہ آئی۔ اسی طرح ان کی ناراضگی صدیق اکبر سے فرض کر بھی لیں تو بھی اس سے ان کی خلافت باطل نہیں ٹھہرتی۔

"باغ فدک" کے ہبہ کی روایات اور ان کی تحقیق

اس موضوع پر روایات کے ذکر کرنے سے پہلے ایک بات ذکر کرنی مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ شیعہ حضرات یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وارث صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتی ہیں۔ تو اس حقیقی وارثہ کو آپ کی متروکہ جائیداد (باغ فدک) سے محروم کیوں رکھا گیا۔!

دوسری طرف ان لوگوں کا یہ دعویٰ بھی ہے۔ کہ حضور صلی علیہ وسلم نے "باغ فدک"، اپنی لخت جگر سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو "ھبہ"، کر دیا تھا۔ اگر یہ دوسرا دعویٰ درست ہے۔ تو پھر وراثت کے طور پر "باغ فدک"، کا مطالبہ کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باغ اپنی زندگی میں سیدہ فاطمہ کے نام "ھبہ"، کر دیا تھا۔ تو اس وقت سے اس باغ کی ملکیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منتقل ہو کر سیدہ کے پاس آگئی۔ تو کیا اپنی ملکیت میں بھی وراثت کا مسئلہ بن سکتا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت تو وہ مال ہوا۔ جو بوقت انتقال آپ کی ملک میں تھا۔ اور جو آپ کی ملک میں نہ تھا۔ وہ وراثت میں داخل ہی نہیں۔ جب وراثت میں داخل نہیں۔ تو اس کے متعلق وراثت کا مقدمہ بے معنی ہو گا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ شیعہ لوگوں کے دونوں دعویٰ ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔

اور اجتماع نقیضین باجماع عقلاء محال ہے۔ لہذا یہ دونوں دعویٰ بیک وقت ایک ہی چیز پر ایک ہی شخص کے لیے صحیح ہونا محال ہے۔

اس محال کے ہوتے ہوئے ہم ان روایات کو پیش کرتے ہیں۔ جن میں "ھبہ" کا ذکر آیا ہے۔ ان کے ذکر کے بعد ہم یہ ثابت کریں گے۔ کہ ان روایات کا کیا مقام ہے؟ اور ایسی روایات سے کیا کچھ ثابت ہو سکتا ہے۔؟

روایت ۱ :

تفسیر "درمنثور" میں "اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ" کے تحت امام سیوطی نے لکھا ہے۔

درمنثور:

اَخْرَجَ الْبَزَّارُ وَ اَبُوْ یَعْلٰی وَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ وَ ابْنُ مَرْدَوِیَۃَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ لَمَّا نَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاطِمَۃَ فَاَعْطَاھَا فَدَکَ۔

(درمنثور جلد ۴ ص ۱۷۷ زیر آیت وآت ذی القربی الخ پ ۱۵ مطبوعہ بیروت لبنان طبع جدید)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جب "واٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ" آیت نازل ہوئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا۔ اور انہیں "فدک" عطا کر دیا۔

روایت ۲:

مجمع البیان: قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ وَ سَعِيْدِ بْنِ جَيْثَمٍ وَ عَلِيُّ بْنُ الْقَاسِمِ الْكِنْدِيُّ وَ يَحْيَى بْنُ بَعْلَى وَ عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ مَرْزُوْقٍ عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ قَوْلُهُ "وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهُ" اَعْطٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ فَدَكًا۔

(مجمع البیان تحت آیت "وات ذا القربی حقہ"
جلد سوم جزء ششم ص ۴۱۱ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جب یہ آیت "وات ذا القربی حقہ" نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کو "فدک" عطا فرمایا۔

ان دونوں روایات کا سلسلہ "ابو سعید" پر ختم ہوتا ہے جنہیں "خدری" لکھا گیا ہے۔ ان دونوں روایات کا سلسلہ اسناد "ابو سعید" سے "عطیہ العوفی" اور اس سے فضیل ابن مرزوق سے ہوتا ہوا راوی "ابو معمر بن سعید" تک پہنچتا ہے۔ گویا اسناد کی انتہاء "ابو سعید" پر ہی ہے۔ لہٰذا اس "ابو سعید" کے بارے میں ہم ناقدین حدیث کی تحقیق پیش کرتے ہیں۔ تاکہ "ابو سعید" اور "ابو سعید خدری صحابی رسول" کے درمیان وضاحت ہو جائے۔

یہ ابو سعید کون ہیں؟

یہ وہ ابو سعید ہیں۔ جو کلبی کے لقب سے مشہور ہیں۔ اور صاحب تفسیر ہیں۔ ان کے

بہت سے نام اور مختلف کنیتیں ہیں۔ جن کی بنا پر ان کے نام میں دھوکہ ہو جاتا ہے کبھی ان کا نام "محمد بن سائب کلبی" لیا جاتا ہے۔ اور کبھی انہیں "حماد بن سائب کلبی" کہتے ہیں۔ ان کی کنیت کلبی "ابو نصر" اور کبھی "ابو ہشام" اور کبھی "ابو سعید" لکھی ہوتی ہے۔ "عطیہ عوفی الکوفی" انہی سے روایت کرتا ہے لیکن اس کا اندازِ روایت ایسا ہوتا ہے۔ جس سے یہ شبہ پڑ جاتا ہے۔ کہ یہ "ابو سعید" وہی ہیں جو "ابو سعید خدری" مشہور صحابی ہیں۔ حالانکہ یہ دو مختلف شخصیتیں ہیں۔ شبہ کی وجہ یہ ہے کہ "عطیہ الکوفی" بوقتِ روایت ان کی طرف حدثنا یا قال کے الفاظ تو منسوب کر دیتا ہے لیکن ان کا نام اور مشہور کنیت "کلبی" ذکر نہیں کرتا ہے۔ یہ ایسا اس لیے کرتا ہے کیونکہ "عطیہ الکوفی" شیعہ ہے۔ اور اپنے شیخ کا مکمل اتہ پتہ اس لیے درج نہیں کرتا۔ تاکہ لوگ دھوکہ سے اس کے شیخ کو "ابو سعید خدری" سمجھ لیں۔ اور اس طرح اس کی مرویات قابلِ اعتبار ہو جائیں۔ چنانچہ یہ مغالطہ ظاہر ہو گیا۔ اور اس کی یہ ہوشیاری کھل گئی۔

مزید وضاحت کے لیے ہم کتب اسماء الرجال سے "ابو سعید" کا اور اس کے شاگرد "عطیہ" کا حال لکھتے ہیں

عَطِیَّۃُ بْنُ سَعْدِ الْکُوْفِیُّ یُخْطِئُ کَثِیْرًا وَ کَانَ شِیْعِیًّا مُدَلِّسًا۔

(تقریب جلد ثانی ص۲۴ باب ع ج مطبوعہ بیروت لبنان طبع جدید)

یعنی عطیہ بن سعد الکوفی اکثر خطا کرتا ہے۔ اور شیعی ہے۔ اور تدلیس کرتا ہے۔

روایات میں خطا کرنا اور شیعی ہونا تو واضح ہے۔ اس کی تشریح کی چنداں ضرورت نہیں۔ مگر "تدلیس" کسے کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں "اشعۃ اللمعات"

تصنیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اشعۃ اللمعات:

صورتش آنست کہ راوی نام شیخ خود نبرد و از شیخ کہ فوق او است روایت کند و لفظیکہ موہم سماع است بیارد۔ و حال آنکہ از وے سماع ندارد۔ چنانکہ گوید عن فلان و قال فلان و تدلیس مذموم و مکروہ است مگر آنکہ ثابت شود کہ وے تدلیس نمیکند مگر از ثقہ و در آں غرض فاسد نباشد۔ مثل اخفائے سماع از شیخ بجہت صغر سن و عدم جاہ و شہرت و ستر حال کہ سبب طعن گردد

(اشعۃ اللمعات ص ۳-۴ جلد دوم طبع قدیم)

ترجمہ: اس کی صورت یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ کا نام نہ لے بلکہ اپنے شیخ کے شیوخ سے روایت کرے اور ایسے لفظ کے ساتھ روایت کرے کہ جو موہم سماع ہو۔ حالانکہ اس کا اس سے سماع ثابت نہ ہو۔ جیسے کہے فلاں سے یا فلاں نے کہا۔ تدلیس مذموم و مکروہ ہے۔ مگر جب ثابت ہو جائے کہ راوی ایسے لوگوں سے تدلیس کرتا ہے۔ جو کہ ثقہ ہیں اور اس میں کوئی غرض فاسد نہ ہو۔ جیسے کہ اپنے شیخ سے سماع کو بوجہ صغر سنی یا عدم وجاہت و شہرت اور ستر حال کی بنا پر ذکر نہ کرے کیونکہ یہ سبب طعن ہے۔

"میزان الاعتدال" میں عطیہ کی نسبت مذکور ہے

میزان الاعتدال:

عَطِيَّةُ بْنُ سَعْدٍ الْعَوْفِيُّ تَابِعِيٌّ شَهِيْرٌ ضَعِيْفٌ ...... قَالَ سَالِمٌ الْمُرَادِيُّ كَانَ عَطِيَّةُ يَتَشَيَّعُ وَقَالَ ابْنُ مُعِيْنٍ صَالِحٌ وَقَالَ أَحْمَدُ ضَعِيْفُ الْحَدِيْثِ وَكَانَ هُشَيْمٌ يَتَكَلَّمُ فِيْ عَطِيَّةَ وَرَوَى ابْنُ الْمَدِيْنِيِّ عَنْ يَحْيٰى قَالَ عَطِيَّةُ وَأَبُوْ هَارُوْنَ وَبِشْرُ بْنُ حَرْبٍ عِنْدِيْ سَوَآءٌ وَقَالَ أَحْمَدُ بَلَغَنِيْ أَنَّ عَطِيَّةَ كَانَ يَأْتِي الْكَلْبِيَّ فَيَأْخُذُ عَنْهُ التَّفْسِيْرَ كَانَ يُكَنِّيْهِ بِأَبِيْ سَعِيْدٍ فَيَقُوْلُ قَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ قُلْتُ يَعْنِيْ يُوْهِمُ أَنَّهُ الْخُدْرِيُّ وَقَالَ النَّسَائِيُّ وَجَمَاعَةٌ ضَعِيْفٌ۔ (اِنْتَهٰى)

(میزان الاعتدال جلد دوم ص ۲۰۱ فی تذکرہ عطا البصری عطا بن سفیان مطبوعہ مصر طبع قدیم)

ترجمہ: یعنی عطیہ بن سعد العوفی الکوفی مشہور تابعی ہے اور روایت میں ضعیف ہے۔ سالم المرادی نے کہا۔ کہ عطیہ "شیعی" تھا اور ابن معین نے کہا کہ صالح ہے! امام احمد نے کہا یہ "ضعیف الحدیث" ہے۔ اور ہیشم کو عطیہ میں کلام ہے یحییٰ سے ابن المدینی نے روایت کیا۔ کہ عطیہ، ابو ہارون اور بشر بن حرب میرے نزدیک روایت حدیث میں ایک جیسے ہیں۔ امام احمد نے کہا۔ کہ مجھے پتہ چلا ہے۔ کہ "عطیہ" الکلبی کے پاس آتا اور ان سے تفسیر قرآن حاصل کرتا تھا۔ اور ان کی کنیت "ابوسعید" بیان کرتا۔ بوقت ضرورت کہتا "ابوسعید" نے کہا۔ میں کہتا ہوں کہ وہ "الکلبی" کی کنیت ابوسعید اس لیے ذکر کرتا۔ تاکہ لوگوں کو وہم میں ڈالے۔ کہ اس (ابوسعید) سے مراد ابوسعید الخدری ہیں۔ امام نسائی اور ایک

جماعت محدثین نے کہا۔ "عطیہ" حدیث میں ضعیف ہے۔

علامہ سخاوی نے اپنے منظوم رسالہ "جزری" میں "بَابُ مَنْ لَّهٗ اَسْمَاءٌ ... مُخْتَلِفَةٌ وَنُعُوْتٌ مُتَعَدِّدَةٌ" میں جہاں کلبی کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اس کے متعلق یہ بھی بیان کیا ہے۔

وَهُوَ اَبُوْ سَعِيْدِ الَّذِیْ رَوٰی عَنْهُ عَطِيَّةُ الْعَوْفِیُّ مُوْهِمًا اَنَّهٗ الْخُدْرِیُّ (بحوالہ تحفہ شیعہ جلد دوم ص ۱۶۱)

ترجمہ: اور یہ وہی ابوسعید ہے۔ جس سے عطیہ عوفی روایت کرتا ہے۔ ابوسعید کی کنیت سے اس لیے ذکر کرتا ہے۔ تاکہ "ابوسعید الخدری" ہونے کا وہم گزرے۔

"عطیۃ العوفی" کے حالات وواقعات سے یہ ظاہر ہو گیا۔ کہ اس کے شیخ کا نام محمد بن سائب یا حماد بن سائب تھا۔ اور ابوسعید اس کی تین کنیتوں میں سے ایک کنیت تھی۔ تو یہ "ابوسعید الکلبی" ہے۔ ابوسعید الخدری نہیں۔ اسی ابوسعید الکلبی کے بارے میں تہذیب التہذیب میں یوں مذکور ہے۔

تہذیب التہذیب:

قَالَ مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ اَبِيْهِ كَانَ بِالْكُوْفَةِ كَذَّابَانِ اَحَدُهُمَا الْكَلْبِیُّ ...... وَقَالَ الدَّوْرِیُّ عَنْ يَحْيٰى بْنِ مُعِيْنٍ لَيْسَ بِشَیْءٍ وَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ يَحْيٰى ضَعِيْفٌ وَقَالَ الْبُخَارِیُّ تَرَكَهٗ يَحْيٰى وَابْنُ مَهْدِیٍّ ...... وَقَالَ عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ ابْنِ مَهْدِیٍّ جَلَسَ اِلَيْنَا اَبُوْ جَزْءٍ عَلٰى بَابِ اَبِیْ عَمْرِو بْنِ الْعَلَاءِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ الْكَلْبِیَّ كَافِرٌ فَحَدَّثْتُ

بِذٰلِكَ يَزِيْدَ بْنَ زُرَيْعٍ فَقَالَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهُ كَافِرٌ قَالَ فَمَا ذَا زَعَمَ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ كَانَ جِبْرَئِيْلُ يُوْحِيْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ النَّبِيُّ لِحَاجَتِهِ وَجَلَسَ عَلِيٌّ فَاَوْحٰى اِلٰى عَلِيٍّ فَقَالَ يَزِيْدُ اَنَا لَمْ اَسْمَعْهُ يَقُوْلُ هٰذَا وَلٰكِنِّيْ رَاَيْتُهُ يَضْرِبُ صَدْرَهُ وَيَقُوْلُ اَنَا سَبَائِيٌّ ۔ قَالَ الْعُقَيْلِيُّ هُمْ صِنْفٌ مِنَ الرَّافِضَةِ اَصْحَابُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَبَا وَقَالَ ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ مُغِيْرَةَ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّهُ قَالَ لِمُحَمَّدِ ابْنِ السَّائِبِ مَا دُمْتَ عَلٰى هٰذَا الرَّاْيِ لَا تَقْرَبْنَا وَ كَانَ مُرْجِئًا ۔ ۔ ۔ ۔ وَقَالَ اَبُوْ عَاصِمٍ زَعَمَ لِيْ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ قَالَ قَالَ الْكَلْبِيُّ مَا حَدَّثْتُ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَهُوَ كِذْبٌ فَلَا تَرْوُوْهُ وَقَالَ الْاَصْمَعِيُّ عَنْ قُرَّةَ بْنِ خَالِدٍ كَانُوْا يَرَوْنَ اَنَّ الْكَلْبِيَّ يَزْرِفُ يَعْنِيْ يَكْذِبُ وَقَالَ يَزِيْدُ ابْنُ هَارُوْنَ كَبُرَ الْكَلْبِيُّ وَغَلَبَ عَلَيْهِ النِّسْيَانُ وَقَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ النَّاسُ مُجْتَمِعُوْنَ عَلٰى تَرْكِ حَدِيْثِهِ هُوَ ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ لَا يُشْتَغَلُ بِهِ وَقَالَ النَّسَائِيُّ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَلَا يُكْتَبُ حَدِيْثُهُ ۔ ۔ ۔ ۔ وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْجُنَيْدِ وَالْحَاكِمُ اَبُوْ اَحْمَدَ وَالدَّارُ قُطْنِيُّ مَتْرُوْكٌ وَقَالَ الْجَوْزَجَانِيُّ كَذَّابٌ سَاقِطٌ وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ وُضُوْحُ الْكِذْبِ فِيْهِ اَظْهَرُ مِنْ اَنْ يَحْتَاجَ اِلَى الْاِغْرَاقِ فِيْ وَصْفِهِ يَرْوِيْ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ التَّفْسِيْرَ وَاَبُوْ صَالِحٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا يَحِلُّ الْاِحْتِجَاجُ بِهِ وَقَالَ السَّاجِيُّ مَتْرُوْكُ الْحَدِيْثِ وَكَانَ ضَعِيْفًا جِدًّا لِفَرْطِهِ فِي التَّشَيُّعِ وَقَدِ اتَّفَقَ ثِقَاتُ اَهْلِ النَّقْلِ عَلٰى ذَمِّهِ وَتَرْكِ

الرِّوَايَةَ عَنْهُ فِي الْاَحْكَامِ وَالْفُرُوْعِ قَالَ الْحَاكِمُ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ رَوٰى عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ اَحَادِيْثَ مَوْضُوْعَةً وَّذَكَرَ عَبْدُ الْغَنِيِّ بْنُ سَعِيْدِ الْاَزْدِيِّ اَنَّهُ حَمَّادُ ابْنُ السَّائِبِ الَّذِيْ رَوٰى عَنْهُ اَبُوْ اُسَامَةَ وَتَقَدَّمَ فِيْ تَرْجَمَةِ عِطْيَةَ اَنَّهُ كَانَ يُكَنِّي الْكَلْبِيَّ اَبَا سَعِيْدٍ وَيَرْوِيْ عَنْهُ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۱۷۸ ذکر محمد بن سائب کلبی)

ترجمہ: معتمر اپنے والد سلیمان سے روایت کرتا ہے۔ کہ کوفہ میں دو کذاب تھے۔ ان میں سے ایک "کلبی" تھا۔ اور دوری نے بروایت یحییٰ بن معین روایت کیا ہے۔ کہ کلبی لَیْسَ بِشَیْءٍ ہے۔ اور معاویہ بن صالح بروایت یحییٰ بیان کرتا ہے۔ کہ کلبی ضعیف ہے۔ اور امام بخاری کا بیان ہے کہ کلبی کو یحییٰ اور ابن مہدی نے ترک کر دیا ہے۔ عبدالواحد بن غیاث نے ابن مہدی سے روایت کی کہ ابن جزء نے ابو عمرو بن علاء کے دروازے میں ہمارے پاس بیٹھ کر کہا۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ کلبی کافر ہے۔ ابن مہدی نے کہا۔ کہ میں نے یزید بن زریع سے اس کا تذکرہ کیا۔ وہ بولا کہ میں نے ابو جزء کو کہتے سنا ہے۔ کہ حضرت جبرئیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی القا کر رہے تھے۔ آپ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ تو علی بیٹھ گئے۔ اور جبرئیل نے علی پر وحی القاء کرنا شروع کر دی۔ اس پر یزید نے کہا۔ کہ میں نے کلبی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا۔ مگر میں نے دیکھا ہے۔ کہ کلبی سینہ ٹھونک کر کہا کرتا تھا۔ میں سبائی ہوں۔ میں سبائی ہوں۔ عقیلی کا قول ہے۔ کہ سبائی دراصل رافضیوں کی ایک شاخ ہے۔ اور یہ لوگ عبداللہ بن سبا کے چیلے ہیں۔ ابن فضیل نے بروایت مغیرہ

بیان کیا ہے کہ ابراہیم نے محمد بن سائب سے کہا۔ کہ جب تک تو اس رائے پر ہے۔ ہمارے نزدیک نہ آنا۔ اور وہ مرجی تھا۔ ابو عاصم کہتے ہیں۔ کہ سفیان ثوری نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ کلبی کا قول ہے۔ کہ میں نے جو کچھ بروایت ابو صالح ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ وہ جھوٹ ہے تم اسے روایت نہ کرنا۔ اصمعی نے بروایت قرۃ بن خالد بیان کیا کہ لوگ سمجھتے تھے۔ کہ کلبی جھوٹ بولتا ہے۔ اور یزید بن ہارون کا قول ہے۔ کہ کلبی عمر رسیدہ ہوگیا۔ اور اس پر نسیان غالب ہوگیا۔ ابو حاتم کا بیان ہے۔ کہ لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے۔ کہ کلبی کی حدیث چھوڑ دینی چاہیئے۔ اور اس کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیئے۔ نسائی کا قول ہے۔ کہ کلبی ثقہ نہیں۔ اور اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی اور علی بن جنید اور ابو احمد حاکم اور دارقطنی کہتے ہیں۔ کہ کلبی متروک ہے۔ جوزجانی کہتا ہے۔ کہ وہ بڑا جھوٹا اور ساقط عن الاعتبار ہے۔ ابن حبان کا قول ہے۔ کہ کلبی کا جھوٹ ایسا ظاہر ہے۔ کہ محتاج بیان نہیں۔ اس نے ابو صالح سے تفسیر روایت کی ہے۔ اور ابو صالح نے ابن عباس سے سُنا نہیں۔ اس کے ساتھ احتجاج جائز نہیں ساجی کہتا ہے۔ کہ کلبی کی حدیث متروک ہے۔ اور تشیع میں غلو کے سبب نہایت ضعیف ہے۔ اور ثقات ناقلین اس کی مذمت اور احکام و فروع میں اس کی روایت کو چھوڑ دینے پر متفق ہیں۔ اور ابو عبداللہ حاکم کا بیان ہے۔ کہ اس نے ابو صالح سے موضوع حدیثیں روایت کیں۔ اور عبدالغنی بن سعید ازدی نے ذکر کیا۔ کہ وہ حماد بن سائب ہے۔ جس سے ابو اسامہ نے روایت

کی۔ اور عطیہ عوفی کے حال میں پہلے آچکا ہے۔ کہ عطیہ مذکور کلبی کو ابو سعید کی کنیت سے یاد کرتا ہے۔ اور اس سے حدیثیں روایت کرتا ہے۔

میزان الاعتدال: مزید شہادت

اَلْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّا حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبَّاسٍ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ مَرْزُوْقٍ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ فَاَعْطَاهَا فَدَكَ قُلْتُ هٰذَا بَاطِلٌ وَلَوْ كَانَ وَقَعَ ذٰلِكَ لَمَا جَاءَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَطْلُبُ شَيْئًا هُوَ فِيْ حِرْزِهَا وَمِلْكِهَا وَمِنْهُ غَيْرُ عَلِيٍّ مِّنَ الضُّعَفَاءِ۔

(میزان الاعتدال ص ۲۲۹ جلد ۲ ذکر علی بن عباس)

ترجمہ: قاسم بن ذکریا نے کہا۔ کہ ہم سے عباد بن یعقوب اور ان کو علی بن عباس نے بیان کیا۔ کہ فضیل بن مرزوق نے عطیہ اور عطیہ نے ابو سعید سے روایت کی جب آیت "اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ" نازل ہوئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ کو بلا کر وہ "فدک" ان کو عطا کر دیا۔ میں کہتا ہوں۔ یہ باطل ہے۔ کیونکہ آپ نے واقعی "فدک" دے دیا ہوتا۔ تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس چیز کو مانگنے نہ آئیں۔ جو ان کے قبضہ اور ملک میں پہلے ہی تھی۔ اور اس حدیث میں "علی بن عباس" کے سوا اور بھی ضعیف راوی ہیں۔

چیلنج

شیعہ لوگوں کے نزدیک باغ فدک کے تنازع کی جڑ اور اصل یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حیات مبارکہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ باغ ہبہ کر دیا تھا اور سیدہ رضی اللہ عنہا نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر یہ باغ فدک سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ فرما دیا تھا اور سیدہ نے اس پر قبضہ بھی فرما لیا تھا تو شیعہ لوگوں کو میراثِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ جب چیز ہو ہی اپنے قبضہ و تسلط میں تو پھر میراث کیسی؟ دعوے کیسا؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس قسم کی تمام روایات بے اصل اور غیر معتبر ہیں۔ ہم دنیائے شیعیت کو چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی ایک ایسی صحیح روایت دکھا دیں جس کے رواۃ سب کے سب ثقہ اور شیعی المذہب ہوں جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سیدہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کو باغ فدک ہبہ کرنا اور سیدہ کا اس پر قبضہ کرنا ثابت ہوتا ہو تو ہم منہ مانگا انعام پیش کریں گے۔ مگر ہم کہہ دیتے ہیں۔ ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

کوئی شیعہ عالم، مجتہد اور آیۃ اللہ ایسی کوئی روایت تا قیام قیامت نہیں دکھا سکتا۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ۝

الحاصل: مذکورہ روایات کو آپ ملاحظہ فرما چکے کہ کوئی ایک روایت بھی ایسی

موجود نہیں جس سے ثابت ہو کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو باغِ فدک ہبہ فرمایا ہو اور سیدہ رضی اللہ عنہا نے قبضہ کر لیا ہو۔ اس قسم کی جتنی روایات ہیں ان کے راوی غالی شیعہ اور سب کے سب کذّاب اور وضاع ہیں۔ ایسی خانہ ساز اسناد سے ہبہ فدک کا مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں ان تمام روایات کا اصل واضع ایک ہی آدمی ہے سب اسی کی خزاں رسیدہ شاخیں ہیں اور وہ آدمی ہے "ابو سعید کلبی"، جس کے متعلق آپ بڑی وضاحت کے ساتھ معلوم کر چکے ہیں کہ علمائے اسمائے رجال کے نزدیک یہ شخص کس قدر ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اہلِ تشیع کا شائع کردہ ایک رسالہ بنام "وہی مجرم وہی منصف"، ہماری نظر سے گزرا جس میں سابقہ روایات پر مصنفِ رسالہ نے ایک اعتراض کیا ہے جس کا جواب ہم یہاں دینا چاہتے ہیں۔ پہلے اعتراض کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

"وہی مجرم وہی منصف"

نواب صاحب کی اس ساری بحث کا خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ یہ روایتیں ابو سعید کلبی کی ہیں۔ ابو سعید خدری صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں اور انہوں نے اقرار و اعتراف کیا ہے کہ اس قسم کی روایتیں صرف ابو سعید کہہ کر خاموش ہو جاتی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ علمائے متقدمین نے روایت میں صرف ابو سعید کی سند پیش نہیں کی ہے بلکہ پورا نام ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

اب ایسی صورت میں محسن الملک صاحب کی غریب تاویل خود بخود باطل قرار پا جاتی ہے۔

علامہ سیوطی کی عربی عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

وَاَخْرَجَ الْبَزَّارُ وَاَبُوْ يَعْلٰى وَابْنُ اَبِىْ حَاتِمٍ وَابْنُ مَرْدَوِيَةَ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِىِّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ۔

اب منقولہ عبارت نواب صاحب کی طویل بحث کا جامع و مختصر اور مسکت جواب ہے کہ روایت میں راوی کے نام کی تحریر میں کسی قسم کا کوئی شبہ و دھوکہ ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ البزار، ابو یعلی، ابن ابی حاتم اور ابو بکر ابن مردویہ جیسے مفسرین نے بعد از تحقیق اس بات کا اثبات فرمایا اور حضرت ابو سعید صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ پھر نواب صاحب کا یہ دعوے بھی مبنی بر کذب ہے کہ ایسی روایات صرف ابو سعید سے مروی ہیں اس لیے کہ ابو بکر ابن مردویہ نے اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

(رسالہ "رواہی مجرم وای قصنف" مصنف عبد الکریم مشتاق شیعہ مطبوعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ص ۲)

جواب:۔

شیعہ مولوی عبد الکریم صاحب مشتاق نے نواب محسن الملک صاحب "آیات بینات" پر اعتراض کرتے ہوئے ہبہ کی روایات کے صحیح ہونے پر جو استدلال کیا ہے وہ مبنی بر حقیقت نہیں۔ مشتاق صاحب یا تو علمی بے بضاعتی کا شکار ہیں یا پھر انہوں نے دانستہ مذہبی بد دیانتی کا ارتکاب کیا ہے۔ نواب صاحب نے اپنی کتاب "آیاتِ بینات" میں روایات ہبہ پر مفصل بحث سپردِ قلم کی ہے اور بتایا ہے کہ ۱۳ھ سے لے کر ان کے زمانے تک اس بارے میں جتنی کتب شیعہ لکھی گئی ہیں ان کی تعداد دس تک ہے۔ جن میں کتب اہل سنت کے حوالے سے ہبہ

کی روایات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پھر صاحبِ آیاتِ بینات نے کتبِ اہل سنت سے ایسی تمام روایات کو بمع اسناد نقل کیا جن میں "ابو سعید خدری" کا لفظ بھی موجود ہے۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ سب کارستانی عطیہ کی ہے کہ اس نے مکاری کرتے ہوئے صرف دھوکہ دینے کے لیے ابو سعید کا لفظ لکھا جس سے بعض مصنفین کو غلط فہمی ہوگئی کہ شاید اس سے ابو سعید خدری ہی مراد ہیں۔ جیسا کہ "درمنثور" میں موجود ہے۔ لیکن صاحب آیاتِ بینات نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ علمائے شیعہ کو کتب اہلِ سنت سے جتنی بھی مسند روایات ملیں اور ان کو قابل اعتماد سمجھا گیا ان سب کا سلسلۂ اسناد ابو سعید پر ختم ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ والی روایات کا انکار نہیں کیا کہ عبدالکریم مشتاق کو گنجائشِ اعتراض ہو بلکہ نواب صاحب نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ بعض روایات میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام بھی موجود ہے مگر یہ سب کچھ "عطیہ" کی چالاکی اور دھوکہ دہی کا ثمرۂ خبیثہ ہے۔

روایت ابن عباس کا حال :-

نواب محسن الملک صاحب نے "آیات بینات" میں تحریر کیا ہے کہ ہبہ کی تمام روایات کا سلسلۂ اسناد ابو سعید پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس پر عبدالکریم مشتاق صاحب نے بڑے زور سے بغلیں بجائی ہیں نواب صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ایسی روایات کا سلسلہ ابو سعید پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ہبہ کی روایت بیان کی ہے۔

قارئین! اس میں بھی حسبِ سابق مشتاق صاحب نے بے علمی یا بددیانتی سے کام لیا ہے۔ نواب صاحب نے ثابت کیا ہے کہ علمائے شیعہ کو اس بارے

ہیں آج تک جتنی روایات مل سکی ہیں اور جن کو انہوں نے قابلِ حجت تسلیم کیا ہے۔ ان سب کا سلسلہ ابوسعید پر ختم ہوتا ہے۔ نواب صاحب نے ابن مردویہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت کو نقل نہیں کیا اور نہ ہی اس کی تردید کو ضروری خیال کیا ہے۔ کیونکہ متقدمین علمائے شیعہ کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ ابن مردویہ کی اس روایت سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے باغِ فدک کا ہبہ کیا جانا ثابت نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ اس روایت کا سلسلۂ اسناد ہی سرے سے موجود نہیں معلوم ہوتا ہے مشتاق کا مبلغ علم فقط اردو رسائل کی "لکھت پڑھت" تک محدود ہے۔ اسی لیے تو نواب صاحب پر اعتراض کر رہے ہیں کہ ان روایات کا سلسلہ ابوسعید پر ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ درمنثور میں ابن مردویہ سے مروی ابن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس روایت کے اور راوی بھی ہیں۔ داد دیجئے مشتاق صاحب کے علم کی یہ تک معلوم نہیں کہ ابن مردویہ ۴۱۰ھ کا آدمی ہے۔ اور روایت کرتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جو صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ درمیان میں کسی راوی کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ اب مشتاق ہی بتائیں کہ یہ درمیان والے راوی کون تھے؟ کیسے تھے؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟

تحقیقِ مزید:۔

ابن مردویہ کی مسند روایت جو ثقۃ الاسلام علی بن طاوس حلی شیعی نے اپنی مشہور کتاب "طرائف فی معرفۃ مذہب الطوائف" میں نقل کی ہے۔ اس کا سلسلۂ اسناد ملاحظہ فرمائیں۔

طرائف فی معرفۃ مذہب الطوائف:۔

وَمِنْ طَرِيْقِ مُنَاقِضَانِهِمْ مَا رَوَوْا فِي

كُتُبِهِمُ الصَّحِيحَةِ عِنْدَهُمْ بِرِجَالِهِمْ عَنْ مَشَائِخِهِمْ حَتّٰى اسْتَنَدُوهُ عَنْ سَيِّدِ الْحُفَّاظِ ابْنِ مَرْدَوِيَةَ قَالَ اَخْبَرَنَا مُحِيُّ السُّنَّةِ اَبُو الْفَتْحِ عَبْدُوسُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْهَمْدَانِيُّ اِجَازَةً قَالَ حَدَّثَنَا الْقَاضِيُّ اَبُو نَصْرٍ شُعَيْبُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا مُوسٰى بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا عِبَادُ بْنُ يَعْقُوْبَ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبَّاسٍ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ اٰيَةُ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهُ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ فَاطِمَةَ فَاَعْطَاهَا فَدَكَ۔

(طرائف فی معرفۃ مذہب الطوائف صـ۶۸
مطبوعہ بمبئی)

ترجمہ:۔ سنیوں کے عجیب مناقضات میں سے وہ روایت ہے جو انہوں نے اپنی معتبر اور صحیح کتب میں اپنے مشائخ سے روایت کی اور اسے سید الحفاظ ابن مردویہ باسناد مذکورہ یوں لکھتے ہیں کہ ابو سعید سے منقول ہے کہ جب آیت "وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهُ" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور باغ فدک انہیں عطا فرما دیا۔

حضرات! آپ نے دیکھ لیا کہ ابن مردویہ کی مذکورہ روایت میں یہی تین

حضرات فضیل ابن مرزوق ، عطیہ ابن سعد اور ابو سعید راوی ہیں۔ جن کے حالات گزشتہ اوراق میں آپ نے مفصل طور پر ملاحظہ فرما لیے۔ ایسے کسی راوی کی کوئی روایت اہل سنت پر بطور الزام پیش نہیں کی جاسکتی۔

معلوم ہوا کہ در منثور میں ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے وہ قابلِ اعتماد نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے شیعہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے باغ فدک کے ہبہ کی تائید میں اس روایت کو کبھی پیش نہیں کیا۔ البتہ انہوں نے اس بارے میں جن روایات کو قابلِ استناد سمجھا ہے وہ ابن مردویہ کے علاوہ دوسرے راویوں کی ہیں۔ جن کا مفصل پوسٹ مارٹم کیا جا چکا ہے۔

ایک اور گواہی :۔

اس بات کی تصدیق کے لیے کہ ہبہ فدک کی سب مرویات کے راوی مرزوق اور عطیہ جیسے کذاب لوگ ہیں مزید گواہی ہم شیعہ کی معتبر تفاسیر عیاشی اور مجمع البیان سے پیش کر دیتے ہیں۔

تفسیر عیاشی و مجمع البیان :۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَالِحٍ كَتَبَ الْمَامُوْنُ اِلٰى عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مُوْسَى الْعَبْسِيِّ يَسْئَلُهٗ عَنْ قِصَّةِ الْفَدَكِ فَكَتَبَ اِلَيْهِ عُبَيْدُ اللّٰهِ ابْنُ مُوْسٰى بِهٰذَا الْحَدِيْثِ رَوَاهُ عَنِ الْفُضَيْلِ بْنِ مَرْزُوْقٍ عَنْ عَطِيَّةَ فَرَدَّ الْمَامُوْنُ فَدَكَ عَلٰى وُلْدِ فَاطِمَةَ

صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهَا۔

(۱) تفسیر عیاشی مصنفہ ابو النصر محمد بن مسعود عیاشی جلد دوم ص۲۸۷ مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲) تفسیر مجمع البیان جلد سوم جز ششم ص۴۱۱ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ عبدالرحمٰن بن صالح سے روایت ہے کہ (مامون عباسی خلیفہ) نے عبیداللہ بن موسیٰ عبسی کی طرف باغ فدک کا واقعہ معلوم کرنے کے لیے خط لکھا عبیداللہ بن موسیٰ نے مامون کی طرف اس حدیث کو لکھ کر بھیجا جس کو فضل بن مرزوق نے عطیہ سے روایت کیا۔ اس پر مامون نے باغ فدک سیدہ فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی اولاد کو واپس کر دیا۔

الحاصل:۔

ہبۂ فدک کے متعلق اہل تشیع نے اپنی کتب میں اہل سنت کی کتب سے جتنے بھی حوالہ جات نقل کیے ہیں وہ سب کے سب ایسے ہی ہیں جن کا سلسلہ اسناد فضیل بن مرزوق عطیہ بن سعد اور ابو سعید پر ہی ختم ہوتا ہے۔ اور ان میں دونوں قسم کے ثبوت موجود ہیں کہ آیا باغ فدک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ فرمادیا تھا یا مامون الرشید نے اولادِ فاطمہ زہرا پر رد کیا تھا۔ ایسی تمام روایات انہی راویوں کی مرہونِ منت ہیں جن کو اہل سنت کی کتب اسمائے رجال نے کذاب و وضاع ثابت کیا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

☆☆☆

☆

ایک غلط پراپیگنڈہ کی تردید

چند دن ہوئے اہل تشیع کا ایک رسالہ "وہی مجرم، وہی منصف" مصنفہ عبدالکریم مشتاق نظر سے گزرا۔ جس میں "باغ فدک" کے متعلق تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ بالخصوص حدیث "نَحْنُ الْاَنْبِیَاءُ لَا نُوْرِثُ دِرْهَمًا وَّلَا دِیْنَارًا اِلَّا عِلْمًا وَّحِکْمَةً" کو مصنف نے کمال عیاری و مکاری کے ساتھ غلط ثابت کرنے کی سعی ناشکور کی ہے۔ مقصود مصنف یہ ہے کہ حدیث مذکور کو روایت کرنے والا راوی سعید بن فیروز ابوالبختری ہے جو کذاب و وضاع ہے۔ اور یہ حدیث سعید بن فیروز ابوالبختری کے علاوہ کسی دوسرے راوی سے مروی نہیں ہے۔ رسالہ مذکورہ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

وہی مجرم وہی منصف:۔

پانچویں بات شاہ صاحب کی کافی میں وارد روایت کی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کتب شیعہ میں یہ روایت سوائے ابوالبختری کے کسی اور نے روایت نہیں کی ہے۔ ابوالبختری کے متعلق علماء شیعہ کا فیصلہ ہے کہ یہ کذاب اور مانا ہوا وضاع ہے ملاحظہ کریں "دری فی معرفۃ الرجال الکشی" مطبوعہ بمبئی ص 199۔ پھر علامہ ابن حجر کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے تصدیق کی ہے کہ یہ شخص سنی المذہب تھا۔ اور اس نے اپنے آپ کو بناوٹی شیعہ ظاہر کیا تھا۔

☆

تقریب التہذیب :

سَعِيدُ بْنُ فَيْرُوْزَ اَبُو الْبَخْتَرِيّ ثِقَةٌ ثَبَتٌ فِيْهِ تَشَيُّعٌ قَلِيْلٌ كَثِيْرُ الْاِرْسَالِ مِنَ الثَّالِثَةِ۔

(تقریب التہذیب ص ۱۴۹)

اس سے ثابت ہوا کہ ابوالبختری اہلِ سنت میں معتمد ہے۔ تھوڑا تشیع ظاہر کرتا تھا۔ مگر بہت مرسل احادیث بیان کرتا تھا۔ لیکن شیعوں کے نزدیک وہ سب سے زیادہ جھوٹا ہے۔ اس لیے جھوٹوں کی گواہی مقبول نہیں۔ پس قولِ ابوبکر رضا اور نام نہاد حدیث "لَانُوْرِثُ"، وضعی ثابت ہوئی۔

(رسالہ وہی مجرم وہی منصف مصنفہ عبدالکریم مشتاق ص ۸۷ مطبوعہ کراچی)

جواب :۔

اعتراض مذکور کے پیش نظر ہم نے پوری کتاب "رجال کشی" کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا مگر اس میں سعید بن فیروز ابوالبختری کا نام تک نہیں "رجال کشی" میں جس ابوالبختری کو کذاب کہا گیا ہے اس کا نام سعید بن فیروز ابوالبختری نہیں بلکہ وہب بن وہب ابوالبختری ہے جو صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رجال کشی کی عبارت پیش خدمت ہے:۔

رجالِ کشی :۔

اَبُو الْبَخْتَرِيّ وَهْبُ ابْنُ وَهْبٍ ذَكَرَ اَبُو الْحَسَنِ

عَلِيُّ بْنُ قُتَيْبَةَ الْقُتَيْبِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ سَلَمَةَ الْكُوْفِيِّ اَبُو الْبَخْتَرِيِّ اِسْمُهٗ وَهْبُ بْنُ وَهْبِ بْنِ كَثِيْرِ بْنِ زَمْعَةَ بْنِ الْاَسْوَدِ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللهِ (ع) وَهُوَ رَبَّاهُ وَقَالَ عَلِيٌّ اَيْضًا قَالَ اَبُوْ مُحَمَّدٍ الْفَضْلُ بْنُ شَاذَانَ كَانَ اَبُو الْبَخْتَرِيِّ مِنْ اَكْذَبِ الْبَرِيَّةِ۔

(رجال کشی مصنفہ عمر بن عبد العزیز بن الکشی ص ۲۶۱ تذکرہ ابو البختری وہب مطبوعہ کربلا)

ترجمہ:۔ ابو البختری وہب بن وہب۔ ابو الحسن علی بن قتیبہ القتیبی نے علی بن سلمہ کوفی سے ذکر کیا کہ ابو البختری کا نام وہب بن وہب بن کثیر بن زمعہ بن الاسود ہے۔ وہ صحابی رسول ہیں اور ان کی تربیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی کی تھی۔ علی نے بھی یونہی کہا ہے۔ ابو فضل بن شاذان نے کہا کہ ابو البختری مخلوق میں سب سے زیادہ جھوٹا تھا۔

حیرت ہے۔ معترض نے حدیث مذکور کے مردود اور موضوع ہونے پر جن دو چیزوں سے استدلال کیا۔ ان میں پہلی چیز تو یہ تھی کہ اس حدیث کا راوی سعید بن فیروز ابو البختری ہے اور وہ کذاب ہے۔ (بحوالہ رجال کشی) حالانکہ "رجال کشی" میں اس نام کا کوئی بھی راوی موجود نہیں۔ بلکہ رجال کشی میں جسے کذاب ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ وہب بن وہب ابو البختری ہے۔ معترض کے علم و دیانت سے بالکل تہی دامن ہونے کی کتنی بڑی دلیل ہے کہ اس نے ابو البختری کے لفظ سے دھوکہ دے کر وہب بن وہب کو سعید بن فیروز قرار دیا۔ اور پھر مسلک شیعہ

کی اسمائے الرجال کے موضوع پر ہماری نظر سے جتنی کتب گزری ہیں۔ ان میں سے کسی میں سعید بن فیروز کو کذاب نہیں کہا گیا بلکہ ثقہ گردانا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

شیعہ اسماءرجال کی کتب سعید بن فیروز ابوالبختری کے متعلق کیا کہتی ہیں؟

(۱) تنقیح المقال:۔

سَعِيْدُ بْنُ فَيْرُوْزَ اَبُوالْبَخْتَرِيِّ بِفَتْحِ الْمُوَحَّدَةِ وَ الْمُثَنَّاةِ بَيْنَهُمَا خَاءٌ مُعْجَمَةٌ ابْنُ عِمْرَانَ الطَّائِيُّ مَوْلَاهُمُ الْكُوْفِيُّ ثِقَةٌ۔

(تنقیح المقال فی علم الرجال مصنفہ عبداللہ مامقانی شیعی جلد دوم صـ۲۹ باب سعید مطبوعہ تہران)

ترجمہ: سعید بن فیروز ابوالبختری باء اور تاء کے فتح کے ساتھ اور ان دونوں کے درمیان خاء معجمہ ہے۔ یہ ابن عمران طائی کوفی مولاان کا ثقہ راوی ہے۔

(۲) جامع الرواۃ:۔

اَبُوالْبَخْتَرِيِّ سَعِيْدُ بْنُ فَيْرُوْزَ [قی] فِيْ اَصْحَابِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْيَمَنِ وَقَدْ تَقَدَّمَ عَنْ [ی] اَنَّهُ سَعْدُ بْنُ عِمْرَانَ اَوِابْنُ فَيْرُوْزَ (صح)

(جامع الرواۃ مصنفہ محمد بن علی الاردبیلی شیعی جلد دوم صـ۳۶۸ باب الباء من الکنی مطبوعہ قم ایران سن طباعت ۱۴۰۳ ہجری)

ترجمہ:۔ ابو البختری سعید بن فیروز اصحاب علی علیہ السلام میں یمن سے ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ وہ سعد بن عمران یا ابن فیروز ہے۔

قارئین کرام! آپ نے مذکورہ حوالہ جات سے ملاحظہ فرما لیا کہ کسی نے سعید بن فیروز ابو البختری کو وضاع اور کذاب نہیں کہا بلکہ اسے ثقہ اور اصحاب علی رضی اللہ عنہ میں شمار کیا ہے۔ تنقیح المقال میں تو اس جگہ اس کی تعریف میں یہاں تک مذکور ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب خاص میں سے تھا۔ دیکھئے۔

تنقیح المقال:۔

سَعِیْدُ بْنُ فَیْرُوْزَ اَبُو الْبَخْتَرِیِّ قَدْ عَدَّ الْعَلَّامَۃُ سَعِیْدَ بْنَ فَیْرُوْزَ مِنْ غَیْرِ کُنْیَتِہٖ مِنْ اَصْحَابِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنَ الْیَمَنِ وَعَنِ الْبَرْقِیِّ اَنَّہٗ مِنْ خَوَاصِّہٖ۔

(تنقیح المقال جلد دوم ص ۲۹ باب سعید مطبوعہ قم ایران)

ترجمہ:۔ سعید بن فیروز ابو البختری۔ علامہ نے اسے بغیر کنیت کے شمار کیا ہے۔ اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یمنی اصحاب میں سے تھا۔ برقی نے نے کہا کہ وہ آپ کے خاص اصحاب میں سے تھا۔

دوسری بات:۔

حدیث نَحْنُ الْاَنْبِیَاءُ لَا نُوَرِّثُ دِرْھَمًا وَّلَا دِیْنَارًا۔ الخ کو

موضوع ثابت کرنے کے لیے معترض کی دو دلیلوں میں سے ایک دلیل کا بطلان تو آپ حضرات نے ملاحظہ فرمالیا۔ رہی یہ دلیل کہ اس حدیث کا سوائے سعید بن فیروز ابوالبختری کے کوئی دوسرا راوی نہیں تو اس بات میں بھی معترض نے اپنی علمی بے بضاعتی، خیانت، کتمانِ حق، عناد اور شقاوت قلبی کا ثبوت دیا ہے کیونکہ حدیث مذکور کا راوی ابوالبختری کے علاوہ عبداللہ بن میمون بھی ہے جس کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ کے چار نوروں میں سے ایک نور قرار دیا ہے۔ لیجئے پہلے عبداللہ بن میمون سے مروی حدیث ملاحظہ کریں۔ بعد میں ہم راوی مذکور کے "نور مکہ" ہونے کا قول پیش کریں گے۔

امالی شیخ صدوق:۔

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْهِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ هَاشِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنِ الصَّادِقِ جَعْفَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اٰبَآئِهٖ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ ....

.........اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ اِنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَلٰكِنْ وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَ مِنْهُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ

(کتاب الامالی والمجالس مصنفہ شیخ صدوق ص۳۷
المجلس الرابع مطبوعہ قم)

ترجمہ:۔ (بحذف اسناد) عبداللہ بن میمون نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے انہوں نے اپنے آباؤ اجداد سے روایت کی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ .... بے شک علماء انبیاء کرام کے وارث ہوتے ہیں۔ بے شک انبیاء کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے۔ لیکن وہ تو علم کی میراث چھوڑتے ہیں۔ پس جس نے علم حاصل کیا۔ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میراث سے وافر حصہ حاصل کیا۔

روایتِ مندرجہ بالا میں آپ دیکھ چکے کہ حدیث "ولا نُوَرِّثُ" کا راوی عبداللہ بن میمون بھی ہے۔ معلوم ہو گیا مصنفِ رسالہ "وہی مجرم وہی منصف" اپنے اس دعوے میں کتنا کاذب و خائن ہے کہ اس حدیث کا سعید بن فیروز ابوالبختری کے علاوہ اور کوئی راوی نہیں۔

اس حدیث کی سند:۔

اب کتبِ اسماء رجال شیعہ سے اس حدیث کے رواۃ کی سیرت و ثقاہت بھی قارئین کے سامنے رکھی جاتی ہے۔

راوی اوّل عبداللہ ابن میمون

(۱) رجال العلامہ الحلّی:۔

عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَیْمُوْنٍ الْاَسْوَدُ الْقَدَّاحُ یَبْرِیْ الْقِدَاحَ مَوْلٰی بَنِیْ مَخْزُوْمٍ رَوٰی اَبُوْہُ عَنْ

جَعْفَرَ وَ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِمَا السَّلَامُ وَ رَوٰی هُوَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَکَانَ ثِقَةً۔ وَ رَوٰی الْکَشِّیُّ عَنْ حَمْدَوِیَّةَ عَنْ اَیُّوْبَ بْنِ نُوْحٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ یَحْیٰی عَنْ اَبِیْ خَالِدِ الْقَمَّاطِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَیْمُوْنٍ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ یَا ابْنَ مَیْمُوْنٍ کَمْ اَنْتُمْ بِمَکَّةَ؟ قُلْتُ نَحْنُ اَرْبَعَةٌ قَالَ اِنَّکُمْ نُوْرُ اللّٰہِ فِیْ ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ۔

(رجال العلامہ الحلی مصنفہ الحسن بن یوسف الحلی ص۱۰۸ مطبوعہ قم ایران طبع جدید)

ترجمہ: عبداللہ بن میمون اسود قداح جو کہ پتھر تراشا کرتا تھا اور بنی مخزوم کا غلام تھا۔ اس کے باپ نے امام باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور خود عبداللہ بن میمون نے روایت کی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اور وہ ثقہ راوی تھا۔ اور روایت کی کشی نے حمدویہ سے اس نے ایوب بن نوح سے اس نے صفوان بن یحییٰ سے اس نے ابی خالد القماط سے اس نے عبداللہ بن میمون سے اس نے امام باقر علیہ السلام سے کہ امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابن میمون! تم مکہ میں کتنے آدمی ہو۔ میں (ابن میمون) نے عرض کیا کہ ہم چار ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم زمین کی تاریکیوں میں اللہ کے نور ہو۔

(۲) تنقیح المقال :۔

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَيْمُوْنِ الْاَسْوَدُ الْقَدَّاحُ ......

...... وَعَدَّهٗ ابْنُ النَّدِيْمِ فِيْ فِهْرِسْتِهٖ مِنْ فُقَهَاۤءِ الشِّيْعَةِ وَقَالَ النَّجَاشِيُّ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مَيْمُوْنِ بْنِ الْاَسْوَدِ الْقَدَّاحُ مَوْلٰى بَنِيْ مَخْزُوْمٍ يَبْرِيُّ الْقِدَاحَ رَوٰى اَبُوْهُ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرَ وَاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَوٰى هُوَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ وَكَانَ ثِقَةً ...... وَرَوَى الْكَشِّيُّ عَنْ حَمْدَوِيَةَ عَنْ اَيُّوْبَ بْنِ نُوْحٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَحْيٰى عَنْ اَبِيْ خَالِدٍ صَالِحِ الْقَمَّاطِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ يَا ابْنَ مَيْمُوْنٍ كَمْ اَنْتُمْ بِمَكَّةَ؟ فَقُلْتُ نَحْنُ اَرْبَعَةٌ قَالَ اَمَا اِنَّكُمْ نُوْرٌ فِيْ ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ۔

(۱) تنقیح المقال جلد دوم صفحہ ۲۲ باب عبد اللہ مطبوعہ تہران)

(۲) رجال کشی صفحہ ۲۱۲ تذکرہ القداح مطبوعہ کربلا)

ترجمہ :۔ عبد اللہ بن میمون اسود قداح ...... اس کو ابن ندیم نے اپنی فہرست میں فقہائے شیعہ سے شمار کیا ہے۔ اور نجاشی نے کہا کہ عبد اللہ بن میمون بن اسود قداح مولے بنی مخزوم پتھر تراشا کرتا تھا۔ اور اس کے باپ نے

امام باقر و جعفر علیہما السلام سے روایت کی اور وہ (عبد اللہ بن میمون) ثقہ راوی تھا......... اور کشی نے حمدویہ سے اس نے ایوب بن نوح سے اس نے صفوان بن یحییٰ سے اس نے ابو خالد صالح القماط سے اس نے عبد اللہ بن میمون سے اور اس نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابن میمون! تم مکہ میں کتنے آدمی ہو؟ میں (ابن میمون) نے عرض کیا ہم چار آدمی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم زمین کی تاریکیوں میں نور ہو۔

دوسرے راوی ،، ابراہیم بن ہاشم ،، کی ثقاہت

تنقیح المقال:۔

اِبْرَاهِيْمُ بْنُ هَاشِمِ الْقُمِّيّ قَدْ عَدَّهُ الشَّيْخُ فِيْ رِجَالِهٖ مِنْ اَصْحَابِ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ۔۔۔۔ ۔۔۔۔ وَقَالَ فِي الْفِهْرِسْتِ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ هَاشِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَبُوْ اِسْحَاقَ الْقُمِّيّ اَصْلُهٗ مِنَ الْكُوْفَةِ وَانْتَقَلَ اِلٰى قُمٍّ وَاَصْحَابُنَا يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ مَنْ نَشَرَ حَدِيْثَ الْكُوْفِيِّيْنَ بِقُمٍّ وَذَكَرُوْا اَنَّهٗ لَقِيَ الرِّضَا وَالَّذِيْ اُعْرِفَ مِنْ كُتُبِهٖ كِتَابُ النَّوَادِرِ وَكِتَابُ الْقَضَايَا لِاَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

(تنقیح المقال لعبد اللہ مامقانی شیعی جلد اول ص ۳۹ باب ابراہیم مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ ابراہیم بن ہاشم قمی کو شیخ طوسی نے اپنی کتاب الرجال میں امام رضا علیہ السلام کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ اور فہرست میں کہا کہ ابراہیم بن ہاشم ابو اسحاق قمی

کا اصل وطن کوفہ تھا۔ وہاں سے منتقل ہو کر قم پہنچا۔ اور ہمارے اصحاب کہتے ہیں۔ یہ وہ شخص ہے جس نے کوفیوں کی احادیث کی قم میں اشاعت کی۔ اور ذکر کیا کہ اس نے امام رضا رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تھی۔ اور اس کی مشہور کتابیں، کتاب النوادر اور کتاب القضایا لامیر المومنین ہیں۔

تیسرے راوی "علی ابن ابراہیم کی ثقاہت"

تنقیح المقال:۔

عَلِیُّ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ هَاشِمٌ اَبُوالْحَسَنِ الْقُمِّیُّ قَالَ النَّجَاشِیُّ بَعْدَ هٰذَا الْعُنْوَانِ ثِقَةٌ فِی الْحَدِیْثِ ثَبْتٌ مُعْتَمَدًا صَحِیْحُ الْمَذْهَبِ۔

(۱) تنقیح المقال جلد دوم ص ۲۶۰ باب علی علیہ السلام مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲) جامع الرواۃ محمد بن علی الاردبیلی جلد اوّل ص ۵۴۵ باب العین بعدہا اللام مطبوعہ مطبوعہ قم۔ ایران سن طباعت ۱۴۰۳ھ)

ترجمہ:۔

علی ابن ابراہیم ہاشم ابوالحسن قمی۔ اس عنوان کے بعد نجاشی نے کہا کہ وہ حدیث کے معاملہ میں ثقہ، معتمد اور صحیح المذہب ہے۔

☆ ☆

☆
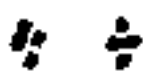
چوتھے راوی "حسین بن ابراہیم" کی ثقاہت

تنقیح المقال:-

اَلْحُسَیْنُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ. ذَکَرَهُ الصَّدُوْقُ مُتَرَضِّیًا وَاَکْثَرَ مِنَ الرِّوَایَةِ عَنْهُ وَ ذٰلِكَ یَشْهَدُ بِوَثَاقَتِهٖ۔

(۱) تنقیح المقال جلد اول ص۳۱۵ باب الحسین مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲) جامع الرواۃ جلد اول ص۲۳۰ باب الحاء بعدہ السین مطبوعہ قم۔ ایران)

ترجمہ:- حسین بن ابراہیم۔ شیخ صدوق نے اسے پسندیدہ لوگوں میں ذکر کیا۔ شیخ کی اکثر روایات اسی سے ہیں۔ اور یہ بات اس کی ثقاہت پر شاہد ہے۔

دعوتِ غور و فکر:-

انصاف پسند قارئین حضرات کو ہم دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ مولوی عبدالکریم مشتاق کے ہذیانات کو مدنظر رکھتے ہوئے مذکورہ حوالہ جات کو مع ترجمہ ایک دفعہ پھر پڑھئے اور غور فرمائیے کہ مشتاق صاحب اور ان کے دیگر حواری کس قدر دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں۔ اور جھوٹ کے سہارے کتنے بلند بانگ دعاوی کرتے ہیں۔ مگر جب ان کے دعاوی کو حقیقت کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے تو تارِ عنکبوت سے بھی کمزور ثابت ہوتے ہیں۔ مشتاق صاحب نے پہلا دعوی کیا تھا کہ حدیث "رد لا کو بر ث" کا راوی "سعید بن

فیروز ابو البختری،، مجروح ہے۔ دوسرا دعوئے ان کا یہ تھا کہ اس روایت کا سوائے اس "ابو البختری" کے اور دوسرا کوئی راوی نہیں۔ پہلے دعوئی کے تار پود تو آپ کو گزشتہ صفحات میں بکھرتے نظر آچکے ہیں۔ دوسرے دعوئی کا ابطال بھی آپ کے سامنے ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے جیسا کہ حوالہ جات مذکور ہوئے۔ اور شیخ صدوق سے مرفوعًا مذکور ہے کہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ اور مستند ہیں۔ اس طرح مشتاق صاحب نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کے مفروضے پر جو قصر ناپائیدار تعمیر کیا تھا الیسا زمین بوس ہوا کہ نام و نشان ندارد۔

لمحۂ فکریہ :-

قارئین کرام معلوم کر چکے کہ معترض نے حدیث "لا نورث" پر جو دو طرح کی تنقید کی تھی۔ غلط بے بنیاد اور دھوکہ دہی پر مبنی ہے۔ اس کی پہلی دلیل تھی کہ اس حدیث کا راوی سعید بن فیروز ابو البختری وضاع اور کذاب ہے۔ اس کے متعلق آپ شیعہ اسمائے رجال کی کتب کے حوالہ جات ملاحظہ فرما چکے ہیں یہ راوی ثقہ آدمی ہے معترض کا دوسرا دعوئے یہ تھا کہ اس حدیث کا راوی سعید بن فیروز ابو البختری کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اس دعویٰ کا بطلان بھی آپ پر واضح ہو گیا کہ اس کا ایک راوی عبداللہ بن میمون بھی ہے۔ جسے شیعہ کتب رجال نے امام باقر رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ بلکہ امام باقر رضی اللہ عنہ نے اس کو زمین کے نوروں میں سے ایک نور قرار دیا۔ اور عبداللہ مامقانی صاحب تنقیح المقال نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ عبداللہ بن میمون فقہائے شیعہ میں سے ہے اور ثقہ آدمی ہے۔ اور حدیث عبداللہ بن میمون کے دوسرے راویان بھی ثقہ ہیں۔

علاوہ ازیں ہم نے بخوف طوالت شیعہ کتب اسمائے رجال کے بہت سے

حوالہ جات کو قلم انداز کر دیا ہے جن میں ان راویان کے ثقہ ہونے کو واضح کیا گیا ہے۔
جب شیعہ حضرات کی معتبر کتبِ اسمائے رجال نے تصدیق کر دی۔ کہ حدیث
"لا نورث درهما ولا دينارا" الخ۔ صحیح ہے تو اس سے اگر حضرت ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ نے باغِ فدک کے میراثِ رسول نہ ہونے پر استدلال کیا ہے تو کون سا
جرم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ساداتِ کرام نے بھی یہ فرمایا کہ اگر ہم بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
کی جگہ ہوتے تو وہی فیصلہ کرتے جو آپ نے کیا۔ (ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد ۴
ص۸۲ مطبوعہ بیروت)

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ حق ترجمان سے حدیث "لا نُورِثُ" کی تشریح و تفصیل

تفسیر فرات کوفی:۔

فرات نے بیان کیا حدیث بیان کی مجھ سے محمد بن ابراہیم بن زکریا غطفانی نے اس
نے کئی واسطوں سے عبد اللہ بن ابی اوفیٰ سے انہوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
مسجد نبوی شریف میں تشریف لائے۔ ہم وہاں موجود تھے۔ آپ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ
کی حمد و ثنا بیان کی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان مواخاۃ (بھائی چارہ)
قائم کرتا ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے درمیان قائم فرمایا ہے۔ جب نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ
کو کسی کا بھائی نہ بنایا تو اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ
علیک وسلم! آپ نے مجھے چھوڑ کر سب کو جوڑا اور ایک دوسرے کا بھائی بنایا۔ اس سے

میری کمر ٹوٹ گئی اور میری روح نکلنے کو آئی۔ اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا مقام مجھ سے وہی ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اور میں نے تجھے موخر اس لیے کیا ہے کہ تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ وَ الَّذِيْ اَرِثُ مِنْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا وُرِثَتِ الْاَنْبِيَاۗءُ مِنْ قَبْلِيْ قَالَ وَمَا وُرِثَتِ الْاَنْبِيَاۗءُ مِنْ قَبْلِكَ قَالَ كِتَابُ رَبِّهِمْ وَ سُنَّةُ نَبِيِّهِمْ۔ اَنْتَ مَعِيْ يَا عَلِيُّ فِيْ قَصْرِيْ فِي الْجَنَّةِ مَعَ فَاطِمَةَ ابْنَتِيْ هِيَ زَوْجَتُكَ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَاَنْتَ رَفِيْقِيْ۔

(تفسیر فرات کوفی مصنفہ فرات بن ابراہیم
شیعی صـ۸۲ مطبوعہ نجف اشرف)

ترجمہ:۔ قسم بخدا میں آپ کا وارث ہوں گا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے فرمایا مجھ سے پہلے انبیاء کرام نے میراث نہیں چھوڑی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی پھر آپ سے پہلے انبیاء کرام نے کونسی چیز میراث میں چھوڑی؟ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے رب کی کتاب اور اپنی سنت میراث میں چھوڑی۔ اے علی رضی اللہ عنہ! تم میرے محل میں جنت میں میرے ساتھ ہو گے۔ میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تمہارے ساتھ جنت میں ہو گی۔ وہ دنیا اور آخرت میں تمہاری زوجہ محترمہ ہے۔ اور تم میرے رفیق ہو گے۔

قارئین کرام! آپ نے مشاہدہ فرمایا کہ متنازع فیہ حدیث (جس کو عبدالکریم مشتاق شیعہ نے موضوع ٹھہرایا ہے۔ (اس لیے کہ اس کے نزدیک اس حدیث کا راوی سوائے سعید بن فیروز ابوالبختری کے اور کوئی نہیں اور ابوالبختری مشتاق صاحب کے نزدیک

وضاع اور کذاب ہے) کتنی مضبوط اور صحیح ہے۔ اور آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام سے اس حدیث کی تشریح کتنی وضاحت کے ساتھ مذکور ہے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مولا علی رضی اللہ عنہ کو وارث بھی فرمایا اور ساتھ ہی فیصلہ فرما دیا کہ علی رضی اللہ عنہ میرے وارث تو ہیں مگر علم و حکمت اور کتاب و سنت میں نہ کہ مال و دولت میں۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مالِ دنیا کی وراثت نہیں چھوڑتے۔

معترض کا یہ دعویٰ بھی باطل ہو گیا کہ اس حدیث کا سوائے ابوالبختری کے اور کوئی راوی نہیں۔ اب نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس وضاحت و صراحت کے بعد بھی اگر کوئی آپ کی وراثتِ دنیا کی رٹ لگاتا ہے۔ اور باغ فدک کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے مال میراث قرار دیتا ہے تو اسے ضدی اور ہٹ دھرم ہی کہا جا سکتا ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

اگر فدک سیدہ فاطمہ کے لیے ہبہ تھا تو پھر وراثت کا دعویٰ کیوں

شیعہ کی معتبر کتاب "فروع کافی"

میں موجود ہے۔ کہ سات باغات کی تولیت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ سے ان کی میراث میں جھگڑا کیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت دی۔ کہ یہ سات باغات "وقف" ہیں۔ ان میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی۔ تاکہ آپ کو بھی حصہ ملے۔ "فروع" کی عبارت یہ ہے۔

فروع کافی: عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِی الْحَسَنِ الثَّانِیْ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ سَئَلْتُہٗ عَنِ الْحِیْطَانِ السَّبْعَۃِ الَّتِیْ کَانَتْ مِیْرَاثُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِفَاطِمَۃَ عَلَیْہَا السَّلَامُ فَقَالَ لَا اِنَّمَا کَانَ وَقْفًا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْخُذُ اِلَیْہِ مِنْہَا مَا یُنْفِقُ عَلٰی اَضْیَافِہٖ فَلَمَّا قُبِضَ جَاءَ الْعَبَّاسُ یُخَاصِمُ فَاطِمَۃَ فِیْہَا فَشَہِدَ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَغَیْرُہٗ اَنَّہَا وَقْفٌ عَلٰی فَاطِمَۃَ عَلَیْہَا السَّلَامُ وَھِیَ الدُّلَالُ وَ الْعِفَافُ وَالْحُسْنٰی وَ الصَّافِیَۃُ وَ مَا لِاُمِّ اِبْرَاھِیْمَ وَ الْمَیْثَبُ وَ الْبَرْقَۃُ۔

(نمبر ۱) فروع کافی جلد ثالث ص ۴۷ مطبوعہ نولکشور طبع قدیم)
(نمبر ۲) فروع کافی جلد ہفتم ص ۴۸ کتاب الوصایا باب صدقات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وفاطمۃ الخ مطبوعہ تہران۔ طبع جدید)
(۳) ناسخ التواریخ زندگانی فاطمہ ص ۲۴۵)

ترجمہ: احمد بن محمد نے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ کہ میں نے امام موسے کاظم رضی اللہ عنہ سے ان سات باغات کے بارے میں دریافت کیا۔ جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تھے۔ تو امام موصوف نے فرمایا۔ وہ میراث نہ تھے۔ بلکہ وقف تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے اتنا لیتے تھے۔ جو کہ مہمانوں کے لیے کفایت کرتا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان باغات میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جھگڑا کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے گواہی دی کہ باغات وقف ہیں۔ جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہیں۔ وہ سات یہ ہیں۔ دلال، عفاف، حسنیٰ، صافیہ، مالام ابراہیم، المثنب اور برقہ۔

اہل سنت وجماعت کی معتبر کتب میں "ہبہ" کے خلاف اس طرح مذکور ہے۔ کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے۔ تو اس وقت "باغ فدک" بنو امیہ کے قبضہ میں تھا۔ تو آپ نے بنی امیہ کو جمع کر کے فرمایا۔ جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔

ابوداؤد: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْجَرَّاحِ اَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ جَمَعَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بَنِيْ مَرْوَانَ حِيْنَ اسْتُخْلِفَ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ فَدَكُ وَكَانَ يُنْفِقُ مِنْهَا وَيَعُوْدُ مِنْهَا عَلٰى صَغِيْرِ بَنِيْ هَاشِمٍ وَيُزَوِّجُ مِنْهَا اَيِّمَهُمْ وَاِنَّ

فَاطِمَةَ سَأَلَتْهُ اَنْ يَّجْعَلَهَا لَهَا فَاَبٰى فَكَانَتْ كَذٰلِكَ فِيْ حَيٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ وَلِيَ اَبُوْبَكْرٍ عَمِلَ فِيْهَا بِمَا عَمِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَيَاتِهٖ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ وَلِيَ عُمَرُ عَمِلَ فِيْهَا مَا عَمِلَ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ ثُمَّ اَقْطَعَهَا مَرْوَانُ ثُمَّ صَارَتْ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ عُمَرُ يَعْنِيْ ابْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَرَاَيْتُ اَمْرًا مَنَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ وَاِنِّيْ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ رَدَدْتُهَا عَلٰى مَا كَانَتْ يَعْنِيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(ابوداؤد جلد ثانی ص ۵۹ کتاب الفیئ والخراج والامارہ

ترجمہ: ہم سے عبداللہ بن جراح نے کہا۔ کہ جریر نے مغیرہ سے ہمیں خبر دی۔ کہ عمر بن عبدالعزیز نے بنی مروان کو اپنے خلیفہ بننے کے بعد جمع کیا۔ اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم "فدک" میں سے کچھ اپنے لیے خرچ فرماتے اور بنی ہاشم کے بچوں کی پرورش فرماتے۔ اور ان کی رانڈوں کو بیاہتے تھے۔ حضرت خاتون جنت نے "فدک" کے بارے میں آپ سے سوال کیا۔ تو آپ نے دینے سے انکار کر دیا۔ آپ کی زندگی میں اس کی آمدنی انہی مصارف پر خرچ ہوتی رہی۔ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد جب ابوبکر خلیفہ مقرر ہوئے۔ تو انہوں نے وہی عمل باقی رکھا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ پھر یہ بھی انتقال فرما گئے۔ پھر جب عمر فاروق خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے بھی وہی عمل باقی رکھا۔ جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ پھر مروان نے

اِسے اپنے قبضہ (ملکیت) میں لے لیا۔ اور ان کے بعد جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ جس فدک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر کو نہ دیا۔ اس پر میرا قطعاً حق نہیں بنتا۔ میں تم حاضرین کو گواہ بناتا ہوں۔ کہ میں نے "فدک" کی وہی حالت برقرار کر دی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تھی۔

یعنی "مروان" نے ناجائز اس کو اپنی ملکیت قرار دے دیا تھا۔ اور اس طرح اس کی آمدنی ان مصارف پر صرف ہونا ختم ہوگئی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں تھے۔ تو آج پھر اُسے اُسی حالت پر لوٹا رہا ہوں۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے طریقہ پر عمل ہو سکے۔

میراث انبیاء کا حکم شیعہ کتب سے

اصول کافی: انبیاء کی میراث مال نہیں احادیث ہیں:

(۱) عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ وَ ذٰلِکَ اَنَّ الْاَنْبِیَآءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِرْھَمًا وَّ لَا دِیْنَارًا وَّ اِنَّمَا اَوْرَثُوْا اَحَادِیْثَ مِنْ اَحَادِیْثِھِمْ فَمَنْ اَخَذَ بِشَیْءٍ مِّنْھَا فَقَدْ اَخَذَ حَظًّا وَّافِرًا فَانْظُرُوْا عِلْمَکُمْ ھٰذَا مِمَّنْ تَاْخُذُوْنَہٗ فَاِنَّ فِیْنَا اَھْلَ الْبَیْتِ فِیْ کُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلًا یَنْفُوْنَ عَنْہُ تَحْرِیْفَ الْغَالِیْنَ وَ اِنْتِحَالَ الْمُبْطِلِیْنَ وَ تَاْوِیْلَ الْجَاھِلِیْنَ

(اصول کافی جلد اول ص ۳۲ کتاب فضل العلم باب صفۃ العلم وفضلہ الخ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ علماء وارث انبیاء ہیں۔ اور انبیاء وارث نہیں ہوتے درہم و دینار کے۔ بلکہ وہ مالک ہوتے ہیں اپنی احادیث کے۔ پس جس نے ان احادیث سے کچھ لے لیا۔ اس نے کافی نصیب پالیا۔ پس تم اس پر نظر رکھو۔ کہ تم اس علم کو کس سے لیتے ہو۔ یہ علم ہم اہل بیت کا ہے۔ کیونکہ جو علم پیغمبر نے امت کے لیے چھوڑا ہے۔ اس کے وارث اہل بیت رسول ہیں" جو عادل ہیں۔ اور جو رد کرتے ہیں غالبین کی تحریف اور اہل باطل کے تغیرات اور جاہلوں کی تاویلوں کو۔

(ترجمہ اصول کافی جلد اول ص۳۵ مطبوعہ کراچی)

اصول کافی: انبیاء کی میراث علم ہے علماء ان کے وارث ہیں

(۲) وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ النُّجُوْمِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرِثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا لٰكِنْ وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَ مِنْهُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ۔

(۱) (اصول کافی جلد اول ص۳۴ کتاب فضل العلم طبع جدید

(۲) قرب الاسناد ص۴۴ طبع تہران جدید

ترجمہ: اور فرمایا۔ کہ دین کے عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے۔ جس طرح ستاروں پر چاند کی فضیلت اور چاندنی رات پر فضیلت ہے اور علماء کرام وارثِ انبیاء ہیں۔ اور انبیائے کرام نہیں چھوڑتے اپنی امت کے لیے درہم و دینار بلکہ وہ چھوڑتے ہیں علم دین کو

پس جس نے اس کو حاصل کیا اُس نے بڑا نصیبہ پایا۔
(ترجمہ اصول کافی جلد اوّل ص ۳۷)

امالی صدوق:

(۳) عَنِ الصَّادِقِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اٰبَآئِهٖ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَكَ طَرِیْقًا یَطْلُبُ فِیْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِیْقًا اِلَی الْجَنَّةِ فَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًی بِهٖ وَاِنَّهٗ یَسْتَغْفِرُ لِطَالِبِ الْعِلْمِ مَنْ فِی السَّمَآءِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ حَتَّی الْحُوْتِ فِی الْبَحْرِ وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰی سَآئِرِ النُّجُوْمِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ وَاِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَآءِ اِنَّ الْاَنْبِیَآءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّلٰكِنْ وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَ مِنْهُ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ۔

امالی صدوق ص ۳۷ المجلس خامس عشر مطبوعہ قم)

ترجمہ: امام جعفر اپنے والد اور ان کے والد اپنے آباء سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص طلب علم کے لیے راستہ طے کرتا ہے۔ اللہ رب العزت اُسے جنّت کی طرف لے جاتا ہے۔ اور فرشتے طالب علموں کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ کیونکہ انہیں اس سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ آسمان و زمین کی تمام مخلوق حتیٰ کہ دریا کی مچھلیاں طالب علم

کے لیے استغفار کرتی ہیں۔ اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے۔ جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت ستاروں پر چاندنی رات میں اور علماء وارث انبیاء ہیں۔ اور انبیاء اپنی وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے۔ بلکہ علم دین چھوڑتے ہیں۔ پس جس نے اس کو حاصل کر لیا۔ اُس نے بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔

مسئلہ میراث میں شیعہ حضرات کے اعتراضات اور ان کے جوابات

اعتراض نمبر (۱):

قرآن مجید میں مسئلہ میراث کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

يُوصِيكُمُ اللهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔

(سورۃ نساء - پ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت فرماتا ہے۔ کہ تمہارے ترکہ میں سے ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہو گا۔

اس آیت کریمہ میں حکم عام ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والے تمام مومنین داخل ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس آیت کے حکم سے خارج نہیں۔ تو پھر بموجب اس حکم کے آپ کی

وراثت بھی آپ کی اولاد (سیدہ خاتون جنت) کو ملنی چاہیئے۔ لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وراثت سے محروم کر دیا۔ اور اس طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی خلاف ورزی کی۔ اور اس صریح حکم کے خلاف ایک خبر واحد "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرِثُ" پیش کر کے سیدہ فاطمہ کو حق سے محروم کر دیا۔ لہذا ان کا ایسا کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

جواب نمبر (۱):

شیعہ حضرات کی سب سے صحیح اور امام غائب کی مصدقہ اصول کافی وہ کتاب ہے جسے امام جعفر نے ھذا کاف لشیعتنا سے تعبیر کیا یعنی یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔ ایسی کتاب کی حدیث کو خبر واحد کہہ کر صرف اپنے من گھڑت مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے ناقابلِ عمل قرار دینا تو ہین ائمہ اہلِ بیت ہے۔ علاوہ ازیں جب کہ شیعہ حضرات موجودہ قرآن کو تحریف شدہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ کتب شیعہ میں تواترات کے ساتھ ثابت ہے۔ تو پھر وہ اس قرآن کی آڑ لے کر اصول کافی کی حدیث کو کیسے ناقابل عمل قرار دے سکتے ہیں۔

جواب نمبر (۲):

مذکورہ آیت میراث میں خطاب صرف امت کو ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسئلہ وراثت مسلمانوں کو سمجھایا گیا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور تحقیق شدہ ہے۔ جسے شیعہ سنی دونوں مانتے ہیں۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام انبیاء کرام کی "مالی وراثت" نہیں ہوتی۔ ہم گزشتہ اوراق میں شیعہ کتب سے یہ ثابت کر چکے ہیں۔

اہل سنت و جماعت کی کتب میں ایسی بہت سی احادیث موجود ہیں۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد صحابہ کرام نے روایت فرمائیں۔ مثلاً حضرت حذیفہ بن یمان، زبیر بن عوام، عباس، علی، عثمان، عمر، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابودرداء، ابوہریرہ اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان تمام حضرات سے اس قسم کی روایات آئی ہیں۔ جن میں انبیائے کرام کی "مالی وراثت" نہ ہونے کا ذکر ہے۔

رہی یہ بات کہ " نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوْرِثُ " والی حدیث صرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھی۔ کسی اور کو یاد نہ تھی۔ تو اس اعتبار سے یہ خبر واحد ٹھہری۔ یہ بھی درست نہیں۔ بلکہ یہ روایت مذکورہ بالا تمام صحابہ کرام اور ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین میں مشہور و معروف تھی۔ بالفرض اگر اس کے سننے والے صرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہوتے۔ تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ حدیث موجب علم یقینی ہے۔ کیونکہ احادیث کی مختلف اقسام متواتر، مشہور، خبر واحد وغیرہ ان لوگوں کے لیے ہیں۔ جنہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنیں۔ مگر جس نے سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے خود سنیں ۔ اس کے لیے ان کا مرتبہ متواتر سے بھی بڑھ کر ہے۔

تیسری بات یہ بھی ذہن نشین رہے۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث جب پیش فرمائی۔ تو اس وقت اور اس دور میں بہت سے صحابہ کرام تک پہنچی۔ بلکہ وہاں موقع پر موجود بھی تھے۔ ان میں سے کسی نے اس بارے میں اختلاف نہ کیا۔ خود سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں اتنا فرمایا "ما سمعت" یعنی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث نہیں سنی۔ تو "عدم سماعت" سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ کسی اور نے بھی نہیں سنی۔ وہ تو خود اپنی "نفی سماعت" فرما

رہی ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ اس حدیث کے ذریعہ آیت میراث کے عمومی حکم میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تخصیص کے ذریعہ نکال لیا گیا۔ اور آپ اس میں داخل نہیں۔ جس طرح وہ لوگ اس میں داخل نہیں۔ جن کا ذکر ہی نہیں ہوتا۔ یا جن کی اولاد ہی نہیں ہوتی۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس کی مثال ایک اور آیت کریمہ سے دی جا سکتی ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ "فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ"۔ اپنی پسند کی دو دو، تین تین اور چار چار عورتوں سے شادی کرو۔ اس آیت میں چار بیویوں کی بیک وقت نکاح میں رکھنے اور لانے کی اجازت ہے۔ تو یہ اجازت بھی امت کے لیے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عام حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ کتب احادیث اور سیرت میں آپ کی بیک وقت چار سے زائد ازواج مطہرات کا نکاح میں ہونا مشہور و معروف ہے۔ تو جس طرح اس آیت کے عموم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ اسی طرح آیت میراث بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر مومنین کے لیے ہے۔ تو حدیث مذکورہ سے آیت میراث کی تخصیص تعیین اور تشریح ہو رہی ہے۔ اس سے مخالفت لازم نہیں آتی۔ اگر اس طرح تخصیص سے مخالفت لازم آئے۔ تو یہی اعتراض شیعہ حضرات پر بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان کی فقہ میں بھی اس قسم کی تخصیصات موجود ہیں۔ جیسے مرنے والا کافر تھا۔ اور اس کی اولاد مسلمان تھی۔ تو کافر صاحب جائیداد کی وراثت اس کی مسلمان اولاد کو نہیں ملے گی۔ یا اس کے برعکس مرنے والا صاحب جائیداد مسلمان تھا۔ اس کی اولاد کافر ہے۔ تو بھی انہیں وارث نہیں بنایا جائے گا۔ حالانکہ حکم سب کے لیے عام تھا۔

اعتراض ۱۲: سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث تھے

اگر انبیاء کرام کی "مالی وراثت" نہیں ہوتی۔ جیسا کہ تم نے ثابت کیا۔ تو دریافت

طلب یہ امر ہے۔ کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد سیدنا داؤد علیہ السلام کے وارث کیونکر قرار پائے۔ ان کے وارث ہونے کا قرآن گواہ ہے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ (پ ۱۹) (حضرت سلیمان علیہ السلام جناب داؤد علیہ السلام کے وارث بنے۔

لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ جب قرآن پاک نے نبی کی وراثت ثابت کی۔ اور وارث کا نام بھی ذکر کر دیا۔ تو وہ حدیث جس میں نبی کی وراثت سے انکار کیا گیا ہے۔ قابل عمل نہ ہوئی۔ اور مرجوح ٹھہری۔

جواب:

سائل نے سوال میں کچھ لاعلمی کا ثبوت دیا ہے۔ ہم نے احادیث مقدسہ کی روشنی میں ثابت یہ کیا تھا۔ کہ نبی کی "مالی وراثت" نہیں ہوتی۔ اور "وراثت علمی" کا ثبوت بھی انہی احادیث میں موجود ہے۔ جن میں "مالی وراثت" کی نفی ہے۔ تو جس وراثت کی ہم نے نفی کی۔ اگر آیت زیر بحث میں اسی کا ثبوت ہے۔ تو اعتراض درست۔ ورنہ ہم کب قائل ہیں۔ کہ "وراثت علمی" بھی نہیں ہوتی۔

بہر حال ہم جواب کی طرف لوٹتے ہیں۔ "وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ" میں "وراثت علمی" مراد ہے۔ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد گرامی جناب داؤد علیہ السلام کے "وارث علمی" بنے۔ کیونکہ اگر اس وراثت سے مراد "وراثت مالی" ہوتی۔ تو صرف سلیمان علیہ السلام کے وارث ہونے کا کوئی معنی نہیں۔ وہ اس لیے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ان کے علاوہ اٹھارہ اور بھی بیٹے تھے (منہج الصادقین ج ۷ ص ۴۴) ان اٹھارہ کو چھوڑ کر اکیلے سلیمان علیہ السلام کیونکر "وارث مالی" بنتے۔ اور دوسرے کیوں محروم رہے۔

پھر تمہاری معتبر کتاب جو کہ امام معصوم کی مصدقہ ہے۔ اس میں امام جعفر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو "وارث علمی" قرار دیا ہے۔ جسے بالکل واضح طور پر ذکر کیا۔

قول امام جعفر سلیمان کو علمی وراثت ملی:

اصول کافی: مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ زُرْعَةَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ الْمُفَضَّلِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ اِنَّ سُلَيْمَانَ وَرِثَ دَاوٗدَ وَاِنَّ مُحَمَّدًا وَرِثَ سُلَيْمَانَ وَاَنَّا وَرِثْنَا مُحَمَّدًا وَاِنَّ عِنْدَنَا عِلْمَ التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالزَّبُوْرِ وَتِبْيَانَ مَا فِى الْاَلْوَاحِ ـ

(اصول کافی جلد اول ص۲۲۴-۲۲۵ کتاب الحجۃ باب ان الائمۃ ورثوا علم النبی طبع جدید مطبوعہ تہران)

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سلیمان کے وارث ہوئے۔ اور ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وارث ہوئے۔ اور ہمارے پاس علم توریت وانجیل وزبور کا اور ہمارے پاس بیان واضح ہے اس کا جو الواح موسیٰ میں تھا۔

(مترجم اصول کافی جلد اول ص۲۵۷ مطبوعہ کراچی)

شیعہ حضرات کا علامہ "ملا خلیل قزوینی" اس روایت کی یوں شرح کرتا ہے۔

صافی شرح اصول کافی:

گفت امام جعفر صادق علیہ السلام پدرستیکہ سلیمان بمیراث گرفت علم را از داؤد چنانچہ اللہ تعالیٰ گفتہ در سورۂ نمل کہ ”وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ“، و بدرستیکہ محمد بمیراث برد علم را از سلیمان و بدرستیکہ ما اہل بیت محمد بمیراث بردیم علم را از محمد و بدرستیکہ نزد ما است علم توریت موسیٰ و علم انجیل و علم زبور و علم نسخہ کہ بیان واضح الواح موسیٰ است۔

(صافی شرح اصول کافی جزء سوم ص۱۴۹)

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ سلیمان علیہ السلام نے علم بطور میراث داؤد علیہ السلام سے حاصل کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نمل میں فرمایا۔ ”وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ“ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میراث علم سلیمان علیہ السلام سے پائی۔ اور ہم اہل بیت نے وراثت علمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پائی۔ ہمارے پاس موسیٰ علیہ السلام کی تورات، انجیل اور زبور کا علم ہے۔ اور اس نسخہ کا علم جو موسیٰ علیہ السلام کی الواح میں تھا۔ یہ سب علم ہمارے پاس ہے:۔

سوال:

وراثت سلیمان از داؤد علیہما السلام میں ”وراثت علمی“ کے اثبات کے ضمن میں جو تم نے لکھا۔ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس۱۹ بیٹے تھے۔ کیا کتب شیعہ بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں۔ ایک آدھ حوالہ پیش کرو؟

جواب:

شیعہ حضرات کی معتبر تفسیر "منہج الصادقین" میں مذکور ہے۔

تفسیر منہج الصادقین:

وبصحت پیوستہ کہ داؤد (علیہ السلام) را نوزدہ پسر بود وہریک بیاقت نبوت ووراثت داشتند۔

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۶ ص ۴۷۲ زیر آیت وورث سلیمان داؤد سورۃ نمل رکوع نمبر ۲ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: یہ بات درجہ صحت تک پہنچی ہے۔ کہ داؤد علیہ السلام کے انیس صاحبزادے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک نبوت ووراثت کے قابل تھا۔

لیکن اس مقام پر "قابل وراثت" سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے۔ کہ اس سے مراد "وراثت مالی" تھی۔ بلکہ اس سے مراد "حکومت" تھی۔ اسی تفسیر کے اسی مقام پر اس کی وضاحت موجود ہے۔

تفسیر منہج الصادقین:

اکابر ہمہ بنی اسرائیل بفضل وکمال سلیمان معترف شدند۔ وداؤد ملک باو تسلیم کرد۔ ودیگر روز وفات نمود سلیمان برتخت نشست

(۱) (تفسیر منہج الصادقین جلد ۶ ص ۴۷۲)

(۲) (مجمع البیان جلد چہارم جزء ۷ ص ۲۱۴ زیر آیت وارث سلیمان)

(۳) (تفسیر صافی جلد دوم ص ۲۳۲ سورہ نمل)

ترجمہ: بنی اسرائیل کے تمام اکابر نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فضل وکمال

کا (بنسبت دیگر اٹھارہ بھائیوں کے) اعتراف کر لیا۔ اور داؤد علیہ السلام نے اپنا ملک و حکومت ان کے سپرد کر دیا۔ اس کے دوسرے روز حضرت داؤد علیہ السلام انتقال کر گئے۔ اور سلیمان علیہ السلام تختِ پدری پر بیٹھ گئے۔

لمحہ فکریہ:

علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں باغ فدک واپس کیوں نہ لے لیا

"باغ فدک" کے مسئلہ میں حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا مطالبہ اور اس کے جواب میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیث رسول پیش فرما کر مسئلہ کی نوعیت متعین کر کے اس کے بارے میں جو فیصلہ فرمایا۔ آپ حضرات نے اسے پڑھ لیا۔ اور یہ فیصلہ صرف خلافتِ صدیقی تک ہی برقرار نہ رہا۔ بلکہ دور فاروقی، عثمان اور حضرت علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہم تک برقرار رہا۔ صرف "مروان" کے دور میں اس میں رد و بدل ہوا۔ اور پھر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اس کی پہلی حیثیت بحال کر دی۔

اس مسئلہ میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر بقول شیعہ خلفاء ثلاثہ نے ظالمانہ طور پر یہ باغ فدک" کو غصب کیے رکھا تو پوچھا جا سکتا ہے۔ کہ جب خلافت علی رضی اللہ عنہ کا دور آیا۔ اور اس وقت ان مخالفین میں سے کوئی بھی زندہ نہ تھا۔ تو اپنے دور خلافت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس ظلم کی تلافی

کیوں نہ کی۔ اور کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرض نہ تھا۔ کہ اپنے دور خلافت میں مظلوم کا حق ظالم سے واپس دلاتے۔ حالانکہ ایک مسلمان عادل حاکم پر فرض ہے۔ کہ مظلوم کی دادرسی کرے۔ اور ظالم سے غصب شدہ حق مظلوم کو واپس دلائے اسی بات کی وصیت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حسنین کریمین کو فرمائی۔

نہج البلاغہ:

لَا تَتْرُكُوا الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ فَيُوَلّٰى عَلَيْكُمْ شِرَارُكُمْ ثُمَّ تَدْعُوْنَ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ۔

ترجمہ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو کسی حال میں ترک نہ کرو۔ ورنہ تمہارے شریر تم پر مسلط کر دیئے جائیں گے پھر دعائیں مانگو گے۔ لیکن وہ قبول نہیں ہوں گی۔

(نہج البلاغہ ص ۴۲۲ خطبہ ۴۷ چھوٹا سائز مطبوعہ بیروت)

اگر حسنین کریمین کو یہ وصیت ہے۔ تو خود بھی اس پر کاربند ہوں گے۔ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں "خلفائے ثلاثہ" کا "باغ فدک" کے معاملہ میں یہ رویہ قابل اعتراض تھا۔ تو چپ کیوں سادھے رہے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ جو فیصلہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ وہ من وعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تھا۔ اسی لیے امیر معاویہ تک اسی پر عمل ہوتا رہا۔ نہ اس میں رد و بدل کیا۔ اور نہ ہی کسی نے اعتراض کیا۔ لیکن ہمارے اس دعوے کے برعکس شیعہ اس فیصلہ کو ناصبانہ فیصلہ قرار دیتے ہیں۔ تو ان کے بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس ظلم کو کیوں نہ عدل میں بدلا۔

مذکورہ سوال کے لایعنی جوابات دینے کی ناکام کوشش

سید نعمت اللہ جزائری اپنی مشہور کتاب "انوار نعمانیہ" میں اس سوال کے بارے میں لکھتا ہے۔

انوار نعمانیہ:

"کلام علی" وَاَمَّا قَوْلُ عَلِیٍّ لَوْکُسِرَتْ لِیَ الْوِسَادَۃُ ثُمَّ جَلَسْتُ عَلَیْھَا" اَلْحَدِیْثُ۔ مَعْنَاہُ اَنِّیْ اِنْ تَمَکَّنْتُ مِنَ الْحُکُوْمَۃِ بَیْنَ النَّاسِ مِنْ غَیْرِ مُنَازِعٍ وَھٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ مُتَمَکِّنًا فِیْ وَقْتِ خِلَافَتِہٖ مِنْ اِقَامَۃِ الْاَحْکَامِ عَلٰی وُجُوْھِھَا لِمَا تَقَدَّمَہُ الْمُتَخَلِّفُوْنَ فِی الْبِدَعِ فَصَارَ لَا یَقْدِرُ اَنْ یُّغَیِّرَ مَا فَعَلُوْہُ فَمِنْہُ عَزْلُ شُرَیْحٍ عَنِ الْقَضَاءِ اَرَادَہٗ فَلَمْ یَتَمَکَّنْ مِنْہُ لِاَنَّہٗ کَانَ مَنْصُوْبًا مِنْ قِبَلِ الْمُتَقَدِّمِیْنَ وَمِنْہُ صَلٰوۃُ الضُّحٰی فَقَدْ اَرْسَلَ اِبْنَہُ الْحَسَنَ اَنْ یُّنَادِیَ فِیْ مَسَاجِدِ الْکُوْفَۃِ اَنْ لَّا تُصَلُّوْا فَضَجَّ النَّاسُ ضَجَّۃً وَّاحِدَۃً وَقَالُوْا وَاعُمَرَاہُ اَمَرَنَا بِالصَّلٰوۃِ وَاَنْتَ تَنْھَانَا عَنْھَا اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی۔ وَمِنْہُ رَدُّ الْفَدَکِ وَالْعَوَالِیْ عَلٰی اَوْلَادِ فَاطِمَۃَ فَاِنَّہٗ

كَانَ مِظَنَّةَ الْفِتْنَةِ وَالْفَسَادِ بِتَغْلِيْظِ مَنْ تَقَدَّمَهُ۔

وَقَدْ رَوَى الصَّدُوْقُ طَابَ ثَرَاهُ فِيْ كِتَابِ الْعِلَلِ عِلَلًا اُخْرٰى مِنْهَا رَوَاهُ مُسْنَدًا اِلٰى اَبِيْ بَصِيْرٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قُلْتُ لَهُ لِمَ لَمْ يَاْخُذْ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فَدَكًا لَمَّا وَلِيَ النَّاسَ وِلَايَةً مَا عِلَّةٌ تَرْكِهَا فَقَالَ لِاَنَّ الظَّالِمَ وَالْمَظْلُوْمَ قَدْ كَانَا قَدِمَا عَلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَ اَثَابَ اللّٰهُ الْمَظْلُوْمَ وَعَاقَبَ الظَّالِمَ فَكَرِهَ اَنْ يَسْتَرْجِعَ شَيْئًا قَدْ عَاقَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ غَاصِبَهُ وَاَثَابَ عَلَيْهِ الْمَغْصُوْبَةَ وَذَكَرَ اَيْضًا جَوَابًا اٰخَرَ رَوَاهُ بِاِسْنَادِهٖ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ الْكَرْخِيْ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ فَقُلْتُ لِاَيِّ عِلَّةٍ تَرَكَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ فَدَكًا لَمَّا وَلِيَ النَّاسَ فَقَالَ لِلْاِقْتِدَاءِ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ لَمَّا فَتَحَ مَكَّةَ وَقَدْ بَاعَ عَقِيْلُ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ دَارَهُ فَقِيْلَ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا نَرْجِعُ اِلٰى دَارِكَ فَقَالَ وَهَلْ تَرَكَ لَنَا عَقِيْلٌ دَارًا اِنَّا اَهْلُ الْبَيْتِ لَا نَسْتَرْجِعُ شَيْئًا يُؤْخَذُ مِنَّا ظُلْمًا فَلِذٰلِكَ لَمْ يَسْتَرْجِعْ فَدَكًا لَمَّا وَلِيَ وَذَكَرَ اَيْضًا جَوَابًا ثَالِثًا بِاِسْنَادِهٖ اِلٰى عَلِيِّ بْنِ فَضَّالٍ عَنْ اَبِي الْحَسَنِ قَالَ سَاَلْتُهُ عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِمَ لَمْ يَسْتَرْجِعْ فَدَكًا لَمَّا وَلِيَ النَّاسَ فَقَالَ لِاَنَّا اَهْلُ الْبَيْتِ لَا يَاْخُذُ لَنَا حُقُوْقَنَا مِمَّنْ ظَلَمَنَا اِلَّا هُوَ يَعْنِيْ

اِلَّا اللّٰہُ وَ نَحْنُ اَوْلِیَاءُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّمَا نَحْکُمُ لَهُمْ وَ نَاْخُذُ حُقُوْقَهُمْ مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ وَ لَا نَاْخُذُ لِاَنْفُسِنَا۔

(۱) انوار نعمانیہ جلد اول ص۴۶ نور مرتضوی طبع جدید اور ص۱۵ طبع قدیم)

(۲) مجالس المؤمنین جلد اول ص۵۴ (تہران)

ترجمہ: رہا قول علی۔ "لَوْ کُسِرَتْ لِیَ الْوِسَادَۃُ ثُمَّ جَلَسْتُ عَلَیْهَا" الحدیث۔ سو اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ اگر میں لوگوں کے درمیان بغیر کسی نزاع کرنے والے کے حکومت پر قادر ہو جاؤں الخ یہ قول دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ حضرت امیر اپنے عہد خلافت میں اقامتِ احکام پر جیسا کہ چاہیئے قادر نہ تھے۔ کیونکہ متخلفین بدعتوں میں آپ سے سبقت لے گئے۔ لہٰذا آپ قادر نہ تھے۔ قاضی شریح کو عہدہ قضاء سے معزول کرنا تھا۔ آپ نے اس کا ارادہ کیا۔ مگر اس پر قادر نہ ہوئے کیونکہ قاضی موصوف متقدمین کی طرف سے متعین تھے۔ اور من جملہ ایسی بدعات کے نماز ضحیٰ تھی۔ آپ نے اپنے صاحبزادے حسن کو بھیجا۔ کہ مساجد کوفہ میں منادی کر دے۔ کہ نماز ضحیٰ نہ پڑھی جائے۔ پس لوگوں نے شور برپا کر دیا۔ اور کہنے لگے۔ ہائے عمر! آپ نے ہمیں اس نماز کا حکم دیا۔ اور یہ ہمیں اس سے منع کر رہے ہیں۔ "اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی" اور من جملہ ایسے احکامات کے فدک و عوالی مدینہ کو اولاد فاطمہ پر رد کرنا تھا۔ کیونکہ متقدمین کی درشتی کے سبب یہ منظر فتنہ و فساد تھا (یعنی پہلے خلفاء کی سختی کی وجہ سے فتنہ و فساد کا خطرہ بنا ہوا تھا۔)

شیخ صدوق طاب ثراہ نے کتاب العلل میں اس کے اوراباب

بیان کیے ہیں۔ جن میں سے ایک کو بسندِ ابو بصیر روایت کیا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا۔ کہ امیر المومنین نے اپنی خلافت میں فدک کیوں نہ لیا؟ اور کس سبب سے اِسے چھوڑ دیا۔ امام نے فرمایا۔ کہ ظالم و مظلوم دونوں اللہ سبحانہ کے ہاں پہنچ چکے تھے۔ اور خدا نے مظلوم کو ثواب اور ظالم کو عذاب دے دیا تھا۔ اس لیے حضرت امیر نے ناپسند کیا۔ کہ اس چیز کو واپس لے لیں۔ جس پر اللہ نے غاصب کو عذاب اور مغصوب کو ثواب دے دیا۔ شیخ صدوق نے اس کا ایک اور جواب دیا ہے۔ جسے اس نے بسندِ ابراہیم کرخی روایت کیا ہے۔ کہ میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا۔ کہ حضرت امیر نے اپنی خلافت میں فدک کس واسطے نہ لیا؟ امام نے جواب دیا۔ کہ اس میں آپ نے رسول اللہ کی اقتداء کی۔ کہ فتح مکہ کے وقت جب کہ عقیل بن ابی طالب نے آپ کا گھر بیچ دیا تھا۔ آپ سے عرض کی گئی۔ کہ یا رسول اللہ! آپ اپنے گھر میں نزول کیوں نہیں فرماتے۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ کیا عقیل نے ہمارے واسطے کوئی گھر چھوڑا ہے؟ ہم اہل بیت اشیائے مغصوبہ کو واپس نہیں لیتے۔ اسی واسطے حضرت امیر نے اپنی خلافت میں فدک واپس نہ لیا۔ شیخ صدوق نے اس کا تیسرا جواب یوں دیا۔ کہ علی بن فضال نے امام ابو الحسن سے دریافت کیا۔ کہ حضرت امیر نے اپنی خلافت میں فدک کس واسطے واپس نہ لیا۔ حضرت امام نے فرمایا۔ کہ ہم اہلِ بیت کے حقوق ظالموں سے بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں لیتا۔ ہم مومنوں کے اولیاء ہیں۔ ہم ان کے لیے حکم کرتے ہیں۔ اور ان کے ظالموں سے ان کے حقوق لیتے ہیں۔

مگر اپنے حقوق نہیں لیتے۔ (انتہیٰ)

"انوارِ نعمانیہ" کی مذکورہ عربی عبارت اور اس کے ترجمہ سے ہمیں اپنے سوال کے چار جواب دستیاب ہوئے۔ جو ہمیں بالترتیب درج ذیل کتب میں بھی موجود ملے ہیں۔

تہذیب المتین:

۱۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے دورِ خلافت میں احکام دین کی اقامت پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ جس کی وجہ سے (ا) قاضی شریح کو معزول نہ کر سکے۔ (ب) نماز ضحیٰ کو بند نہ کر سکے۔ اگرچہ اس کے لیے مساجد میں اعلان بھی کروا دیا تھا۔ (ج) فدک اور عوالی مدینہ اولاد فاطمہ کو واپس نہ دلا سکے۔ کیونکہ خلفائے ثلاثہ کی مخالفت میں فتنہ و فساد کا خطرہ تھا۔

(تہذیب المتین جلد اوّل ص ۲۲۶ ذکر قضیہ غصب فدک طعن الرماح ص ۱۲۷)

کشف الغمہ:

۲۔ امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ اس قضیہ میں ظالم اور مظلوم کا معاملہ اللہ کے ہاں پہنچ چکا ہے۔ یعنی دونوں اس دنیا کو چھوڑ چکے ہیں اللہ نے ظالم کو عذاب اور مظلوم کو ثواب دے دیا ہے۔ لہٰذا اس کے فیصلہ کے بعد فیصلہ کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پسند نہ فرمایا۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول ص ۴۹۴)

☆☆

کشف الغمہ:

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں اتباعِ رسول کی۔ وہ اس طرح کہ آپ نے فتح مکہ کے بعد اپنے مغصوبہ مکانات واپس نہیں لیے تھے۔ لہٰذا آپ کی اتباع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مغصوبہ جائیداد واپس نہ لی۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول ص۴۹۴ مطبوعہ تبریز تذکرہ فاطمہ زہرا فی خطبۃ فاطمہ فی قصہ فدک)

طعن الرماح:

۴۔ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ ظالموں سے ہم اہل بیت کے حقوق اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں لیتا۔ اس لیے ہم اپنے حقوق واپس نہیں لیتے۔ لیکن مومنوں کے ولی ہونے کی وجہ سے ان کے حقوق ان کو دلاتے ہیں۔

(طعن الرماح ص۱۲۷)

خود کتب شیعہ سے مذکورہ جوابات کی تردید

تردید جواب اوّل: توہین علی شیر خدا

"سید نعمت اللہ" نے جو یہ کہا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ احکام شرعیہ کے قیام پر قادر نہ تھے۔ اور فتنہ و فساد کی وجہ سے خاموش رہے۔ تو ہم اس کے

جواب میں گذارش کریں گے۔ کہ یہ سب کچھ اس شخصیت کے بارے میں کہا جا رہا ہے۔ جنہیں "اَسَدُ اللّٰہِ الْغَالِبُ" کہا جاتا ہے۔ اور جو بروایتِ کتبِ شیعہ اس طاقت کے حامل ہیں۔ کہ اگر سارا عرب بھی ان کے مقابلہ میں آ جائے۔ تو کسی کی پرواہ نہ کریں۔ اور ایک ایک کی گردن اڑا دیں۔

ہم دوسری بات یہ کہتے ہیں۔ کہ اگر واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہی کمزور حالت تھی۔ تو وہ امامت کے لائق ہی نہ رہے۔ لہٰذا ان کو وہاں سے ہجرت کر جانی چاہیئے تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ۔ قَالُوْٓا اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا۔ فَاُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا۔　　(النسآء پ ۵ ۱۴۶)

ترجمہ: تحقیق جن لوگوں کی جان کھینچتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ اپنا برا کر رہے ہیں (ان سے) فرشتے کہتے ہیں تم کس حال میں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کمزور تھے اس ملک میں۔ فرشتے کہتے ہیں۔ کیا خدا کی زمین کشادہ نہ تھی۔ کہ تم وطن چھوڑ جاتے پس ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ بری جگہ پھر جانے کی۔　　(انتہٰی)

"صاحب تفسیر صافی" اس آیت کے تحت لکھتا ہے۔

تفسیر صافی:

اَقُوْلُ وَفِی الْاٰیَۃِ دَلَالَۃٌ عَلٰی وُجُوْبِ الْھِجْرَۃِ مِنْ مَوْضِعٍ لَا یَتَمَکَّنُ الرَّجُلُ فِیْہِ

مِنْ اِقَامَةِ دِیْنِهٖ۔

(تفسیر صافی جلد اول ص۳۸۷ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: میں کہتا ہوں۔ کہ اس آیت میں ہجرت کے واجب ہونے پر دلالت ہے۔ ایسے مقام سے جہاں آدمی اپنے دین کے قیام کی قدرت نہ رکھتا ہو۔

یہ مسلم امر ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ہجرت بھی نہ کی۔ لہذا ثابت ہوا۔ کہ آپ رد فدک پر قادر تھے۔ پس اعتراض قائم رہا۔

تردید جواب دوم: تناقض کی انتہا،

یہ جو تم نے کہا۔ کہ اس معاملہ میں ظالم و مظلوم، عذاب و ثواب کے ذریعہ اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فدک واپس نہ لیا۔ یہ جواب بالکل بے موقعہ اور باطل ہے۔ کیونکہ عذاب و ثواب کا معاملہ قیامت سے متعلق ہے۔ قیامت سے قبل دنیا میں ظالم اور مظلوم کے درمیان عدل و انصاف نہ کرنے کا یہ بہانہ نہیں بن سکتا۔ اس لیے " باغ فدک " کی واپسی سے رکنے کے لیے یہ حیلہ کارگر نہیں۔

اس جواب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ " باغ فدک " کی واپسی کی قدرت تھی۔ لیکن اس قدرت کو حیلہ کی وجہ سے بروئے کار نہیں لایا گیا۔ حالانکہ جواب اول میں بالکل صاف صاف کہہ دیا گیا ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو احکام دین کے قیام کی قدرت ہی نہ تھی۔ جس کی مثالیں بھی ساتھ ہی بیان کیں۔ لہذا جواب اوّل اور جواب دوم باہم متخالف ہیں۔ اس لیے دونوں " ھباءً منثورا " ہو گئے۔

تردید جواب سوم: اہل بیت نے متعدد بار فدک واپس لیا

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف جس کلام کی نسبت کی گئی ہے وہ غلط نسبت ہے۔ اور قابل قبول نہیں۔ کیونکہ امام باقر رضی اللہ عنہ نے عمر بن عبد العزیز سے فدک کو واپس لے لیا تھا۔ پھر اس کے بعد ایک مدت تک ان کے قبضہ میں رہا۔ اس کے بعد "خلفائے عباسیہ" میں سے جو اہل بیت کے حق کا لحاظ کرتے تھے۔ انہوں نے "باغ فدک" کو اولاد فاطمہ پر لوٹایا۔

چنانچہ مامون الرشید نے اپنے عامل "قثم بن جعفر" کو لکھا تھا۔ کہ "فدک" اولادِ فاطمہ کو دے دو۔ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے جب اسے لوٹایا گیا۔ تو اس وقت کے امام، امام علی رضا نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد پھر "متوکل" نے اس باغ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے مرنے کے بعد معتضد نے پھر واپس لوٹا دیا۔ پھر "مکتفی" نے قبضہ میں لیا۔ اور "مقتدر" نے واپس کر دیا۔

"مجالس المومنین" کی عبارت اس بارے میں ملاحظہ ہو۔

مجالس المومنین:

القصہ عمر بن عبد العزیز برغم انف منافقاں فدک را بامام محمد باقر علیہ السلام تسلیم نمودہ و در دست ایشاں بود تا عمر بن عبد العزیز وفات یافت و بعد از آں خلفائے عباسی آنہا کہ فضیلتے و انصافے و معرفتے بحق اہل بیت داشتند۔ مانند مامون و معتصم و واثق فدک با اولادِ حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) رد نمودند۔ و چوں نوبت بمتوکل ناصبی رسید از ایشاں گرفتہ بحجام خود داد۔ بعد از آں معتضد رد نمود و مکتفی باز گرفت

ومقتدر رد آں نمود۔

(۱) مجالس المومنین جلد اوّل ص ۵۰-۵۱ در ذکر فدک مطبوعہ تہران ابن ابی حدید جلد ۴ ص ۸۱)

(۲) انوار نعمانیہ جلد اوّل ص ۴۷ تذکرہ نور مرتضوی طبع جدید تبریز ایران و طبع قدیم ص ۱۵)

(۳) کشف الغمہ جلد اوّل ص ۴۹۵ تذکرہ خطبہ فاطمہ فی قصہ فدک)

ترجمہ: الغرض حضرت عمر بن عبد العزیز نے منافقوں کو رسوا کرنے کے لیے ان کی ناک رگڑتے ہوئے "باغ فدک" حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ اور یہ آپ ہی کے ہاتھ میں رہا۔ حتیٰ کہ عمر بن عبد العزیز نے وفات پائی۔ بعد ازاں اہل بیت کی فضیلت، ان کے ساتھ عدل و انصاف اور ان کے حق کو پہچاننے والے خلفائے عباسیہ مثل مامون الرشید معتصم باللہ اور واثق باللہ نے باغ فدک اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو واپس کر دیا۔ پھر جب متوکل باللہ کا زمانہ آیا۔ تو اس نے ان سے لے کر اپنے حجام کو دے دیا۔ اس کے بعد معتضد نے رد کیا۔ تو مکتفی نے لے لیا۔ اور مقتدر نے پھر رد کر دیا۔

حاصل کلام:

مذکورہ بالا کلام سے یہ حاصل ہوتا ہے۔ کہ "باغ فدک" مغصوبہ اشیاء کی طرح نہ تھا۔ اگر واقعی مغصوب ہوتا۔ تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اس کی واپسی حرام نہ ہوتی۔ بلکہ اہل بیت میں سے ہر ایک کے لیے حرام ہوتی۔ حالانکہ بار بار

اہل بیت نے اسے قبول کیا۔ اور پھر ان سے واپس لیا جاتا رہا۔ جس کو شیعہ مجتہد "نور اللہ شوستری" نے واضح الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔

اگر بفرضِ محال ان شیعہ لوگوں کا یہ وضعی قاعدہ مان لیا جائے۔ کہ اہل بیت "مغصوب" واپس نہیں لیتے۔ تو ہم اس قاعدے کے مطابق ان سے دریافت کرنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ تم "خلفائے ثلاثہ" کو دربارۂ خلافت حق پر سمجھتے ہو۔ (جیسا کہ حقیقت ہے) یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے "حقِ خلافت" کے غاصب شمار کرتے ہو؟ اگر اپنے مذموم عقیدہ کے مطابق ان خلفائے ثلاثہ کو "حق خلافت" کا غاصب سمجھتے ہو۔ تو اس مغصوبہ خلافت کو (تمہارے قاعدہ کے مطابق) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو واپس نہیں لینا چاہیئے تھا۔ حالانکہ آپ نے خلافت کو قبول فرمایا اور تقریباً پانچ سال تک اس مسند پر فائز رہے۔ خلافت کا معاملہ ہو۔ تو مغصوبہ شئے کے واپس ہونے کو قبول کر لیں۔ اور "باغ فدک" کا معاملہ ہو تو کہیں کہ ہم مغصوبہ چیز واپس نہیں لیتے۔ یہ دوہرا معیار کہاں سے درست ثابت ہوا؟

حالانکہ یہ مسلّم امر ہے۔ کہ اہل بیت حق پر ہیں۔ اور حق ہمیشہ ان کے ساتھ رہا۔

کشف الغمہ:

عَنْ اُمِّ سَلْمٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ عَلِیًّا مَعَ الْحَقِّ وَ الْحَقَّ مَعَہٗ لَنْ یَّزُوْلَ حَتّٰی یَرِدَ عَلَی الْحَوْضِ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول ص۱۴۳ فی فضائل مولانا امیر المومنین مطبوعہ تبریز)

ترجمہ: ام سلمٰی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو فرماتے سنا۔ کہ بے شک "علی" حق کے ساتھ ہے۔ اور حق، علی کے ساتھ رہے گا۔ حوض کوثر پر آنے تک آپس میں جدا نہ ہوں گے۔

ہم اہل سنت وجماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ کہ اہل بیت نے کبھی بھی حق کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔ تکالیف کی آندھیاں چلیں۔ جیسا کہ واقعہ فاجعہ کربلا شاہد ہے۔ یزید کی بیعت نہ کی۔ سب کچھ قربان کر دیا۔ لیکن باطل کے سامنے نہ جھکے۔ بلکہ صاف صاف اعلان فرما دیا۔ حسین شہید تو ہو سکتا ہے۔ لیکن فاسق وفاجر کی بیعت نہیں کر سکتا۔ تو کیسے ممکن ہے کہ جب "باغ فدک" اور "خلافت" مغصوبہ اشیاء قرار پائیں۔ اور ان کا واپس لینا ان کے ہاں ناجائز ہو۔ تو اس حق کو چھوڑ کر باطل کو قبول کر لیں۔ اور اسی باطل پر ہی عمل کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جائیں۔ "معاذ اللہ هذا بهتان عظیم۔

تردید جواب چہارم:

حضرت علی طلب خلافت کے لیے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مہاجرین وانصار کے ہر دروازہ پر لے کر گئے

جواب چہارم میں جو کچھ بیان کیا گیا۔ اہل بیت پر ایک بہتان سے کم نہیں۔ کہا گیا ہے۔ کہ امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ ہم اپنے حقوق ظالموں سے نہیں لیتے۔ مگر دیگر مومنین کے حقوق اُن پر ظلم کرنے والوں سے دلواتے ہیں۔ کیونکہ ہم تمام مومنین کے "ولی" ہیں۔

اگر ہم ان کے اس فرضی اصل کو تسلیم کر لیں۔ تو بھی اس جواب میں خلل موجود ہے۔

کیونکہ خود ان کی معتبر کتب سے ثابت ہے۔ کہ اہل بیت خود اپنے حق کے بارے میں کوشاں رہے۔ لیکن چاروں طرف سے ناکامی کے بعد خاموش ہو گئے۔

تہذیب المتین:

منقول ہے۔ کہ جس روز ابوبکر کے ساتھ بیعت ہوئی۔ اسی رات کو آنحضرت نے جناب فاطمہ کو پشت حمار پر سوار کیا۔ اور حسن و حسین اپنے دونوں نورچشموں کو ہمراہ لیا۔ اور جملہ مہاجرین و انصار (شرکائے بدر) کے گھروں میں جا کر اپنی نصرت و حمایت کی طرف ان کو دعوت دی۔ اور حدیث غدیر کو یاد دلایا۔ یعنی اتمام حجت باکمل الوجوہ فرمایا۔ کل چالیس حضرات نے حضرت کی دعوت قبول کی۔ آپ نے انہیں امر کیا۔ کہ کل صبح اپنے سر منڈا کر اور ہتھیار لگا کر ہمارے پاس آئیں۔ اور سر و جان کی شرط پر شرائط بیعت بجا لائیں۔ مگر خوف و ہراس نے ان پر غلبہ کیا۔ اور اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ چنانچہ دن ہوا۔ تو سوائے چار اشخاص سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود و عمار بن یاسر و بروایتے زبیر بن عوام کے کوئی نہ آیا۔ آپ نے دوسرے پھر تیسرے روز ایسا ہی کیا۔ رات کو وعدہ کرتے تھے۔ مگر صبح کو کوئی آ کے وفا نہ کرتا تھا۔ الا وہی چار اشخاص۔ حضرت ابوعبداللہ جعفر صادق کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ کے بعد تمام خلقت مرتد ہو گئی تھی۔ مگر تین اشخاص، سلمان ابوذر۔ مقداد۔ (انتہی)

(تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین جلد اول حصہ دوم ص۲۶ مطبوعہ یوسفی دہلی۔ ذکر مصیبت سلی و دواہیہ کبری الخ)

بیت الاحزان:

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ بَاقِرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنَّ عَلِیًّا حَمَلَ فَاطِمَۃَ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہَا عَلٰی حِمَارٍ وَّسَارَ بِہَا لَیْلًا اِلٰی بُیُوْتِ الْاَنْصَارِ یَسْئَلُہُمُ النُّصْرَۃَ وَتَسْئَلُہُمُ الْاِنْتِصَارَ فَکَانُوْا یَقُوْلُوْنَ یَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ قَدْ مَضَتْ بَیْعَتُنَا لِہٰذَا الرَّجُلِ۔

(بیت الاحزان ص ۸۷ شیخ قمی طبع قم)

ترجمہ: امام باقر سے روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گدھے پر بٹھایا اور انہیں ساتھ لے کر انصار کے گھروں پر گئے علی انصار سے مدد مانگتے تھے اور فاطمہ ان سے مدد کرنے کا سوال کرتی تھیں۔ تو وہ کہتے کہ اے دختر رسول ہماری بیعت ان کے لیے ہو چکی ہے۔

احتجاج طبرسی:

فَقَالَ سُلَیْمَانُ فَلَمَّا کَانَ اللَّیْلُ حَمَلَ عَلِیٌّ فَاطِمَۃَ عَلٰی حِمَارٍ وَّاَخَذَ بِیَدِ ابْنَیْہِ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ فَلَمْ یَدَعْ اَحَدًا مِّنْ اَہْلِ بَدْرٍ مِّنَ الْمُہَاجِرِیْنَ وَلَا مِنَ الْاَنْصَارِ اِلَّا اَتٰی مَنْزِلَہٗ وَذَکَرَ حَقَّہٗ وَدَعَاہُ اِلٰی نُصْرَتِہٖ فَمَا اسْتَجَابَ لَہٗ مِنْ جَمِیْعِہِمْ اِلَّا اَرْبَعَۃٌ وَّاَرْبَعُوْنَ رَجُلًا فَاَمَرَہُمْ اَنْ یُّصْبِحُوْا بُکْرَۃً مُّحَلِّقِیْنَ رُؤُسَہُمْ مَعَہُمْ سَلَاحُہُمْ وَقَدْ بَایَعُوْا عَلَی الْمَوْتِ فَاَصْبَحَ وَلَمْ یُوَافِقْہُ مِنْہُمْ اَحَدٌ غَیْرُ اَرْبَعَۃٍ قُلْتُ لِسَلْمَانَ مَنِ الْاَرْبَعَۃُ۔ قَالَ اَنَا وَ

اَبُوْذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَامِ ثُمَّ اَتَاهُمْ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّانِيَةِ فَنَاشَدَهُمُ اللّٰهَ فَقَالُوْا نُصْبِحُكَ بُكْرَةً فَمَا مِنْهُمْ اَحَدٌ وَفِىْ غَيْرُنَا ثُمَّ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ فَمَا وَفِىْ اَحَدٌ غَيْرُنَا فَلَمَّا رَاٰى عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ غَدْرَهُمْ وَقِلَّةَ وَفَائِهِمْ لَزِمَ بَيْتَهٗ۔

(۱) (احتجاج طبرسی جلد اول ص۱۵۷ ذکر ما جرى بعد الرسول صلی اللہ علیہ مطبوعہ قم طبع جدید)

(۲) ناسخ التواریخ تاریخ خلفا جلد اول ص۸)

ترجمہ: سلیمان نے کہا۔ جب رات پڑی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ کو گدھے پر بٹھا کر حسنین کریمین کے ہاتھ پکڑ کر تمام اہل بدر مہاجرین اور انصار کے ایک ایک گھر پر پہنچے۔ اور ہر ایک کو اپنے حق کی طرف متوجہ کرتے ہوئے مدد کرنے کو کہا۔ لیکن ان میں سے چوالیس۴۴ حضرات کے سوا کسی نے حامی نہ بھری۔ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ صبح تمہارے سر منڈے ہوئے ہوں۔ اور ہر ایک مسلح ہو۔ انہوں نے مرنے مارنے پر بیعت کی۔ لیکن جب صبح ہوئی۔ تو چار اشخاص کے سوا کسی نے موافقت نہ کی۔ وہ چار سلمان، ابوذر، مقداد اور زبیر بن عوام تھے۔ پھر دوسری رات بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے کی طرح کیا۔ تو انہوں نے پھر صبح آنے کا وعدہ کیا۔ لیکن آئے وہی چار تیسری رات بھی ایسا ہی ہوا۔ تو جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی بے وفائی، دھوکہ بازی دیکھی۔ تو خاموش ہو کر اپنے گھر بیٹھ گئے۔

تینوں عبارتوں کا خلاصہ:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے حقوق کے حصول کے لیے پوری جدوجہد کی۔

اور دختر رسول کو مع حسنین کریمین کے سفارش کے لیے ساتھ بھی لیا۔ لیکن چوالیس ۴۴ کے سوا کسی نے حامی نہ بھری۔ پھر ان میں سے صرف چار باقی رہ گئے۔ اسی لیے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (بقول شیعہ) نے فرمایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تین چار مسلمان رہ گئے۔ باقی تمام مرتد ہو گئے تھے۔ اس کوشش بسیار کے بعد ناامید ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گھر بیٹھ رہنے کا پکا ارادہ کر لیا۔

ان عبارتوں میں شیعہ حضرات کے چوتھے جواب کی دنداں شکن تردید موجود ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محض اپنے حقوق کے حصول کی خاطر ہر قسم کا حربہ استعمال کیا۔ تو وہ دعوٰی اور قاعدہ کدھر گیا۔ کہ "اہل بیت اپنے حقوق ظالموں سے نہیں لیتے۔" یہاں تو حقوق کی وصولی کی خاطر مرنے مارنے پر بیعت کی جا رہی ہے۔ اور انہیں مسلح ہو کر نکلنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

جہاں ان عبارتوں سے ان کے جواب کی تردید ہوتی ہے۔ وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ شیعوں سے بڑھ کر کوئی بھی اہل بیت کا گستاخ اور دشمن نہیں۔ دیکھئے شیر خدا کو اتنا کمزور ثابت کیا گیا ہے۔ اور اس قدر جاہ پرست دکھایا گیا ہے۔ کہ مہاجرین و انصار کے گھروں پر دختر رسول کو لے کر پھراتے ہوئے ذکر کیا گیا۔ یہ بھی لکھا گیا کہ بنت رسول بلاواسطہ مہاجرین و انصار سے خلافت طلب کرتی رہیں، العیاذ باللہ حالانکہ یہ وہ دختر رسول ہیں۔ جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب میدان حشر میں میری بیٹی آئے گی۔ تو اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو حکم دے گا۔ کہ اپنے چہرے دوسری طرف پھیر لو۔ کیونکہ میرے محبوب کی لاڈلی بیٹی آ رہی ہے۔ اور جس کا چہرہ دیکھنا سورج کو بھی نصیب نہ ہوا۔ اہل بیت کے ایک سچے محب نے کیا خوب کہا۔

ے
بے اجازت جن کے گھر جبریل بھی آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں عز و شان اہل بیت (مولانا حسن رضاؒ)

بقول آئمہ اہل بیت اہل سنت ہی حقیقی محبانِ اہل بیت ہیں

لیکن یہ حقیقی محبت، اہل سنّت وجماعت کو ہی نصیب ہے۔ جس کا تمہیں بھی اقرار ہے۔ جامع الاخبار میں شیخ صدوق نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

جامع الاخبار:

مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ عَلَی السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ۔

ترجمہ: جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پاک کی محبت میں مرا۔ وہ سنت وجماعت (کے عقیدہ) پر مرا۔

(فصل ۱۳۱ فی الموت مطبوعہ نجف اشرف جامع الاخبار ص۱۸۹)

جامع الاخبار:

پھر لکھا ہے۔

وَلَيْسَ عَلٰى مَنْ مَاتَ عَلَى السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَذَابُ الْقَبْرِ وَلَا شِدَّةُ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

(جامع الاخبار ص۸۷ فصل ۴۷ فی صلوٰۃ الجماعۃ)

ترجمہ: جو سنت وجماعت (کے عقیدہ) پر مرا۔ اُسے نہ عذاب قبر ہوگا۔ اور نہ ہی قیامت کے دن کی سختی۔

ان دونوں عبارتوں سے "شیخ صدوق" نے واضح کر دیا کہ اہل بیت کے حقیقی دوست اہل سنت وجماعت ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں عذاب قبر ہوگا۔ اور نہ

حشر کی سختی ان کو ہو گی۔

خلاصہ:

ہمارے سوال کے جو چار جوابات شیعہ حضرات کی طرف سے دیئے گئے تھے ایک ایک کر کے ان کی تردید کر دی گئی۔ اور اس طرح وہ بے اصل اور بے بنیاد ثابت ہوئے۔ لہذا ہمارا سوال اب بھی موجود ہے۔ اور اس کے جواب کے لیے ہم منتظر ہیں۔ دیکھئے کیا جواب ملتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

اہل بیت کے حق میں شیعوں کی گستاخیاں اور ان کی سزائیں

شیعہ حضرات " باغ فدک " کے غصب کے الزام میں اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معاذ اللہ کافر، مرتد اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف اسی سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں ایسی گستاخانہ عبارت منسوب کرتے ہیں۔ جسے پڑھ کر دل کانپ اٹھتا ہے۔ دل تو نہیں چاہتا۔ کہ وہ الفاظ دہرائے جائیں۔ لیکن ان نام نہاد محبان اہل بیت کے نظریات سے آگاہی کی خاطر انہیں پیش کیا جا رہا ہے۔

حق الیقین:

پس حضرت فاطمہ بجانب خانہ برگردید۔ حضرت امیر انتظار معاودت او می کشید۔ چوں بمنزل شریف قرار گرفت از روئے مصلحت

خطا بہائے شجاعانہ لبید او صیاء نمود کہ مانند جنین در رحم پردہ نشین شدہ ای مثل خائیان در خانہ گریختہ ای۔

(۱) حق الیقین ص۱۲۷ باب پنجم ذکر احتجاج حضرت زہرا با ابی بکر

(۲) ناسخ التواریخ زندگانی فاطمہ ص ۵۵

(۳) ناسخ التواریخ جزء اول از تاریخ خلفاء ص ۱۶۲ بالفاظ مختلفہ

(۴) بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۴۶ کیفیتہ معاشرتھا معلی)

ترجمہ: پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کی طرف لوٹیں۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ جب سیدہ اپنے درِ دولت پر آئیں۔ اور آرام سے بیٹھ گئیں۔ تو از روئے مصلحت شجاعانہ انداز سے سید اوصیاء کو (سخت الفاظ میں) فرمایا۔ کہ تم اس بچے کی طرح جو ابھی اپنی ماں کے رحم میں ہو۔ پردہ نشین ہو گئے۔ اور ذلیل لوگوں کی طرح گھر بھاگ آئے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ ان لوگوں کی صحابہ کرام اور اہل بیت کی شان میں گستاخیاں ہی یہ ثمرہ دے رہی ہیں۔ کہ نہ زندگی میں سکھ چین، نہ قبر میں آرام اور نہ حشر میں حزن و ملال سے آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہوں گے۔ دنیا میں سزا یہ کہ مرتے دم تک اپنی پٹائی خود کر رہے ہیں۔ اور کرتے رہیں گے۔ اور بوقت موت ان کے منہ سے منی نکلے گی۔ اور یہ خود کہتے ہیں۔

من لا یحضرہ الفقیہ: بوقت موت شیعوں کے منہ سے منی نکلتی ہے۔

سُئِلَ الصَّادِقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِاَيِّ عِلَّةٍ يُغَسَّلُ الْمَيِّتُ قَالَ تَخْرُجُ مِنْهُ النُّطْفَةُ الَّتِيْ خُلِقَ مِنْهَا تَخْرُجُ مِنْ عَيْنِهِ اَوْ

من فیہ (۱) (من لایحضرہ الفقیہ جلد اول ص۴۲ طبع قدیم مطبوعہ لکھنؤ)

(۲) (من لایحضرہ الفقیہ جلد اول ص۸۴ باب غسل المیت مطبوعہ تہران

(۳) فروع کافی جلد ۳ ص۱۶۲ کتاب الجنائز

(۴) علل الشرائع ص۲۹۹ باب ۲۳۸ طبع جدید

ترجمہ: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ کہ میت کو غسل کیوں دیا جاتا ہے۔ فرمایا۔ اس لیے کہ وہ نطفہ (منی) جس سے اس کی تخلیق ہوئی تھی۔ اس کی آنکھ یا منہ سے نکلتا ہے۔

اور بعد مردن قبر میں ان کا حال بقول مجلسی یہ ہوگا کہ۔

مجمع المعارف: قبر میں شیعوں کا منہ قبلے سے پھیر دیا جاتا ہے

بروایتے فرمود کہ ہفت نفر در قبر از قبلہ رو گرداں شوند۔ خمر فروش مصر بر شراب، و شہادت دہندۂ ناحق و مخنکر و ربا خور و عاق والدین و نوحہ گر۔

(مجمع المعارف بر حلیۃ المتقین ص۱۶۸ مذکرہ در بیان آداب تجارت)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قبر میں سات آدمیوں کے منہ قبلہ سے پھر جائیں گے۔ شراب بیچنے والا، شراب نوشی پر اصرار کرنے والا ناحق گواہی دینے والا۔ جوا کھیلنے والا۔ سود کھانے والا ماں باپ کا نافرمان اور ماتم کرنے والا۔

ماتم کرنے والا قیامت کو بشکل کتا اٹھایا جائے گا۔

مجمع المعارف:

در حدیث است غنا نوحہ ابلیس است بر فراق بہشت و فرمود نوحہ

کندہ بیاید روز قیامت نوحہ کناں مانند سگ۔

(مجمع المعارف برحلیۃ المتقین ص۱۶۲ درحرمت غنا مطبوعہ تہران طبع قدیم سن طباعت ۱۲۸۴ھ)

ترجمہ: حدیث پاک میں ہے۔ کہ جنت کی جدائی کی وجہ سے ابلیس مرثیہ خوانی کرتا ہوا ماتم کرتا ہے۔ اور فرمایا۔ ماتم کرنے والا کل قیامت کو کتے کی مانند آئے گا۔

حیات القلوب:

زنے را دیدم بر صورت سگ باتش در دبرش داخل می کردند واز دہانش بیروں مے آمد۔ و ملائکہ سرو بدنش را بگرزہائے آہن می زدند فاطمہ سلام اللہ علیہا گفت اے پدر بزرگوار من مرا خبر دہ کہ عمل و سیرت ایشاں چہ بود کہ حق تعالیٰ ایں نوع عذاب برایشاں مسلط گرداند حضرت گفت اے دختر گرامی آنکہ بصورت سگ بود وآتش در دبرش میکردند او خوانندہ و نوحہ کنندہ۔

(۱) (حیات القلوب نولکشوری جلد دوم ص۵۴۲ باب بست و چہارم

(۲) عیون اخبار الرضا جلد دوم ص۱ طبع تہران (جدید)

(۳) انوار نعمانیہ جلد اول ص۲۱۶ نور ملکوتی اور ص۶۸ طبع قدیم

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ میں نے ایک عورت کو کتے کی شکل میں دیکھا۔ آگ اس کی دبر میں ڈالتے ہیں۔ اور منہ سے باہر نکالتے ہیں۔ اور فرشتے اس کے سر اور بدن کو لوہے کی گرزوں سے کوٹتے ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا۔ ابا جان مجھے بتلایئے۔ کہ ان لوگوں کی سیرت اور عمل کیا تھے۔ کہ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس قسم

کا عذاب انہیں دیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ میری نیک بچی! جو عورت کتے کی شکل میں تھی۔ اور آگ اس کی دبر سے داخل کر کے منہ سے نکالتے تھے۔ وہ ماتم کرنے والی تھی۔

نتیجہ:

اگر آپ مذکورہ بالا کتب شیعہ کے حوالہ جات کو نظر انصاف سے پڑھیں گے۔ تو آپ یہ فیصلہ کر ہی لیں گے۔ کہ صحابہ کرام اور اہلِ بیت کے سب سے بڑے گستاخ یہی لوگ ہیں۔ جو دکھلاوے کے لیے "محبان اہل بیت" کا روپ دھارے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان گستاخانِ اہلِ بیت و صحابہ کرام کے لیے دنیا، بوقت موت اور قبر و حشر میں ایسی سنگین سزائیں تیار رکھی ہیں۔ جو انہی کا حصہ ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

حضرت خاتون جنت کا جناب صدیق اکبر کے ساتھ ناراضگی دور کر کے راضی ہو جانا

گذشتہ اوراق میں آپ نے "باغ فدک" کے معاملہ میں "غضبت" کے بارے میں تحقیق ملاحظہ فرمائی۔ ہم چاہتے ہیں کہ اُسی کی تکمیل کے لیے چند ایسی عبارات پیش کریں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہو۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی ناراضگی اور عداوت نہ تھی۔ بلکہ دونوں "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کی عملی تصویر تھے۔ ان عبارات کو دیکھ کر اور پڑھ سن کر ہر ذی انصاف یہ تسلیم کرے گا۔ کہ اگر بالفرض سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بتقاضائے بشری حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سے ناراض ہوئی بھی تھیں۔ تو یہ ناراضگی عارضی تھی۔ اور چند روز سے زائد ثابت نہیں ہوئی۔ ہم اپنی اہل سنت وجماعت اور ان کی (شیعہ حضرات) کتب سے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

روایاتِ کتب اہل سُنّت وجماعت

البدایۃ والنہایۃ:

روایت ۱:

قَالَ الْحَافِظ ابو بکر البیہقی انبانا ابو عبد اللہ محمد بن یعقوب حدثنا محمد بن عبد الوہاب ثنا عبدان عثمان العتکی بنیسابور انبانا ابو حمزۃ عن اسماعیل بن ابی خالد عن الشعبی قال لما مَرِضَتْ فَاطِمَۃُ اَتَاھَا اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ فَاسْتَاْذَنَ عَلَیْھَا فَقَالَ عَلِیٌّ یَافَاطِمَۃُ ھٰذَا اَبُوْ بَکْرٍ یَسْتَاْذِنُ عَلَیْکِ فَقَالَتْ اَتُحِبُّ اَنْ اٰذَنَ لَہٗ قَالَ نَعَمْ فَاَذِنَتْ لَہٗ فَدَخَلَ عَلَیْھَا یَتَرَضَّاھَا فَقَالَ وَاللّٰہِ مَا تَرَکْتُ الدَّارَ وَالْمَالَ وَالْاَھْلَ وَالْعَشِیْرَۃَ اِلَّا ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَمَرْضَاۃِ رَسُوْلِہٖ وَمَرْضَاتِکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ ثُمَّ تَرَضَّاھَا حَتّٰی رَضِیَتْ وَھٰذَا اَسْنَادٌ جَیِّدٌ قَوِیٌّ۔ وَالظَّاھِرُ اَنَّ عَامِرَ الشَّعْبِیَّ سَمِعَہٗ مِنْ عَلِیٍّ اَوْ مِمَّنْ سَمِعَہٗ مِنْ عَلِیٍّ وَقَدِ اعْتَرَفَ عُلَمَآءُ اَھْلِ الْبَیْتِ بِصِحَّۃِ مَا حَکَمَ بِہٖ اَبُوْ بَکْرٍ فِیْ ذٰلِکَ قَالَ الْحَافِظُ البیہقی انبانا

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْحَافِظُ حَدَّثَنَا اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ الصَّفَّارُ ثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِسْحٰقَ الْقَاضِيْ ثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ ثَنَا ابْنُ دَاوٗدَ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ مَرْزُوْقٍ قَالَ قَالَ زَيْدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَمَّا اَنَا فَلَوْكُنْتُ مَكَانَ اَبِيْ بَكْرٍ لَحَكَمْتُ بِمَا حَكَمَ بِهٖ اَبُوْبَكْرٍ فِيْ فَدَكَ۔

(البدایۃ والنہایۃ جلد پنجم باب انہ علیہ السلام قال لانورث ا ص ۲۸۹ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: حافظ ابوبکر البیہقی نے کہا۔ کہ امام شعبی سے کئی واسطوں کے ذریعہ ہمیں روایت پہنچی۔ کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں۔ تو ابوبکر صدیق آئے۔ اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ سے پوچھا۔ باہر ابوبکر ہیں۔ وہ اندر آنے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ تو سیدہ نے کہا۔ کیا تم (علی) انہیں اجازت دینا پسند کرتے ہو۔ کہا ہاں۔ تو سیدہ نے اجازت دے دی۔ ابوبکر اندر آئے۔ اور بیمار پرسی کی۔ اور کہا۔ اللہ کی قسم! میرا مکان، مال، گھربار اور خاندان صرف اللہ، اس کے رسول اور اے اہل بیت تمہاری خوشنودی کے لیے ہے۔ پھر ابوبکر سیدہ کو راضی کرتے رہے حتیٰ کہ وہ راضی ہو گئیں۔ (اس حدیث کی اسناد بہت خوب ہیں۔)

ظاہر یہی ہے۔ کہ یہ بات امام شعبی نے حضرت علی سے بلاواسطہ یا بالواسطہ سنی ہوگی۔ اور علمائے اہل بیت نے حضرت ابوبکر صدیق

کے (فدک کے بارے میں) فیصلہ کی صحت کا اقرار کیا ہے۔

حافظ البیہقی نے کہا۔ کہ زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے کہا۔ کہ اگر میں بھی ابوبکر صدیق کی جگہ پر ہوتا۔ تو "باغ فدک" کا وہی فیصلہ کرتا۔ جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔

روایت ۷:

طبقات ابن سعد:

اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ نُمَیْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ عَنْ عَامِرٍ قَالَ جَاءَ اَبُوْبَکْرٍ اِلٰی فَاطِمَۃَ حِیْنَ مَرِضَتْ فَاسْتَاذَنَ فَقَالَ عَلِیٌّ ھٰذَا اَبُوْبَکْرٍ عَلَی الْبَابِ فَاِنْ شِئْتِ اَنْ تَاْذَنِیْ لَہٗ قَالَتْ وَ ذٰلِکَ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ نَعَمْ فَدَخَلَ عَلَیْھَا وَ اعْتَذَرَ اِلَیْھَا وَ کَلَّمَھَا فَرَضِیَتْ عَنْہُ۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۷/ ذکر بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم (فاطمہ) مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ فاطمہ کے گھر جانے کے لیے دروازے پر پہنچے۔ تو اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت علی نے کہا۔ دروازے پر ابوبکر کھڑے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ اگر تمہاری خوشی ہو۔ تو آ جائیں۔ سیدہ نے کہا۔ کیا تم سے (اندر آنے کو) پسند کرتے ہو۔ کہا۔ ہاں۔ تو ابوبکر اندر آ گئے۔ اور سیدہ سے معذرت کی۔ اور گفتگو کی۔ تو سیدہ ان سے راضی ہو گئیں۔

روایت نمبر (۳):

فتح الباری:

رَوَى الْبَيْهَقِيُّ مِنْ طَرِيْقِ الشَّعْبِيِّ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ عَادَ فَاطِمَةَ فَقَالَ لَهَا عَلِيٌّ هٰذَا اَبُوْ بَكْرٍ يَسْتَاذِنُ عَلَيْكِ قَالَتْ اَتُحِبُّ اَنْ اٰذَنَ لَهُ قَالَ نَعَمْ فَاَذِنَتْ لَهُ فَدَخَلَ عَلَيْهَا فَتَرَضَّاهَا حَتّٰى رَضِيَتْ.

(فتح الباری شرح بخاری جلد ۶ ص ۱۵۱)

ترجمہ: البیہقی نے بطریق شعبی روایت کی۔ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ کی عیادت کے لیے گئے۔ حضرت علی نے سیدہ سے کہا۔ کہ دروازے پر ابوبکر کھڑے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ سیدہ نے کہا۔ کیا تم اسے پسند کرتے ہو۔ کہا ہاں۔ تو سیدہ نے اجازت دے دی۔ ابوبکر آئے۔ اور سیدہ کو خوش کرنے کی کوشش کی۔ اور وہ راضی ہو گئیں۔

ان تین روایات سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے

۱۔ "لَمَّا مَرِضَتْ فَاطِمَةُ اَتَاهَا اَبُوْ بَكْرٍ" کے الفاظ سے معلوم ہوا۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ کی بیمار پرسی کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے۔

۲۔ " فَقَالَتْ اَتُحِبُّ اَنْ اٰذَنَ لَهٗ قَالَ نَعَمْ "، سے معلوم ہوا۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بوجہ محبوبِ علی رضی اللہ عنہ ہونے کے اندر آنے کی اجازت ملی۔

۳۔ " حَتّٰی رَضِیَتْ "، سے معلوم ہوا۔ کہ اگر بتقاضائے بشریت سیدہ کے دل میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ناراضگی تھی بھی تو بالآخر وہ ختم ہو گئی۔ اور آپ راضی ہو گئیں۔

۴۔ " هٰذَا اَسْنَدٌ جَیِّدٌ "، کے الفاظ حدیث کی سند قوی اور اچھی ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جس سے یہ استدلال ہو سکتا ہے۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا واقعی راضی ہو گئیں۔ اور راضی خوشی اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

۵۔ " فَلَوْ كُنْتُ مَكَانَ اَبِیْ بَكْرٍ لَحَكَمْتُ بِمَا حَكَمَ بِهٖ اَبُوْ بَكْرٍ فِیْ فَدَكٍ "، کے الفاظ سے معلوم ہوا۔ کہ زید بن امام زین العابدین نے جو امام اہل بیت ہیں۔ نے فرمایا۔ کہ ابو بکر صدیق کا فیصلہ حق تھا۔ اور اگر ابو بکر کی جگہ میں ہوتا۔ تو یہی فیصلہ کرتا۔ کیونکہ حق یہی تھا۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ ابو بکر صدیق حق پر تھے۔

۶۔ فَاِنْ شِئْتِ اَنْ تَاْذَنِیْ، سے معلوم ہوا۔ کہ سیدہ کی خواہش پر اور حضرت علی رضی عنہ کی پسند پر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کی اجازت ملی۔

۷۔ " وَكَلَّمَهَا فَرَضِیَتْ "، سے معلوم ہوا۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان سلسلۂ کلام چلا۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ سیدہ رضی اللہ عنہا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئیں۔

لہٰذا یہ بات غلط ہے۔ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

تادمِ مرگ ناراض رہیں۔ اور "باغ فدک" کے قبضہ کے بعد سیدہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آخری دم تک قطعاً گفتگو نہیں فرمائی۔ اور ناراض ہوتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ ہوسکتا ہے۔ کہ کوئی یہ کہہ دے۔ کہ یہ روایات تو اہل سنت وجماعت کی ہیں۔ اور انہوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق ایسی روایات گھڑلی ہوں گی۔ جن سے دونوں کے درمیان راضی نامہ معلوم ہوسکے۔ لیکن بات تب بنے گی۔ اگر ہماری (شیعہ) کتب سے یہی مضمون رضامندی دکھادو۔ تو ہم اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اب شیعہ حضرات کی کتب سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مابین گفتگو ہونا اور راضی نامہ ہونا ذکر کرتے ہیں۔

روایات از کتب شیعہ:

باغِ فدک کے متعلق صدیقی فیصلہ عملِ رسول کے عین مطابق تھا

شرح نہج البلاغہ ابن ابی حدید

روایت ۱:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْ فَدَكٍ قُوْتَكُمْ وَيُقَسِّمُ الْبَاقِيَ وَيَحْمِلُ مِنْهُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَكِ عَلَى اللهِ اَنْ اَصْنَعَ بِهَا كَمَا كَانَ يَصْنَعُ فَرَضِيَتْ بِذٰلِكَ وَاَخَذَتِ الْعَهْدَ عَلَيْهِ بِهٖ وَكَانَ يَاْخُذُ غَلَّتَهَا فَيَدْفَعُ اِلَيْهِمْ مِنْهَا مَا يَكْفِيْهِمْ ثُمَّ

فَعَلَتِ الْخُلَفَاءُ بَعْدَهٗ كَذٰلِكَ اِلٰى اَنْ وَلِىَ مُعَاوِيَةُ۔

(شرح نہج البلاغہ ابن حدید جز ۱۶ جلد ۴ ص ۸۰ ذکرما فعل ابوبکر بفدک وما قاله فی شانہا الخ مطبوعہ بیروت درۂ نجفیہ ص ۲۲۶ طبع قدیم تذکرہ ء کیفیۃ موتہ)

ترجمہ: جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "فدک" سے تمہاری خوراک لے لیا کرتے تھے۔ اور باقی ماندہ تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ اور فی سبیل اللہ سواریاں بھی لے کر دیا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم کھا کر تم سے اقرار کرتا ہوں۔ کہ میں "فدک" کی آمدنی اسی طرح صرف کروں گا۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ تو حضرت سیدہ اس پر راضی ہو گئیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق سے اس کا عہد لے لیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ "فدک" کا غلہ وصول کر کے اہل بیت کی ضروریات کے مطابق انہیں دیا کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد دوسرے خلفاء نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک یہی عمل جاری رہا

ابوبکر صدیق کے دلائل سن کر سیدہ فاطمہ ہمیشہ کے لیے ان پر راضی ہو گئیں

شرح نہج البلاغہ: ---- ابن میثم

روایت ۲:

وَرُوِیَ اَنَّہٗ لَمَّا سَمِعَ کَلَامَہَا اَحْمَدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ وَصَلّٰی عَلٰی رَسُوْلِہٖ ثُمَّ قَالَ یَا خَیْرَۃَ النِّسَآءِ وَابْنَۃَ خَیْرِ الْاٰبَآءِ وَاللّٰہِ مَا عَدَوْتُ رَأْیَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ لَا عَمِلْتُ اِلَّا بِاَمْرِہٖ وَاِنَّ الرَّآئِدَ لَا یَکْذِبُ اَھْلَہٗ قَدْ قُلْتِ فَاَبْلَغْتِ وَاَغْلَظْتِ فَاَھْجَرْتِ فَغَفَرَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکِ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ دَفَعْتُ اٰلَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَدَابَّتَہٗ وَحِذَاءَہٗ اِلٰی عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاَمَّا مَا سِوٰی ذٰلِکَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَآءِ لَا نُوْرِثُ ذَھَبًا وَّلَا فِضَّۃً وَّلَا اَرْضًا وَّ لَا عِقَارًا وَّلَا دَارًا وَّ لٰکِنَّا نُوْرِثُ الْاِیْمَانَ وَالْحِکْمَۃَ وَالْعِلْمَ وَالسُّنَّۃَ وَقَدْ عَمِلْتُ بِمَا اَمَرَنِیْ وَسَمِعْتُ فَقَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ وَھَبَہَا لِیْ قَالَ فَمَنْ یَّشْھَدُ بِذٰلِکَ فَجَآءَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَ اُمُّ اَیْمَنَ فَشَھِدَا لَھَا بِذٰلِکَ فَجَآءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فَشَھِدَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

يُقْسِمُهَا فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ صَدَقْتِ يَا ابْنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَصَدَقَ عَلِيٌّ وَ صَدَقَتْ اُمُّ اَيْمَنَ وَصَدَقَ عُمَرُ وَصَدَقَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَذٰلِكَ اَنَّ لَكِ مَا لِاَبِيْكِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْخُذُ مِنْ فَدَكٍ قُوْتَكُمْ وَيُقْسِمُ الْبَاقِيَ وَيَحْمِلُ مِنْهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَكِ عَلَى اللّٰهِ اَنْ اَصْنَعَ بِهَا كَمَا كَانَ يَصْنَعُ فَرَضِيَتْ بِذٰلِكَ وَ اَخَذَتِ الْعَهْدَ عَلَيْهِ بِهٖ وَكَانَ يَاْخُذُ غَلَّتَهَا فَيَدْفَعُ اِلَيْهِمْ مِنْهَا مَا يَكْفِيْهِمْ ثُمَّ فَعَلَتِ الْخُلَفَاءُ بَعْدَهٗ كَذٰلِكَ اِلٰى اَنْ وَلِيَ مُعَاوِيَةُ۔

(شرح نہج البلاغہ ابن میثم جلد پنجم ص ۱۰۷ زیر خط ۴۴ مطبوعہ تہران)

ترجمہ: روایت کی گئی ہے۔ کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ کا کلام سُنا۔ (یعنی یہ کہ سیدہ ابو بکر سے کلام نہ کریں گی۔ تو یہ سن کر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدہ کے گھر آئے۔) تو اللہ کی حمد و ثنا بیان کی۔ اور رسول اللہ پر صلوٰۃ بھیجی۔ پھر کہا۔ اے خیر النساء! اے بہترین باپ کی بیٹی! خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی مخالفت نہیں کی۔ میں نے تو ان کے کہنے پر عمل کیا۔ اور گھر کا خیر خواہ گھر والوں کی تکذیب نہیں کرتا۔ میں نے جو کچھ کہا۔ وہ فریضہ تھا۔ جو میں نے پہنچا دیا۔ لیکن آپ ناراض ہو گئیں۔ اور مجھ سے گفتگو کرنا ترک کر دی۔ اللہ مجھے اور تمہیں معاف کرے۔ اس کے بعد صدیق اکبر نے کہا۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیار آپ کا گھوڑا اور آپ کی نعلین حضرت علی رضی اللہ عنہ

کو دے دیں۔ ان کے علاوہ باقی اشیاء کے متعلق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہم جماعت انبیاء کی وراثت سونا، چاندی، زمین، سامان اور مکان وغیرہ نہیں ہوتی۔ بلکہ ایمان، حکمت، علم اور سنّت کی وراثت ہم چھوڑتے ہیں۔ میں نے وہی کچھ کیا۔ جس کا حضور نے مجھے حکم دیا۔ اور میں نے وہ حکم سُنا تھا۔ تو یہ سُن کر سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ کہ "فدک" تو رسول اللہ نے مجھے ھبہ کر دیا۔ تھا۔ ابو بکر صدیق نے پوچھا۔ اس بات کا کوئی گواہ؟ تو حضرت علی اور ام ایمن بطور گواہ پیش ہوئے۔ اور اس امر کی گواہی دی۔ اتنے میں حضرت عمر اور عبدالرحمٰن بن عوف بھی آ گئے۔ ان دونوں نے یہ گواہی دی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم "فدک" کو تقسیم فرماتے تھے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے بنت پیغمبر! تو نے بھی سچ کہا۔ اے علی! تم بھی سچے ہو۔ اے ام ایمن! تم بھی سچی اور اے عمر و عبدالرحمٰن تم دونوں بھی سچے ہو۔ اس لیے کہ اے فاطمہ! تیرے لیے وہی کچھ ہے۔ جو آپ کے والد کا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم "فدک" کی آمدنی سے تمہاری خوراک کا اہتمام فرماتے۔ اور باقی ماندہ کو تقسیم فرما دیتے اور اس میں سے فی سبیل اللہ سواری بھی لے دیتے۔ تمہارے بارے میں اللہ سے معاہدہ کرتا ہوں۔ کہ میں اسی طرح تم سے سلوک کروں گا۔ جس طرح حضور سلوک فرمایا کرتے تھے۔ تو یہ سُن کر سیدہ فاطمہ راضی ہو گئیں۔ اور اسی پر ابو بکر صدیق سے عہد لے لیا۔ ابو بکر صدیق "فدک" کا غلّہ وصول کرتے۔ اور اہل بیت کو ان کی ضرورت کے مطابق دے دیتے۔ ان کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

خلیفہ ہونے تک یہی عمل جاری رہا۔

زید ابن علی نے فدک کے بارے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو اپنا فیصلہ قرار دیا۔

ابن حدید:
روایت ۲:

قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ اِنَّ فَاطِمَةَ طَلَبَتْ فَدَكَ مِنْ اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ النَّبِيَّ لَا يُوْرَثُ مَنْ كَانَ النَّبِيُّ يَعُوْلُهُ فَاَنَا اَعُوْلُهُ وَمَنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ فَاَنَا اُنْفِقُ عَلَيْهِ فَقَالَتْ يَا اَبَا بَكْرٍ اَتَرِثُكَ بَنَاتُكَ وَلَا تَرِثُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنَاتُهُ فَقَالَ هُوَ ذَاكَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ وَاَخْبَرَنَا اَبُوْ زَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ مَرْزُوْقٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْبَخْتَرِيُّ بْنُ حَسَّانٍ قَالَ قُلْتُ لِزَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اُهَجِّنَ اَمْرَ اَبِيْ بَكْرٍ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ اِنْتَزَعَ فَدَكَ مِنْ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ فَقَالَ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ كَانَ رَجُلًا رَحِيْمًا وَكَانَ يَكْرَهُ اَنْ يُغَيِّرَ شَيْئًا فَعَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَتْهُ فَاطِمَةُ فَقَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَانِيْ فَدَكَ

فَقَالَ لَهَا هَلْ لَكِ عَلٰى هٰذَا بَيِّنَةٌ فَجَاءَتْ بِعَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَشَهِدَ لَهَا ثُمَّ جَاءَتْ اُمُّ اَيْمَنَ فَقَالَتْ اَلَسْتُمَا تَشْهَدَانِ اَنِّيْ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَا بَلٰى قَالَ اَبُوْ زَيْدٍ يَعْنِيْ اَنَّهَا قَالَتْ لِاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ قَالَتْ فَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهَا فَدَكَ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ فَرَجُلٌ اٰخَرُ اَوِ امْرَاَةٌ اُخْرٰى لِتَسْتَحِقِّيْ بِهَا الْقَضِيَّةَ ثُمَّ قَالَ زَيْدٌ وَاَيْمُ اللّٰهِ لَوْ رَجَعَ الْاَمْرُ اِلَيَّ لَقَضَيْتُ فِيْهِ بِقَضَاءِ اَبِيْ بَكْرٍ۔

(ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد چہارم صہ ۸۲ مطبوعہ بیروت بڑا سائز فی الاخبار الواردۃ فی فدك وما صنع فیہا)

ترجمہ: ابوسلمہ سے روایت ہے۔ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدیق سے "فدک" کا مطالبہ کیا۔ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔ کہ نبی کی وراثت نہیں ہوتی۔ لہذا آپ جس کی کفالت کیا کرتے تھے میں بھی اس کی کفالت کروں گا۔ اور جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خرچہ دیا کرتے تھے۔ میں بھی اُسے خرچہ دوں گا۔ تو سیدہ نے کہا۔ تمہارے مرنے کے بعد تمہاری بیٹیاں وارث نہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کی بیٹیاں وارث نہ ہوں؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بات ایسے ہی ہے۔ ابوبکر جوہری کہتا ہے۔ کہ بختری بن حسان نے زید بن علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ (اس پوچھنے کی غرض یہ تھی۔ کہ

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو داغدار کیا جائے) کہ ابوبکر صدیق
نے سیدہ فاطمہ سے باغ فدک چھین لیا تھا۔ تو جناب زید نے فرمایا۔ کہ ابوبکر
بڑے رحم دل آدمی تھے۔ اور جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادا فرماتے
رہے۔ اس میں ردوبدل مکروہ جانتے تھے۔ پھر آپ کے پاس سیدہ فاطمہ
تشریف لائیں۔ اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے "فدک" عطا کر دیا
تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بات پر گواہی طلب کی۔ تو سیدہ
نے حضرت علی کو بطور گواہ پیش کیا۔ انہوں نے سیدہ کے حق میں گواہی دی
پھر ام ایمن آئیں۔ تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں۔ کیا تم دونوں میرے
جنتی ہونے کی گواہی نہیں دیتے۔ دونوں نے کہا۔ ہاں آپ ضرور جنتی
ہیں۔ ابو زید کہتا ہے۔ کہ ایسا کرنا دراصل ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو بتلانا تھا
ام ایمن نے بھی فدک کے بارے میں گواہی دی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے سیدہ فاطمہ کو دے دیا تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ ایک اور
مرد یا ایک اور عورت اپنے حق میں بطور گواہ پیش کرو۔ تاکہ تمہارے
حق میں فیصلہ ہو جائے۔ پھر زید (راوی حدیث) نے کہا۔ اللہ کی قسم
اگر یہی معاملہ میرے سپرد کر دیا جائے۔ اور مجھے فیصلہ کرنے کو کہا جائے۔
تو میں بھی وہی فیصلہ کروں۔ جو ابوبکر صدیق رضی اللہ نے کیا۔

امام باقر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ ابوبکر صدیق نے فدک کے بارے میں ہم پر رائی بھر بھی ظلم نہیں کیا

ابن حدید:

روایت ۴:

قُلْتُ لِاَبِیْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامُ جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِدَاكَ اَرَاَیْتَ اَبَابَکْرٍ وَعُمَرَ هَلْ ظَلَمَکُمْ مِنْ حَقِّکُمْ شَیْئًا اَوْ قَالَ ذَهَبَا مِنْ حَقِّکُمْ بِشَیْءٍ فَقَالَ لَا وَالَّذِیْ اَنْزَلَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا مَا ظَلَمَنَا مِنْ حَقِّنَا مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ اَفَاَتَوَلَّاهُمَا قَالَ نَعَمْ وَیْحَكَ تَوَلَّهُمَا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا اَصَابَكَ فَفِیْ عُنُقِیْ ثُمَّ قَالَ فَعَلَ اللّٰهُ بِالْمُغِیْرَةِ وَبَنَانَ فَاِنَّهُمَا کَذَبَا عَلَیْنَا اَهْلَ الْبَیْتِ۔

(ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد چہارم صفحہ ۸۲)

ترجمہ: ابو عقیل کہتے ہیں۔ میں نے امام باقر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کہ میری جان آپ پر قربان۔ کیا ابوبکر اور عمر نے تمہارے حقوق کے بارے میں کچھ ظلم کیا۔ یا تمہارے حق دبائے رکھے۔ فرمایا نہیں۔ اس

اللہ کی قسم! جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا۔ تاکہ تمام جہانوں کے لیے وہ نذیر بن جائے۔ ہمارے حقوق میں سے ایک رائی کے دانہ برابر بھی انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا۔ میں نے کہا۔ آپ پر قربان جاؤں۔ کیا میں ان سے محبت رکھوں؟ فرمایا ہاں۔ تو برباد ہو جائے انہیں دونوں جہانوں میں دوست رکھو۔ اور اگر اس وجہ سے تجھے کوئی نقصان ہو۔ تو میرے ذمہ ہے۔ پھر امام نے فرمایا۔ مغیرہ اور بنان سے خدا نپٹے۔ ان دولوں نے ہم اہل بیت پر جھوٹ گھڑا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سفارش کرنے پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی راضی ہو گئیں

بعض شیعہ حضرات جب مذکورہ بالا عبارات کو پڑھ کر زچ ہو جاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ چلو ہم نے مان لیا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر راضی ہو گئیں مگر آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر کبھی تو ناراض تھیں۔ سیدہ کا عمر رضی اللہ عنہ سے راضی ہونے کا مذکورہ عبارات میں کوئی لفظ نہیں۔

تو ہم ان کی تسلی کے لیے شیعہ حضرات کی معتبر کتاب بیت الاحزان سے ایک روایت پیش کیے دیتے ہیں جس میں واضح الفاظ کے ساتھ موجود ہے کہ سیدہ فاطمہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر راضی ہو گئیں۔

بیت الاحزان:

قَالَ فَلَمَّا بَایَعَ عَلِیٌّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَالزُّبَیْرُ وَ هَدَأَتْ تِلْكَ الْفَوْرَةُ مَشٰی اِلَیْهَا اَبُوْبَکْرٍ بَعْدَ

ذَالِكَ فَتَشَفَّعَ لِعُمَرَ وَ طَلَبَ اِلَيْهَا فَرَضِيَتْ عَنْهُ ۔

بیت الاحزان صفحہ ۸۰ مصنفہ شیخ عباس قمی طبع اصفہان طبع جدید

ترجمہ: جب علی مرتضیٰ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور حالات پر سکون ہو گئے تو ابوبکر صدیق اس کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور عمر فاروق کے لیے سفارش کی اور رضا کے طلبگار ہوئے تو آپ راضی ہو گئیں۔

مذکورہ بالا عبارت سے درج ذیل دو باتیں واضح ہوئیں:

۱۔ سیدہ فاطمہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر راضی تھیں۔

۲۔ سیدہ فاطمہ صدیق اکبر پر یوں صمیم قلب سے راضی تھیں کہ ان کی سفارش پر عمر فاروق سے بھی راضی ہو گئیں۔

سوال: اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ سے کوئی زیادتی کی تھی جس کے لیے ابوبکر کو سفارش کرنی پڑی؟

جواب: یہ عبارت بخاری یا مسلم کی نہیں کہ اس سے ہم پر کوئی اعتراض آ سکے یہ بیت الاحزان کی عبارت ہے جس میں عمر فاروق سے سیدہ کی ناراضگی کا موجود ہونا ہمارے لیے کوئی حجت نہیں البتہ اس میں عمر رضی اللہ عنہ سے سیدہ کی رضا کا موجود ہونا تم شیعوں پر ضرور حجت ہے۔

حضرت علی اپنے زمانہ خلافت میں بھی باغ فدک کے متعلق شیخین کی مخالفت جائز نہ سمجھتے تھے

روایت ۱: ابن حدید:

قَالَ حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ هِلَالٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ زُرَيْعٍ

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قُلْتُ اَرَأَيْتَ عَلِيًّا حِيْنَ وَلِيَ الْعِرَاقَ وَمَا وَلِيَ مِنْ اَمْرِ النَّاسِ كَيْفَ صَنَعَ فِيْ سَهْمِ ذَوِي الْقُرْبٰى قَالَ سَلَكَ لَهُمْ طَرِيْقَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ قُلْتُ وَكَيْفَ وَبِمَ وَاَنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ (مَا تَقُوْلُوْنَ) قَالَ اَمَا وَاللّٰهِ مَا كَانَ اَهْلُهُ يَصْدُرُوْنَ اِلَّا عَنْ رَّاْيِهِ فَقُلْتُ فَمَا مَنَعَهُ قَالَ كَانَ يَكْرَهُ اَنْ يُّدَّعٰى عَلَيْهِ مُخَالِفَةُ اَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ۔

(ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد چہارم ص ۸۶)

ترجمہ: محمد بن اسحاق نے امام ابوجعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق کے والی ہوئے۔ تو اس وقت لوگوں کے تمام امور ان کے زیر تصرف تھے۔ اس وقت انہوں نے ذوی القربیٰ کے حصہ کا کیا بنایا۔ فرمایا۔ ان کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہی طریقہ اپنایا جو ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کا تھا۔ میں نے پوچھا۔ یہ کیسے۔ اور کیوں؟ حالانکہ تم ان دونوں کے بارے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہو۔ فرمایا اللہ کی قسم! اہل عراق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے سے کام کیا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا۔ تو پھر کس چیز نے ذوالقربیٰ کو ان کا حصہ دینے سے منع کیا۔ فرمایا۔ اس خوف نے کہ کہیں ان پر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت کا الزام نہ آ جائے۔

☆☆☆☆

☆

حضرت علی نے فرمایا کہ باغ فدک کے متعلق شیخین کی مخالفت سے مجھے اللہ سے حیا آتی ہے

ابن حدید:

روایت ۱۶:

فَالَ فَحَمِدَ اَبُوْبَکْرٍ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ وَ صَلّٰی عَلٰی رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ بِاَخَیْرَۃِ النِّسَآءِ وَابْنَۃَ خَیْرِ الْاٰبَآءِ وَاللّٰہِ مَا عَدَوْتُ رَاْیَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا عَمِلْتُ اِلَّا بِاِذْنِہٖ وَاِنَّ الرَّآئِدَ لَا یُکَذِّبُ اَھْلَہٗ وَاِنِّیْ اُشْہِدُ اللّٰہَ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَآءِ لَا نُوْرِثُ ذَھَبًا وَّ لَا فِضَّۃً وَّ لَا دَارًا وَّ لَا عِقَارًا وَّ اِنَّمَا نُوْرِثُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَالْعِلْمَ وَالنُّبُوَّۃَ قَالَ فَلَمَّا وَصَلَ الْاَمْرُ اِلٰی عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ کُلِّمَ فِیْ رَدِّ فَدَکٍ فَقَالَ اِنِّیْ لَاَسْتَحْیِیْ مِنَ اللّٰہِ اَنْ اَرُدَّ شَیْئًا مَنَعَ مِنْہُ اَبُوْ بَکْرٍ وَّ اَمْضَاہُ عُمَرُ۔

(ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد چہارم صفحہ ۹۴ فی رد المرتضی علی قاضی القضاۃ۔ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: راوی کہتا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد وثنا کہی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجا۔ اور پھر کہا۔ اے خیر النساء اے بہترین والد کی بیٹی! اللہ کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف نہیں کیا۔ اور میں نے صرف ان کے کہنے پر عمل کیا۔ اور پانی وگھاس کا متلاشی اپنے بھیجنے والوں سے جھوٹ نہیں بولا کرتا۔ میں اللہ کی گواہی دیتا ہوں۔ اور اللہ کافی گواہ ہے۔ بے شک میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ کہ ہم جماعتِ انبیاء بطور میراث نہ سونا چھوڑتے ہیں۔ نہ چاندی نہ زمین اور نہ کوئی سامان، ہماری وراثت کتاب وحکمت اور علم ونبوت ہوتی ہے۔ فرمایا۔ جب معاملہ خلافت حضرت علی بن ابی طالب کے پاس پہنچا۔ آپ سے "فدک" کے لوٹائے جانے میں گفتگو ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم! مجھے اس چیز کے لوٹانے سے شرم خدا آتی ہے۔ جس کو ابوبکر نے نہیں لوٹایا۔

حدیث رسول سننے کے بعد سیدہ فاطمہ کا ناراضگی کے ساتھ لوٹ جانا نا ممکن تھا

ابن حدید:

روایت ۸:

قَالَ الْمُرْتَضٰی وَقَدْ رُوِیَ هٰذَا الْكَلَامُ عَلٰی هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ طُرُقٍ مُخْتَلِفَةٍ وَوُجُوْهٍ كَثِيْرَةٍ فَمَنْ اَرَادَ هَا اَخَذَ هَا مِنْ مَوَاضِعِهَا فَكَيْفَ يُدَّعٰى اَنَّهَا عَلَيْهَا السَّلَامُ

كَفَّتْ رَاضِيَةً وَّاَمْسَكَتْ قَانِعَةً لَوْلَا الْبَيْتُ وَقِلَّةُ الْحَيَاءِ قُلْتُ لَيْسَ فِيْ هٰذَا الْخَبَرِ مَا يَدُلُّ عَلٰى فَسَادِ مَا ادَّعَاهُ قَاضِي الْقُضَاةِ لِاَنَّهٗ ادَّعٰى اَنَّهَا نَازَعَتْ وَخَاصَمَتْ ثُمَّ كَفَّتْ لَمَّا سَمِعَتِ الرِّوَايَةَ وَانْصَرَفَتْ تَارِكَةً لِلنِّزَاعِ رَاضِيَةً بِمُوْجِبِ الْخَبَرِ الْمَرْوِيِّ وَمَا ذَكَرَهُ الْمُرْتَضٰى مِنْ هٰذَا الْكَلَامِ لَا يَدُلُّ اِلَّا عَلٰى سَخَطِهَا حَالَ حُضُوْرِهَا وَلَا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّهَا بَعْدَ رِوَايَةِ الْخَبَرِ بَعْدَ اَنْ اَقْسَمَ لَهَا اَبُوْبَكْرٍ بِاللّٰهِ تَعَالٰى اَنَّهٗ مَا رَوٰى عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا مَا سَمِعَهٗ مِنْهُ انْصَرَفَتْ سَاخِطَةً۔

(ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد ۴ ص ۹۴ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: شیخ مرتضیٰ نے کہا کہ "قضیہ فدک" کے بارے میں کلام مختلف طرق سے روایت کیا گیا ہے۔ جو چاہے کہ ان مختلف وجوہ کا مطالعہ کرے اُسے ان مقامات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یہ کیسے دعویٰ ہو سکتا ہے۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا راضی ہو کر خاموش ہو گئیں۔ اور صبر و قناعت سے مزید گفتگو کرنے سے رُک گئیں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ کثرت حیا اور پریشانی کی وجہ سے ہوا ہو۔

میں کہتا ہوں۔ کہ اس خبر میں قاضی القضاۃ کے دعویٰ کو فاسد ثابت کرنے والی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ اس نے دعویٰ یہ کیا ہے۔ کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے باغ فدک کے بارے میں جھگڑا کیا۔ پھر جب

روایت سنی۔ تو جھگڑا ختم کر دیا۔ اور نزاع کو چھوڑ کر روایت کے مضمون پر رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے واپس تشریف لے گئیں۔ اور جو کچھ اس کلام سے "مرتضیٰ" نے ذکر کیا۔ وہ صرف سیدہ کی اس ناراضگی کو ظاہر کرتا ہے۔ جو بوقتِ حاضریٔ عدالت تھی لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ خبر کی روایت کے بعد اور ابوبکر صدیق کے قسم اٹھانے کے بعد کہ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا۔ غصہ اور ناراضگی میں واپس آ گئیں۔

وضاحت :

روایت ۸ کا ماحصل یہ ہے۔ کہ شیخ مرتضیٰ شیعی نے اپنی کتاب "شافی" میں قاضی القضات کے ان دلائل کا رد کیا ہے۔ جن میں اس نے ثابت کیا تھا۔ کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے "باغ فدک" کے بارے میں تنازع کیا۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے "انا معاشر الانبیاء لا نورث" ارشادِ رسول پیش کیا۔ تو سیدہ خاموشی سے واپس آ گئیں۔ جس کے بعد انہوں نے کبھی "باغ فدک" کے متعلق کلام نہ فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدہ بوقت تنازع اگرچہ ناراض تھیں۔ لیکن بوقتِ واپسی راضی تھیں۔

اس دلیل کے رد میں شیخ مرتضیٰ شیعی نے "شافی" میں کہا۔ کہ یہ کہنا کہ "سیدہ بخوشی واپس آئی تھیں۔ اور اس کے بعد کبھی اس معاملہ میں کلام نہ کیا۔ اس معاملہ میں کلام نہ کرنا بھی ان کی خوشی کی دلیل ہوئی" یہ غلط ہے۔ کیونکہ سیدہ کا کلام نہ کرنا اور اس معاملہ میں خاموشی کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ سیدہ کثرتِ حیاء اور پریشانی کی وجہ سے خاموش ہوئی ہوں۔

ابن حدید کا محاکمہ

اس کے بعد "ابن حدید" نے دونوں کے دلائل کا محاکمہ کرتے ہوئے اور شیخ مرتضیٰ کی دلیل کو کمزور سمجھتے ہوئے اس کا رد کیا۔ اور قاضی القضات کی تائید میں لکھا۔ کہ شیخ مرتضیٰ کی دلیل سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ سیدہ بوقت منازعت تو ناراض تھیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن کر خاموشی اختیار فرمائی۔ اور بعد میں بھی اس معاملہ میں کلام نہ فرمایا۔ تو ممکن ہے یہ خاموشی اور عدم تکلم بوجہ کثرت حیا نہ ہو۔ بلکہ اس کا سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی سماعت ہو۔ اور اس کی یہ وجہ ہے۔ کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا کر کہا۔ کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی۔ تو اس کے بعد بھی سیدہ کا ناراض ہو کر واپس آنا عقلاً اور نقلاً محال ہے۔

مذکورہ آٹھ روایات سے حسب ذیل فوائد حاصل ہوئے

فائدہ ۱:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ مِنْ فَدَكٍ قُوْتَكُمْ وَيُقَسِّمُ الْبَاقِيَ وَيَحْمِلُ مِنْهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ " کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ "فدک" کی آمدنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اہل بیت، فقراء اور اسلامی جنگی ضروریات میں خرچ ہوتی تھی۔ "فدک" صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا حسنین کریمین میں سے کسی کو "ہبہ" نہ کیا گیا تھا۔ دیکھئے روایت اول و دوم

فائدہ ۲:

" وَاَخَذَتِ الْعَهْدَ عَلَيْهِ بِهٖ " سے پتہ چلا۔ کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے " باغ فدک " کی آمدنی اسی طرح خرچ کرنے پر معاہدہ کر لیا۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف فرمایا کرتے تھے۔ اس معاہدہ کے بعد سیدہ راضی ہو گئیں۔ دیکھئے روایت اول و دوم

فائدہ ۳:

" وَكَانَ يَاْخُذُ غَلَّتَهَا فَيَدْفَعُ اِلَيْهِمْ مِّنْهَا مَا يَكْفِيْهِمْ " سے معلوم ہوا۔ کہ " فدک " کی پیداوار سے سیدہ فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم حسب سابق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اپنا حصہ لیتے رہے۔ دیکھئے روایت اول و دوم

فائدہ ۴:

" ثُمَّ فَعَلَتِ الْخُلَفَاءُ بَعْدَهٗ كَذٰلِكَ اِلٰى اَنْ وَلِيَ مُعَاوِيَةُ " کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے امیر معاویہ کے والی بننے تک " فدک " کی آمدنی بعینہٖ اسی طرح صرف ہوتی رہی۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے رہے اس میں ردو بدل نہ ہوا۔ کیونکہ یہ حضرات اسی طرح صرف کرنے کو منشاء الٰہی سمجھتے تھے۔ لہٰذا جب صدیق اکبر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سا عمل اپنایا۔ تو سیدہ فاطمہ کا ان سے اس بنا پر ناراض ہونا معلوم ہوتا ہے یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہے۔ ورنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا عمل رسول سے ناراض ہو جائیں۔ یہ بھی ناممکن۔ اور ناراضگی بھی رہے۔ پھر خرچہ بھی بدستور وصول کرتی رہیں۔ یہ بھی انہیں زیب نہیں دیتا۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ " غَضِبَتْ " کا لفظ غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔

نیز یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ جو لوگ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر یہ الزام دھرتے ہیں۔ کہ انہوں نے اپنی خلافت میں " فدک " مروان کو دے دیا تھا۔ یہ غلط اور بے بنیاد

ہے۔ بلکہ اس کی بجائے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ سیدنا عثمان غنی کا بھی اس بارے میں وہی عمل تھا۔ جو صدیق اکبر رضی عنہ کا تھا۔ جو عمل میں یکسانیت ہے۔ تو جس طرح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دور صدیقی میں خرچہ وصول کرتی تھیں۔ اسی طرح دور فاروقی اور عثمانی میں بھی ان کی اولاد وصول کرتی رہی۔ دیکھئے روایت اوّل و دوم

فائدہ ۵:

"لَمَّا سَمِعَ كَلَامَهَا" سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کا علم ہوا۔ تو فوراً انہیں راضی کرنے کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ دیکھئے روایت دوم

فائدہ ۶:

"ثُمَّ قَالَ يَا خَيْرَةَ النِّسَاءِ وَابْنَةَ خَيْرِ الْآبَاءِ" کے الفاظ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سیدہ کو تمام جہان کی عورتوں سے افضل کہہ رہے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں سے افضل گردانتے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ دیکھئے روایت دوم و ہفتم

فائدہ ۷:

"وَاللّٰهِ مَا عَدَوْتُ رَأْيَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا عَمِلْتُ إِلَّا بِإِذْنِهٖ" کے الفاظ شاہد ہیں۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عمل بالکل سنت نبوی کے مطابق تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ روایت دوم و ہفتم

فائدہ نمبر ۸:

"وَذَالِكَ أَنَّ لَكِ مَا لِأَبِيْكِ (الی) كَمَا كَانَ يَصْنَعُ" سے معلوم ہوا۔ کہ سیدہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کو تسلیم کر لیا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم باغ فدک کی آمدنی میں اسی طرح تھی۔ یعنی خرچہ دے کر فقراء و مساکین میں تقسیم کر دینا اور فی سبیل اللہ خرچ کرنا۔ دیکھئے روایت دوم

اسی لیے اسی طرح صرف کرنے کا عہد سے کر سیدہ صدیق اکبر سے راضی ہو گئیں۔

فائدہ ۹ :

وَكَانَ يَكْرَهُ اَنْ يُغَيِّرَ شَيْئًا فَعَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ جملہ کہہ کر زید بن علی رضی اللہ عنہ نے تسلیم کیا ہے۔ کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوْرِثُ" حدیث رسول سنائی۔ اور باغ فدک ان کو عطا نہ کیا۔ تو اس سے صدیق اکبر کی غرض یہ تھی۔ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کی تبدیلی گوارا نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے روایت سوم

فائدہ ۱۰ :

اہل بیت کے علمائے کرام میں سے حضرت زید نے اس امر کی تصدیق کر دی۔ کہ "باغ فدک" عطا نہ کرنے کا جو فیصلہ صدیق اکبر نے کیا تھا۔ بالکل درست تھا۔ اسی لیے کہا۔ کہ ابوبکر کی جگہ میں ہوتا۔ تو میں بھی وہی فیصلہ کرتا۔ جو ابوبکر صدیق نے کیا۔ روایت سوم

فائدہ ۱۱ :

حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ کے رویہ نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ اہل بیت کے دل میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی حسد و بغض نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو زید بن علی ان کی شان میں تعریفی الفاظ ذکر نہ فرماتے۔ بلکہ تنقیص و تردید کرتے۔

فائدہ ۱۲ :

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے ایک سائل کے جواب میں جو ارشاد فرمایا۔ کہ شیخین میں سے کسی نے ہمارے حقوق میں سے رائی کے دانہ برابر بھی کوئی حق غصب نہیں کیا۔ اس ارشاد کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ جو لوگ شیخین پر یہ الزام لگاتے ہیں۔ کہ انہوں نے اہل بیت کے حقوق غصب کیے۔ یہ بالکل غلط اور لغو ہے۔ دیکھئے روایت چہارم

فائدہ ۱۳ : امام باقر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی واضح کر دیا۔ کہ اہل بیت سے محبت کا

یہ مطلب نہیں۔ کہ شیخین کو بُرا بھلا کہا جائے۔ بلکہ فرمایا۔

"تو لھما فی الدنیا و الاخرۃ" ان دونوں کی دوستی کی تلقین فرمائی۔

لہذا جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ شیخین سے محبت باعث ہلاکت ہے۔ سراسر غلط ہے۔

امام باقر رضی اللہ عنہ تو ان سے محبت کرنے والے کے نقصان کی تلافی اپنے ذمہ لے رہے ہیں۔ کیا کوئی دشمن کی ذمہ داری لیتا ہے؟ روایت چہارم

فائدہ ۱۴:

امام باقر کے الفاظ سے یہ بھی وضاحت ہو گئی۔ کہ اہل بیت اور صحابہ کرام کے درمیان جو بغض و عداوت کے من گھڑت واقعات بنائے گئے ہیں۔ سب بے اصل ہیں۔ کیونکہ ان واقعات کو گھڑنے والے مغیرہ بن سعید، بنان البیان، کے بارے میں فرمایا۔ یہ دونوں بہتان تراش ہیں۔

بنان البیان اور مغیرہ بن سعید کون تھے۔

رجال کشی:

حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ یَزِیْدَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ عُمَیْرٍ عَنْ اَبِیْ بُکَیْرٍ عَنْ زُرَارَۃَ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ (ع) قَالَ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ لَعَنَ اللّٰہُ بَنَانَ الْبَیَانِ وَ اِنَّ بَنَانًا لَعَنَہُ اللّٰہُ کَانَ یَکْذِبُ عَلٰی اَبِیْ اَشْھَدُ اَنَّ اَبِیْ عَلِیَّ بْنَ الْحُسَیْنِ کَانَ عَبْدًا صَالِحًا۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ (ع) قَالَ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ لَعَنَ اللّٰہُ الْمُغِیْرَۃَ بْنَ سَعِیْدٍ اَنَّہٗ کَانَ یَکْذِبُ عَلٰی اَبِیْ فَاَذَاقَہُ

اللّٰهُ حَرَّ الْحَدِيْدِ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ قَالَ فِيْنَا مَا لَا نَقُوْلُهٗ فِيْ اَنْفُسِنَا وَ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَزَالَنَا عَنِ الْعُبُوْدِيَّةِ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَنَا وَ اِلَيْهِ مَاٰبُنَا وَ مَعَادُنَا وَبِيَدِهٖ نَوَاصِيْنَا۔

(رجال کشی ص ۲۵۵ مطبوعہ کربلا تذکرہ ابوالخطاب)

ترجمہ: زرارہ نے ابوجعفر امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ کہ امام موصوف نے فرمایا۔ اللہ، بنان البیان پر لعنت کرے۔ بے شک بنان لعنۃ اللہ علیہ نے میرے والد پر بہتان باندھے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ میرے والد علی بن حسین صالح آدمی تھے۔

امام باقر رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن سعید پر اللہ کی لعنت کا ذکر کیا۔ اور فرمایا۔ کہ اس نے میرے والد کی طرف جھوٹ منسوب کئے۔ اللہ نے اُسے لوہے کی گرمی کا عذاب چکھایا۔ اللہ ان لوگوں پر لعنت کرے جنہوں نے ہمارے بارے میں وہ کچھ کہا۔ جو ہم نے اپنے بارے میں نہیں کہا۔ اللہ کی لعنت ان پر جنہوں نے ہمیں عبودیت سے نکال کر معبود بنایا۔ اس اللہ کی عبودیت سے نکالا۔ جس نے ہمیں پیدا کیا۔ اسی کی طرف ہمارا لوٹنا اور پلٹنا ہے۔ اور اسی کے قبضہ میں ہماری باگ ڈور ہے۔

چونکہ ان دونوں (بنان البیان، مغیرہ بن سعید) نے اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم کی طرف جھوٹی روایات منسوب کیں۔ اور عداوت و بغض و عناد کی من گھڑت داستانیں وضع کیں۔ لہٰذا یہ لعنت کے سزاوار ہوئے۔

فائدہ ۱۵ :

جو حصہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آل سادات کے لیے مقرر کیا تھا۔ وہ ان کو امام زین العابدین کے زمانہ تک ملتا رہا۔

فائدہ ۱۶ :

شیخین رضی اللہ عنہما نے "باغ فدک" کی آمدنی سے اہل بیت کو محروم نہیں کیا۔ بلکہ اس کو تقسیم کرنے کی اجازت نہیں دی۔

فائدہ ۱۷ :

بیت الاحزان کی عبارت سے صاف معلوم ہو گیا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نہ صرف یہ کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر راضی تھیں۔ بلکہ آپ کی سفارش پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی راضی ہو گئیں۔

فائدہ ۱۸ :

عبد اللہ بن موسیٰ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پانچویں پشت نیچے ہیں۔ جب انہوں نے واضح کر دیا۔ کہ ہمارے اور شیخین کے درمیان کوئی ناراضگی نہ تھی۔ تو اس سے معلوم ہوا۔ کہ اہل بیت اور شیخین کے درمیان عداوت و حسد و بغض کی داستانیں بعد میں گھڑی گئیں۔

فائدہ ۱۹ :

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں "باغ فدک" کے بارے میں وہی عمل اپنایا۔ جو شیخین نے اپنایا تھا

فائدہ نمبر ۲۰:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت میں جب " باغ فدک" کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ تو جواب فرمایا۔ کہ مجھے اپنے ذوی القربیٰ میں " باغ فدک" بانٹنے سے جب کہ شیخین نے ایسا نہیں کیا۔ اللہ سے شرم و حیاء آتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخین کے فیصلہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہی سمجھا اور ان کی مخالفت کو اللہ اور رسول کی مخالفت سمجھا۔ دیکھئے روایت ہفتم

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض:

روایت نمبر ۲ میں مذکور عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ " باغ فدک"، سیدہ خاتون جنت کو دینا ہی نہیں چاہتے تھے۔ وہ اس طرح کہ جب سیدہ نے اپنے دو گواہ پیش کیے۔ ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسری ام ایمن رضی اللہ عنہا۔ تو ان دونوں کی گواہی ثبوت دعویٰ کے لیے کافی سمجھ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ جناب سیدہ کے حق میں باغ فدک کا فیصلہ کر دینا چاہیئے تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ ان دو گواہوں کے بعد ان کے خلاف دو گواہوں نے گواہی دی۔ (عمر بن خطاب، عبدالرحمٰن بن عوف) تو آپ نے چاروں کو صَدَقَ، صَدَقَ کہا۔ آپ کا یہ رویہ اس بات کا غماز ہے۔ کہ آپ " باغ فدک" سیدہ کو عطا ہی نہیں کرنا چاہتے تھے۔

جواب:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ یہ عبارت ہماری نہیں۔ بلکہ " ابن میثم شیعہ" کی ہے۔ جس کو ہم پر اعتراض کرنے کے لیے بطور حجت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ

ہمارے خلاف اس کی کوئی بات قابل حجت نہیں۔ اس لیے ہم پر اس کا جواب دینا ضروری نہیں۔

دوسری بات یہ ہے۔ کہ اس سے قبل "ہبہ" کی روایات کی تحقیق میں ہم نے ثابت کر دکھایا ہے۔ کہ یہ روایات شیعہ کی خود ساختہ ہیں۔ اس لیے بے اصل اور ناقابلِ توجہ ہیں۔

تیسری بات یہ کہ ہم اس اعتراض کو بفرض محال مان لیتے ہیں۔ تو بھی ان دونوں میں تعارض و تباین نہیں۔ بلکہ ان کے درمیان تطبیق ممکن ہے۔ وہ اس طرح کہ "باغ فدک" کی آمدنی چونکہ مختلف مدات میں خرچ ہوتی رہی۔ جن میں سب سے پہلے سیدہ اور اہل بیت کا حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکال لیتے تھے۔ باقی ماندہ غربا و مساکین میں تقسیم ہوتا تھا تو اس وجہ سے کہ سب سے پہلے ہمیں دیا جاتا ہے۔ سیدہ نے یہ سمجھا ہو۔ کہ "فدک" ہماری ملک کر دیا گیا ہو۔ اور انہی آثار کی بنا پر حضرت علی اور ام ایمن کی گواہی حضرت خاتونِ جنت کے حق میں گزری۔ لیکن سیدہ "فدک" کی باقی آمدنی کی تقسیم کا انکار نہیں کرتیں۔ اور اسی طرح حضرت عمر بن خطاب اور عبدالرحمٰن بن عوف نے تقسیم کے عمل کے لحاظ سے گواہی دی۔ کہ یہ فدک کسی کی ملکیت نہیں۔ اگر ملکیت ہوتا۔ تو مالک کی اجازت سے تقسیم ہوتی۔ تو دونوں طرف کے گواہوں نے "فدک" کی مختلف حیثیت کے پیش نظر گواہی دی اپنی اپنی گواہی میں وہ سچے تھے۔ اس لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کمال دانائی سے دونوں کی گواہی کی تصدیق فرما دی۔ گویا حیثیت کے اختلاف کے باوجود دونوں طرف کے گواہ اس بات پر متفق تھے۔ کہ "فدک" کی آمدنی غرباء وغیرہ کو بانٹ دی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے صدیق اکبر نے جب سب کی تصدیق کی تو کسی فریق نے بمعہ اپنے گواہان کے دوسرے فریق کے گواہوں پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ تقسیم پر اتفاق کرتے ہوئے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا عہد لے کر راضی ہو گئیں۔ لہٰذا اس

سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ نہ تو ان شہادتوں میں اختلاف حقیقی تھا۔ اور نہ ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ سے ان کا حق چھیننے کے درپے تھے۔

تبصرہ:

ہم نے شیعہ سنی دونوں کی مختلف کتب سے روایات لکھیں۔ ان کو بنظر انصاف پڑھنے والا لازمی اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ سیدہ فاطمہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے درمیان کوئی مستقل ناراضگی نہ تھی۔ کہ ہم کہہ سکیں۔ کہ اسی ناراضگی پر سیدہ کا انتقال ہوا۔ کیونکہ جب صدیق اکبر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کی۔ اُسے سن کر خاتونِ جنت کا ناراض ہونا از روئے شرع بھی ممنوع ہے۔ اور پھر اس پر مزید یہ کہنا کہ آپ آخری دم تک ناراض رہیں۔ بالکل بکواس ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی مسلمان سے تین دن تک قطع کلامی حرام فرمائیں۔ اور تم آخری عمر تک اِسے جائز سمجھو۔ یہ کون سی منطق ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ سیدہ فاطمہ کی ناراضگی کا جھوٹا طوفان اور مسلمانوں میں فرقہ بندی کا شور سب شیعوں کا کھڑا کیا ہوا ہے۔ جس کی کوئی اصل نہیں۔

تنبیہ:

یاد رہے۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا عام عورتوں کی طرح نہیں۔ جیسا کہ تم نے سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ آپ وہ ہیں۔ جنہوں نے اپنے وصال کے وقت یہ وصیت فرمائی تھی۔ کہ مجھے رات کی تاریکی میں قبرستان لے جانا۔ اور تاریکی میں ہی دفن کرنا۔ تاکہ میرے جسم کی طرف کوئی اشارہ بھی نہ کر سکے۔ اور اس کے علاوہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری لمحات میں سیدہ کو روتے دیکھا۔ تو فرمایا۔ اے فاطمہ! صبر کرو۔ تم بہت جلد میرے پاس پہنچنے والی ہو۔ اس کے چھ ماہ کے اندر اندر آپ واصل

بحق ہو گئیں۔ جس طیبہ طاہرہ اور پاکدامن خاتون کا یہ سیرت و کردار ہو اور اسے اپنی بقیہ زندگی کے ایام بھی معلوم ہوں۔ وہ عالی صفات بتول اس دنیا کے مال کے لیے تمام لوگوں کے سامنے عدالت میں کیسے جا سکتی ہیں۔

چیلنج:

میں شیعہ برادری کے تمام علماء کو چیلنج کرتا ہوں۔ کہ ہر اس مولوی، ذاکر اور مجتہد کو بائیس ہزار روپیہ انعام دوں گا۔ جو ایک حدیث صحیح دکھا دے۔ جس میں یہ مذکور ہو۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی ہو۔ لیکن دوران ملاقات کلام نہیں ہوا۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین

بہتان فدک کے چار ستون

بہتان فدک کے چار ستون ہیں .... ملاحظہ ہوں

ستون اوّل:

"یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ"

اس آیت میں مسئلہ وراثت میں حکم عام ہے۔ کہ مرنے والے کے بیٹے اس کی بیٹیوں سے دُگنا حصہ لیں گے۔ اس حکم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ نہیں۔ لہٰذا آپ کا مال بھی بیٹی کو وراثت میں ملنا چاہیئے تھا۔ لیکن ابو بکر صدیق نے من گھڑت حدیث سنا کر سیدہ کو

جائز وراثت سے محروم کر دیا۔ حالانکہ قرآن پاک میں وراثت انبیاء کا ذکر" وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ" میں موجود ہے۔ اسی لیے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا بھی ہے۔ " هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ " ان دونوں آیات سے وراثت انبیاء ثابت ہوتی ہے۔

ستون دوم:

" وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ " کے نزول کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیدہ فاطمہ کو بلا کر" فدک"، انہیں عطا فرما دیا۔ لیکن آپ کے وصال کے فوراً بعد ابو بکر صدیق نے اسے غصب کر لیا۔

ستون سوم:

صحیح بخاری شریف میں ہے۔ کہ" غصب فدک" کی وجہ سے سیدہ رضی اللہ عنہا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس قدر ناراض ہوگئیں۔ کہ تادم آخر ان سے کلام نہ کیا۔

ستون چہارم:

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے جنازے میں شمولیت کا موقعہ نہ دیا گیا۔

اسقاط ستون اول:

آیت میراث میں خطاب امت کو ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسا کہ ہم اپنی اور شیعہ کتب سے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ انبیائے کرام کی " مالی میراث"

نہیں ہوتی۔

رہا سلیمان علیہ السلام کا حضرت داؤد علیہ السلام کا وارث بنا تو اس سے "وراثت علمی" مراد ہے۔ کیونکہ اگر "مالی" ہوتی۔ تو ان کے دوسرے اٹھارہ بھائی بھی وارث ہوتے۔ اس "وراثت علمی" کو اصول کافی صفحہ ۲۲۵ طبع جدید کتاب الحجۃ باب ان الائمۃ ورثوا علم النبی الخ۔ پر مسلّم رکھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا میں بھی "وراثت نبوت وعلم وحکمت" مراد ہے۔ جو ان کے بیٹے یحییٰ کے پیغمبر ہونے کی صورت میں مستجاب ہوئی۔

اسقاط ستون دوم:

سورۃ روم اور سورۃ بنی اسرائیل دونوں مکی ہیں۔ جن میں "اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ" مذکور ہے۔ اور "باغ فدک" کا معاملہ مکی زندگی میں رونما ہی نہ ہوا تھا۔ اس لیے اسے اس معاملہ کے ضمن میں پیش کرنا انتہائی حماقت ہے "فدک" ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آیا۔ پھر آپ نے قبضہ میں آنے سے پہلے "ہبہ" کیسے کر دیا۔

اسقاط ستون سوم:

"غَضِبَتْ فَاطِمَةُ" کے الفاظ راوی نے اپنی طرف سے قیاس اور اندازے کے پیش نظر زائد کر دیئے۔ جس سے یہ روایت بالمعنی قرار پائی۔ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ کوئی شیعہ یہ ثابت کر دے۔ کہ اس قسم کے ناراضگی کے الفاظ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے نکلے ہیں۔ تو اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔ یہ اسی طرح قیافہ آرائی ہے۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بالاخانہ میں تشریف لے جانا کہ

لوگوں کو اس سے یہ تاثر ملا۔ کہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی۔
اسی طرح سیدہ رضی اللہ عنہا کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہ کرنا۔ ان کی ناراضگی کے لیے دلیل بنائی گئی۔ حالانکہ ایسا حقیقت میں نہ تھا۔ حالانکہ در شرح ابن میثم اور درۂ نجفیہ، کے مطابق جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ میں "فدک" کی آمدنی انہی مصارف پر خرچ کروں گا۔ جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف فرمایا کرتے تھے۔ تو "فرضیت بذالك و اخذت العهد علیه" کے الفاظ ان دونوں مصنفین نے لکھے۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ سیدہ کی ابوبکر صدیق سے ہم کلامی اور رضامندی دونوں ثابت ہیں۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ سیدہ فاطمہ نے ابوبکر صدیق سے تادم آخر کلام نہیں فرمائی تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے فیصلہ ابوبکر صدیق کے بعد باغ فدک کے بارہ میں کوئی نزاعی کلام نہیں فرمائی۔ جس کی تائید شیعی مؤرخ مسعودی نے یوں فرمائی۔

التنبیہ والاشراف:

وَكَانَتْ مُهَاجِرَةً لَهُ مُنْذُ طَالَبَتْ بِاِرْثِهَا مِنْ اَبِيْهَا عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ فَدَكٍ وَغَيْرِهَا وَمَا بَيْنَهُمَا مِنَ التَّنَازُعِ فِيْ ذٰلِكَ اِلٰى اَنْ مَاتَتْ

(التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ قاہرہ طبع جدید)

ترجمہ: جب سے باغ فدک وغیرہ کے مطالبہ کی وجہ سے سیدہ نے ترکِ کلام فرمائی ہے (تو اس سے مراد) نزاعی کلام ہے جو ان کے درمیان سیدہ کے آخر وقت تک نہ ہوئی۔

اسقاط ستون چہارم:

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ وصیت کا قصہ شیعہ لوگوں کا خود ساختہ ہے۔

نہ عقل اسے مانتی ہے۔ اور نہ نقل اس کی تائید کرتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ "اسماء بنت عمیس" تو خود سیدہ فاطمہ کی تیمارداری کے فرائض سرانجام دیتی ہیں۔ اور آخری دم تک وہیں رہیں۔ اور بمطابق "وصیتِ سیدہ" انہیں غسل بھی "اسماء بنت عمیس" نے دیا۔ اس کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بنتِ رسول کے وصال کا علم نہ ہو۔ یہ عقلاً محال ہے۔

دوسرا بہتان یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جنازہ میں شرکت کا موقع نہ دیا۔ یہ بھی کذب بیانی کی انتہا ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صدیق اکبر نے سیدہ کے جنازے کے وقت فرمایا۔ علی! تم نماز جنازہ پڑھاؤ۔ حضرت علی نے جواب دیا۔ خلیفہ وقت کی موجودگی میں میں جنازہ کس طرح پڑھا سکتا ہوں۔ یعنی فرض عین (نماز پنجگانہ) میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر کے متعلق فرمائیں۔ "مروا ابا بکر فلیصل بالناس" ابوبکر کو میری طرف سے حکم دو۔ کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اور اب نماز جنازہ فرض کفایہ میں خلیفہ رسول کی موجودگی میں کس طرح میں مصلی امامت پر کھڑا ہو سکتا ہوں۔ یہی قانون تھا۔ جس کی بنا پر امام حسن رضی اللہ عنہ کے جنازے کی نماز سعید ابن العاص حاکم مدینہ نے پڑھائی۔

قولِ امام حسین رضی اللہ عنہ: اگر پہلے سے یہ سنت قائم نہ ہوتی۔ تو میں تجھے اپنے بھائی کی نماز جنازہ نہ پڑھانے دیتا۔

(کامل ابن اثیر جلد ثالث ص ۴۶۰ ذکر وفات الحسن الخ
کشف الغمہ جلد اول ص ۵۸۶) مطبوعہ تبریز فی شہادت
الحسن علیہ السلام) (مقاتل الطالبین ص ۷۵ ذکر امام حسن مطبوعہ بیروت لبنان)

یہ اس امام کا کلام ہے۔ جس نے عمر بھر "تقیہ نہیں کیا"، کتب شیعہ سے ثابت ہے۔ کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اتنے حق گو اور بے باک تھے۔ کہ سید ناعمر

کو عین خطبہ کے وقت کہا۔ کہ میرے نانا جان کے منبر سے اتر جاؤ۔ حالانکہ ابھی آپ بالغ بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس موقعہ کی نزاکت کو بھانپ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ حسین کو میں نے نہیں سکھایا۔ تو فاروق اعظم نے فرمایا۔ بیٹا تم نے سچ کہا ہے۔ علاوہ ازیں میدان کربلا آپ کی حق گوئی اور بے باکی کی عظیم داستان ہے۔ سب کچھ قربان ہو گیا۔ خود بھی جام شہادت نوش فرما لیا لیکن باطل کے سامنے سرنگوں نہیں ہوئے۔ تو ان واقعات وحالات سے یہ دلیل حاصل ہوتی ہے۔ کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ کی نماز کے متعلق طریقہ مسنونہ یہی تھا۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امامت کراتے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی اقتدار میں نماز ادا کرتے۔ جیسا کہ آئندہ چل کر ہم ثابت کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ پر شیخین کی عدم شمولیت

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب "فدک" سے محروم کردی گئیں۔ اور باوجود گواہوں کے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف فیصلہ فرما کر "باغ فدک" ان سے غصب کر لیا۔ تو اس غلط فیصلہ کی وجہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ناراض ہو کر گھر آگئیں۔ اور پھر تادم آخریں ابوبکر سے گفتگو نہ کی۔

اسی غصہ کی بنا پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جہاں بوقت انتقال اور وصیتیں کیں وہاں ایک وصیت یہ بھی فرمائی۔ کہ میرے جنازہ پر ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کو حاضر نہ ہونے دیا جائے تو جس طرح سیدہ کی دوسری وصیتوں پر عمل ہوا۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کو دختر رسول کے جنازے میں شمولیت سے محروم رکھا۔ یوں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ کی وصیت پوری کر دکھائی۔ "ملا باقر مجلسی" نے اپنی کتاب "جلاء العیون" میں اسے ان الفاظ سے

تحریر کیا۔

جلاء العیون:

ابن بابویہ بسند معتبر روایت کردہ است۔ کہ از حضرت صادق علیہ السلام پرسیدند کہ بچہ سبب حضرت امیر المومنین فاطمہ را در شب دفن کرد؟ فرمود برائے آنکہ حضرت فاطمہ وصیت کردہ بود۔ کہ آں دو مرد اعرابی کہ ہرگز ایمان بخدا و رسول نیاوردہ بودند یعنی ابو بکر و عمر بر او نماز نکنند،

(جلاء العیون جلد اوّل صـ ۲۴۲ باب سخنان حضرت امیر ہنگام دفن آنحضرت مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: ابن بابویہ نے معتبر سند کے ذریعہ روایت کی ہے۔ کہ لوگوں نے جناب صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کہ کیا سبب تھا۔ کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کے وقت دفنایا؟

فرمایا۔ وجہ یہ تھی۔ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی۔ کہ وہ دو آدمی جو اللہ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہرگز ایمان نہیں لائے۔ یعنی ابو بکر و عمر یہ دونوں نماز جنازہ میں شرکت نہ کریں۔

ان الفاظ روایت سے صاف صاف معلوم ہوا۔ کہ یہ وصیت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس لیے فرمائی تھی۔ کہ آپ ان دونوں سے ناراض تھیں۔ اور یہ ناراضگی ختم نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ تا دم آخریں سیدہ ناراض تھیں۔ اور ناراضگی میں ہی اس دار فانی سے انتقال کر گئیں۔ تو جن دو اشخاص سے سیدہ ناراض رہیں۔ اور وہ اس روایت کے مطابق مومن بھی نہ تھے۔ ایسے اشخاص خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بننے کے کیسے مستحق ہو سکتے ہیں؟

جوابِ طعن :۔ مذکورہ طعن کے دو رکن ہیں :۔

رکن اول :

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کی وجہ سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو ان کے جنازہ کی اطلاع نہ دی گئی۔ اور سیدہ کی ناراضگی خود ان کی وصیت سے عیاں ہو رہی ہے۔

رکن دوم :

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں حضرات سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شرکت سے محروم رہے۔

رکن اوّل کا جواب۔ شیخین کو جنازہ فاطمہ کی اطلاع نہ ہونا دو وجہ سے باطل ہے :۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال اور پھر جنازہ کی اطلاع نہ دینے کی وجہ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہ ہونا دو وجہ سے باطل ہے۔

وجہ اول :۔ "جلاء العیون" کی عبارت ملاحظہ ہو۔

جلاء العیون :

چوں حضرت امیر المومنین ایں خبر وحشت اثر را شنید بر رود در آمد میفرمود کہ بعد از تو خود را بچہ تسلی دہم پس شعری چند در مصیبت آنحضرت ادا فرمود۔ کہ زمین و آسمان را بگریہ در آورد۔ چوں ایں خبر در مدینہ منتشر

گردید۔ مردان وزنان ہمہ گریاں شدند در مصیبتِ آنحضرت و شیون از خانہائے مدینہ بلند شد۔ و مردان بسوئے آنحضرت دویدند۔ زنان بنی ہاشم در خانۂ آنحضرت جمع شدند نزدیک شد کہ از صدائے شیون ایشاں مدینہ بلرزہ درآید ایشاں می گفتند۔ اے سیدہ و خاتون زنان اے دختر پیغمبر آخرالزمان۔ مردم فوج فوج بتعزیہ بسوئے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام آمدند آں حضرت نشستہ بود۔ جناب امام حسن و امام حسین علیہما السلام در پیش آنحضرت نشستہ بودند و می گریستند مردم از گریہ ایشاں می گریستند۔

(جلاء العیون جلد اوّل ص۲۳۸ کیفیت شہادت و دفن آنحضرت تحت زندگانی فاطمہ زہرا علیہا السلام) مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کی دہشت انگیز خبر سنی۔ تو منہ جھکا کر بیٹھ گئے۔ اور فرمانے لگے۔ کہ اے فاطمہ! تیرے بعد میں اپنے آپ کو کس سے تسلی دوں گا۔ پھر چند اشعار سیدہ فاطمہ کی رحلت کی پریشانی میں کہے۔ جن سے زمین و آسمان گریہ کناں ہو گئے۔

جب یہ خبر مدینہ منورہ میں پھیل گئی۔ تمام مرد و زن روتے ہوئے اپنے اپنے گھروں سے نکلے۔ اور سیدہ کی رحلت کی وجہ سے مدینہ کے ہر گھر سے گریہ و فغاں بلند ہوا۔ لوگ حضرت خاتون جنت کے درِ دولت کی طرف بھاگے ہوئے آئے۔ بنی ہاشم کی عورتیں سیدہ کے گھر میں اکٹھی ہوئیں۔ قریب تھا۔ کہ ان کی آہ و فغاں سے

مدینہ کانپ جاتا۔ وہ کہہ رہی تھیں اے سیدہ! اے خاتونِ زنان! اے دخترِ پیغمبر آخرالزمان۔

لوگ جوق در جوق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آئے۔ آپ اس وقت بیٹھے ہوئے تھے۔ اور جناب حسن و حسین رضی اللہ عنہما آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور رو رہے تھے۔ ان کے رونے سے تمام حاضرین بھی رو رہے تھے "ملا باقر مجلسی" نے اسی کتاب میں مزید لکھا۔

جلاء العیون :۔

و در بعضی از کتب معتبرہ از ابن عباس روایت کردہ اند۔ کہ چوں حضرت فاطمہ علیہا السلام از دنیا رحلت کرد۔ اسماء بنت عمیس گریبان خود را درید۔ بجانب مسجد دوید حضرت امام حسن و حضرت امام حسین علیہما السلام در راہ اورا دیدند و احوال مادر خود را ازاو پرسیدند او ساکت شد و جواب نگفت چوں بخانہ آمدند مادر خود را دیدند کہ در میان خانہ خوابیدہ است پس بنزدیک او آمدند و حضرت امام حسین علیہ السلام اورا حرکت داد چوں دید کہ از دنیا رحلت کردہ است با امام حسن گفت کہ اے برادر خدا ترا مزد دہد در مصیبت مادرت و از خانہ بیروں دویدہ فریاد برآوردند کہ یا محمداہ یا احمداہ امروز کہ مادر ما از دنیا رحلت کرد مرگ تو برلئے ما تازہ شد پس حضرت امیرالمومنین را خبر کردند۔ آں حضرت در مسجد بود چوں ایں خبر جاں سوز را شنید مدہوش گردید۔ آب بر روئے مبارکش پاشیدند تا بہوش باز آمد۔

(جلاء العیون جلد اوّل ص۲۴۳-۲۴۴ زندگانی

فاطمہ زہرا علیہا السلام فصل ہفتم کا آخر مطبوعہ تہران)

ترجمہ: بعض معتبر کتابوں میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ اسماء بنت عمیس نے اپنا گریبان پھاڑ دیا۔ اور مسجد کی طرف دوڑ پڑیں راستے میں حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما نے انہیں دیکھا۔ تو اپنی والدہ کی حالت دریافت کی۔ یہ خاموش رہیں۔ اور جواب میں کچھ نہ کہا۔ جب دونوں شہزادے گھر آئے۔ اپنی والدہ کو گھر کے درمیان سویا ہوا پایا۔ نزدیک آئے۔ اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے والدہ ماجدہ کو حرکت دی۔ جب انہیں معلوم ہوا۔ کہ وہ دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں۔ تو اپنے برادر اکبر امام حسن رضی اللہ عنہ کو کہا، بھائی جان، والدہ کی مصیبت میں اللہ تعالیٰ تمہیں صبر عطا فرمائے۔ گھر سے دوڑتے ہوئے باہر آئے۔ اور زور سے کہا "یا محمداہ، یا احمداہ، آج جب کہ ہماری والدہ ہمیں داغ مفارقت دے گئیں۔ آپ کی رحلت تازہ ہو گئی۔

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس امر کی اطلاع دی۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں تھے۔ اس اندوہناک خبر کو سنتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ لوگوں نے آپ کے چہرہ پر پانی ڈالا۔ تب کہیں ہوش آیا۔

مذکورہ روایات سے درج ذیل امور صراحۃً ثابت ہوئے

۱۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے وصال کے وقت "اسماء بنت عمیس" موجود تھیں۔ اور اس واقعہ فاجعہ سے اپنا گریبان چاک کر دیا۔ اور دیوانہ وار مسجد کی طرف دوڑیں۔ یاد رہے۔ کہ اسماء بنت عمیس، بوقت رحلتِ خاتون جنت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔

۲۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے جب دیکھا۔ کہ سیدہ رضی اللہ عنہا داغ مفارقت دے گئیں۔ تو "یا محمداہ یا احمداہ" کے الفاظ سے فریاد کرتے ہوئے مسجد میں دوڑ کر آئے۔ اور اپنے والد گرامی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سیدہ کے انتقال کی خبر دی۔

۳۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب سیدہ کی رحلت کی خبر سُنی۔ تو بے ہوش ہو گئے۔ اور مسجد میں موجود نمازیوں نے آپ کے چہرہ پر پانی چھڑکا۔ تب کہیں ہوش آیا۔

۴۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے وقت مدینہ کے مرد و زن اس قدر روئے کہ اُن کی آہ و فغان سے پورا مدینہ لرز اٹھا۔

۵۔ بنی ہاشم کی عورتیں سیدہ کے گھر جمع ہوئیں۔ اور مدینہ کے مرد جوق در جوق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس تعزیت کے لیے آئے۔

مقامِ تعجب:۔

قارئین کرام! آپ ان دونوں روایات سے ثابت شدہ امور ملاحظہ فرمائیے۔

اور یہ امور ہم نے ان روایات سے ثابت کئے۔ جو شیعہ کتاب "جلاء العیون" سے نقل کی گئی تھیں۔

مقام تعجب ہے کہ، سیدہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے وقت زوجۂ صدیق (اسماء بنت عمیس) گریبان چاک کرتے ہوئے مسجد کی طرف دوڑیں۔ حسنین کریمین یا محمداہ یا احمداہ کی فریاد کرتے ہوئے دوڑ کر مسجد میں آئیں۔ اور اپنے والد گرامی کو سیدہ کی فوتیدگی کی اطلاع دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ خبر سُن کر بے ہوش ہو جائیں۔ اور مسجد میں موجود لوگ منہ پر پانی کا چھڑکاؤ کر کے انہیں ہوش میں لائیں۔ مدینہ کی عورتیں خاتونِ جنت کی رحلت کی خبر سُن کر ان کے درِ دولت پہ آجائیں۔ مدینہ کے مرد سیدہ کی تعزیت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔ اور مدینہ میں لوگوں کی آہ وفغاں سے قریب تھا کہ سارا شہر لرز جائے۔ ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب کو سیدہ کے انتقال کا علم نہ ہو۔ جبکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت تھے۔ اور عمر بن خطاب عام وخاص کے ہادی و ملجا تھے۔ یہ کیونکر ممکن ہے؟ اور اس پر مزید یہ کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ رات گئے تک نہ اٹھایا گیا ہو۔ اتنا وقت گزرنے اور اس قدر شور وغوغا سے صرف دو آدمیوں کو سیدہ کی فوتیدگی کا علم نہ ہوا۔ باقی تمام مرد وزن کو اس کی خبر ہو گئی۔ کیا عقل اس منطق کو درست کہہ سکتی ہے۔؟

"سلیم بن قیس ہلالی" کا فیصلہ:۔

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد "سلیم بن قیس" نے اپنی کتاب میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ کی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو عدم اطلاع کا فیصلہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

شیخین سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر تعزیت کے لیے گئے

ناسخ التواریخ:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قُبِضَتْ فَاطِمَةُ مِنْ يَوْمِهَا فَارْتَجَّتِ الْمَدِيْنَةُ بِالْبُكَاءِ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَدَهَشَ النَّاسُ كَيَوْمٍ قُبِضَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقْبَلَ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ يُعَزِّيَانِ عَلِيًّا وَّيَقُوْلُوْنَ لَهُ يَا اَبَا الْحَسَنِ لَا تَسْبِقْنَا بِالصَّلٰوةِ عَلَى ابْنَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

(۱) ناسخ التواریخ جزء اول از تاریخ خلفاء ص ۱۸۱ مصنفہ مرزا محمد تقی طبع جدید تہران

(۲) کتاب سلیم بن قیس ص ۲۲۶ مطبع حیدریہ نجف اشرف عراق

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ جس دن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ تو مرد و زن کی چیخ و پکار سے پورا مدینہ لرز اٹھا۔ اور لوگوں میں ایسی سراسیمگی پھیل گئی۔ جیسی سراسیمگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت پھیلی تھی۔ سیدہ کی وفات کا سن کر حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما تعزیت کے لیے حضرت علی المرتضیٰ کے پاس آئے۔ اور انہیں کہا کہ اے ابوالحسن! بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھنے کے وقت، ہمیں پیچھے نہ چھوڑ دینا۔ (سلیم بن قیس۔) نے تو فیصلہ ہی کر دیا ہے کہ جو لوگ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے بارے میں یہ کہتے ہیں۔ کہ ان دونوں کو سیدہ کے وصال کی خبر تک نہ ہوئی۔

اور یہ حضرات سیدہ کی نماز جنازہ میں شمولیت سے محروم رہے۔ غلط کہتے ہیں۔ کیونکہ خاتونِ جنت کے انتقال کی خبر انہیں نہ ملتی۔ تو برائے تعزیت حضرت علی المرتضیٰ کے پاس کیوں آتے؟ اور پھر ان سے کہا۔ کہ "بنت رسول" کا جنازہ پڑھنے میں ہم سے سبقت نہ کرنا۔ کس کا جنازہ؟ کس کی فوتیدگی؟ جس کا انہیں علم ہی نہیں۔

خدارا اب بھی باز آجاؤ۔ اور ہٹ دھرمی سے ایمان کا ستیاناس نہ کرو۔

وجہ دوم:-

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال کی اطلاع نہ دیئے جانے کی بنا پر انہیں "وصال سیدہ" کا علم نہ ہونا اس وجہ سے بھی باطل ہے۔ کہ انہیں لمحہ بہ لمحہ سب حالات کا علم تھا۔ جس کی بنا پر اطلاع دینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ "اسماء بنت عمیس" رضی اللہ عنہا ہی وہ خدمت گار تھیں۔ جو ہر وقت سیدہ کی تیمارداری کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی تجہیز و تکفین میں بھی شریک رہیں۔ اور "غسل" کے فرائض بھی انہیں نے سرانجام دیئے۔ اور ان کے جنازہ کے پردہ کا گہوارا بھی اسی خوش بخت عورت نے بنایا۔

کشف الغمہ:-

عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ عُمَیْسٍ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لِاَسْمَآءَ اِنِّیْ قَدِ اسْتَقْبَحْتُ مَا یُصْنَعُ بِالنِّسَآءِ اَنَّهٗ یُطْرَحُ عَلَى

الْمَرْاَةِ الثَّوْبُ فَيَصِفُهَا لِمَنْ رَاٰى فَقَالَتْ اَسْمَآءُ يَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَنَا اُرِيْكِ شَيْئًا رَاَيْتُهٗ بِاَرْضِ الْحَبْشَةِ قَالَ فَدَعَتْ بِجَرِيْدَةٍ رَطْبَةٍ فَحَنَتْهَا ثُمَّ طَرَحَتْ عَلَيْهَا ثَوْبًا فَقَالَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ مَا اَحْسَنَ هٰذَا وَ اَجْمَلَهٗ لَا تُعْرَفُ بِهِ الْمَرْاَةُ مِنَ الرَّجُلِ قَالَ قَالَتْ فَاطِمَةُ فَاِذَا مِتُّ فَغَسِّلِيْنِيْ اَنْتِ وَ لَا يَدْخُلَنَّ عَلَيَّ اَحَدٌ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ مطبوعہ تبریز صفحہ ۵۰۲-۵۰۴ جلد اوّل باب فی وفات فاطمہ)

ترجمہ: اسماء بنت عمیس کہتی ہیں۔ کہ سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ نے مجھے کہا۔ کہ میں عورتوں کی میت پر ڈالے جانے والے کپڑے کو اچھا نہیں سمجھتی۔ عورت کی میت پر کپڑا اس طرح ڈالا جاتا ہے کہ دیکھنے والا پہچان جاتا ہے۔ اسماء بنت عمیس نے کہا۔ اے بنت رسول! میں آپ کو ایک ترکیب بتاتی ہوں۔ جو میں نے "حبشہ" میں دیکھی ہے۔ یہ کہہ کر "اسماء" نے کھجور کی گیلی ٹہنیاں منگوائیں۔ انہیں جھکا کر آپس میں ان کے سرے ملا دیئے۔ پھر ان پر کپڑا ڈالا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھ کر فرمایا۔ کیا خوب ہے۔ اور کس قدر اچھی ہے۔ اس طرح کرنے سے عورت اور مرد کے جنازے کی پہچان نہیں ہو سکتی پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جب میرا انتقال ہو۔ تو اے اسماء! مجھے تم ہی غسل دینا۔ کسی دوسرے کو ہرگز نہ آنے دینا۔

مقام غور رہا۔

"اسماء بنت عمیس" رضی اللہ عنہا جن سے یہ روایت مذکور ہوئی۔ وہ

پاکباز اور خوش قسمت خاتون ہیں۔ جن کا عقد ابتدا میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ جب آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں۔ تیمارداری کا واقعہ اس دور کا ہے۔ جب یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ صدیق اکبر کے وصال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عقد میں آئیں۔

اس پاک باز عورت کے حوالے سے بہت سی باتیں وضاحت سے سامنے آجاتی ہیں۔ جن میں شیعہ حضرات نے بہت دھوکہ کھایا۔ اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔

۱۔ اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے تا دم آخر ین ناراض رہیں۔ اور ان سے کلام تک کرنا گوارا نہ فرمایا۔ تو کیا ان کی ہمہ وقت تیمارداری کے لیے ایسی عورت کو منتخب کیا گیا۔ جو معاذ اللہ ان کے دشمن اور ’’غاصب فدک،، کی زوجہ تھیں۔

۲۔ اس کے برعکس اگر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سیدہ سے کوئی رنجش تھی۔ اور انہیں دیکھنا گوارا نہ کرتے تھے۔ تو ایسی صورت میں اپنی زوجہ کو ان کی تیمارداری کرنے کی اجازت دینا کس طرح درست سمجھتے تھے۔؟

۳۔ اگر یہ نیک بخت بیوی جانتی۔ کہ میرے خاوند (ابو بکر صدیق) اور بنت رسول کے درمیان قطع کلامی ہے۔ اور ایک دوسرے سے ناراض ہیں۔ تو خاوند کی دشمن کی تیمارداری کیوں کرتیں؟

۴۔ اگر صدیق اکبر معاملہ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق خلافت کے غاصب تھے۔ تو اس غاصب کے مرنے کے بعد ان کی زوجہ سے شادی کیوں کی؟

لہذا معلوم ہوا۔ کہ زوجہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت "اسماء بنت عمیس،، کا ایام علالت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی متواتر دیکھ بھال اور تیمارداری کرنا اپنے خاوند کی اجازت اور مرضی سے تھا۔ اگر اس میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اجازت اور رضامندی نہ ہوتی۔ تو کوئی مسلمان عورت ایسی صورت میں کبھی بھی گھر سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی۔ جب ثابت ہوا۔ کہ یہ سب کچھ باہمی رضامندی سے تھا۔ تو اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ کے ذریعہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی علالت کا لمحہ بہ لمحہ علم رکھتے ہوں گے۔ اور وفات سیدہ کا بھی یقینی طور پر پتہ چل گیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض معتبر روایات سے ثابت ہے، کہ حضرت خاتونِ جنت کی نماز جنازہ بھی خلیفہ رسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

امر ثانی کا جواب:۔

قارئین کرام کی یاددہانی کے لیے اس امر کے ضمن میں ہم ایک اصولی بات عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ میں کسی شخص کا بالتخصیص شریک ہونا نہ فرض تھا نہ واجب۔ بلکہ ایک میت کے لیے کسی مخصوص آدمی کی شرکت کوئی ضروری نہیں۔ کہ جس کی حاضری کے بغیر وہ گناہگار ٹھہرتا ہو۔ اگر بالفرض شیعہ لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کے جنازے میں ہر فرد کی شرکت فرض تھی۔ اور جو شخص نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوا۔ اس کی یہ غلطی ایسی ہو۔ کہ اس کی بنا پر اس پر زبان طعن دراز کرنی جائز ہو جائے۔ تو پھر ان سے پوچھا جا سکتا ہے۔ کہ تمہاری روایات کے مطابق صرف سات آدمی سیدہ کی نماز جنازہ میں شریک تھے۔ تو ان سات کے علاوہ دیگر صحابہ کرام کے بارے

میں تم لوگوں کا کیا ردِ عمل ہو گا۔

چنانچہ شیعہ حضرات کی معتبر کتاب "جلاء العیون" کی عبارت ملاحظہ ہو۔

سیدہ فاطمہ کا جنازہ صرف سات آدمیوں نے پڑھا

جلاء العیون:۔

از حضرت امیر المومنین صلوٰۃ اللہ علیہ روایت کردہ است۔ کہ ہفت کس بر جنازۂ حضرت فاطمہ نماز کردند۔ ابوذر سلمان، حذیفہ، عبداللہ بن مسعود، مقداد و من امام ایشان بودم۔

(جلاء العیون جلد اول ص ۲۴۳ مطبوعہ تہران تذکرہ دفن آنحضرت)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔ کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ میں صرف سات آدمی شریک تھے۔ ابوذر، سلمان، حذیفہ، عبداللہ بن مسعود۔ مقداد۔ اور میں ان کا امام بنا۔ اور نماز پڑھائی۔

جلاء العیون:۔

"جب رات ہوئی۔ جناب امیر نے عباس اور فضل ابن عباس و سلمان و مقداد و ابوذر و عمار کو بلایا۔ اور جناب فاطمہ پر نماز پڑھی۔ اور دفن کر دیا"

(جلاء العیون جلد اول مترجم ص ۲۷۸)

"جلاء العیون" کی دونوں روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ سیدہ کی نماز جنازہ میں سات آدمی شریک ہوئے۔ جن کے اسماء گرامی بھی دیئے

گئے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ان کے علاوہ کئی جلیل القدر صحابہ اس وقت موجود تھے۔ لیکن انہوں نے شرکت نہ فرمائی۔ مثلاً امام حسن، حسین، عبداللہ بن عباس، عقیل بن ابی طالب جعفر بن ابن طالب۔ سعد بن عبادہ، ابوایوب انصاری، ابوسعید خدری، سہل بن حنیف، بلال، صہیب براء بن عازب، ابورافع رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان بارہ حضرات کو خود شیعہ بھی قابل احترام شخصیات مانتے ہیں۔ اور ان کی جلالتِ قدر کے قائل ہیں۔

توسوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر صدیق اکبر بالفرض حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شریک نہ ہوئے۔ اور یہ بھی فرض کر لیجئے۔ کہ ان کی عدم شرکت بوجہ ناراضگی تھی۔ تو ان بارہ حضرات کے بارے میں شیعہ حضرات کیا کہیں گے۔ کیونکہ سیدہ کی نماز جنازہ میں یہ بھی شریک نہیں ہوئے۔ کیا سیدہ ان سے بھی ناراض تھیں؟ کیا ان کے بارے میں بھی سیدہ نے وصیت کر دی تھی۔ کہ میرے جنازے میں یہ شریک نہ ہوں۔ جن میں ان کے حقیقی بیٹے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ سیدہ کی نماز جنازہ میں شرکت یا عدم شرکت کو رضامندی یا ناراضگی کی بنیاد بنانا غلط ہے۔ کیونکہ اس طرح کہنا پڑے گا۔ کہ ان بارہ افراد سے بھی سیدہ ناراض تھیں۔ یعنی امام حسن حسین اور عبداللہ بن عباس سے بھی ناراض تھیں۔ اگر ان کی عدم شرکت ناراضگی کی بناپر نہ تھی۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عدم شرکت بھی اسی قاعدے کے تحت آنی چاہیئے۔ اس لیے اس کو ناراضگی کے اسباب میں ذکر کرنا لغو اور باطل ہے۔

☆

امامت صلوٰۃ کے لیے اسلامی قانون

شریعت میں پنجگانہ نماز اور نماز جنازہ کے لیے قانون یہ ہے۔ کہ ان کی امامت کا اولین حقدار امام وقت یا خلیفہ وقت ہوتا ہے۔ اگر وہ موجود نہ ہو۔ تو اس کی طرف سے مقرر کردہ شخص اس منصب کا حق دار ہے۔ اس قانون کے لیے شیعہ حضرات کی کتب سے ان کی تسلی کے لیے حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں۔

حوالہ نمبر (۱):۔

فروع کافی:۔

عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَۃَ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنِ الْقَوْمِ مِنْ اَصْحَابِنَا یَجْتَمِعُوْنَ فَتَحْضُرُ الصَّلٰوۃُ فَیَقُوْلُ بَعْضُہُمْ لِبَعْضٍ تَقَدَّمْ یَا فُلَانُ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَتَقَدَّمُ الْقَوْمَ اَقْرَاُھُمْ لِلْقُرْاٰنِ فَاِنْ کَانُوْا فِی الْقِرَاۃِ سَوَآءً فَاَقْدَمُھُمْ ھِجْرَۃً فَاِنْ کَانُوْا فِی الْھِجْرَۃِ سَوَآءً فَاَکْبَرُھُمْ سِنًّا۔

(فروع کافی جلد ۳ ص ۳۷۶ کتاب الصلوٰۃ طبع جدید تہران)

ترجمہ:

ابوعبیدہ سے روایت ہے۔ کہ میں نے امام باقر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا۔ کہ آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ ہماری قوم کے کچھ افراد جمع تھے۔ نماز کا وقت آگیا۔ ایک دوسرے کو کہنے لگا۔ تم آگے بڑھو۔ اور ہمیں نماز پڑھاؤ۔ (یعنی آپ فرمائیں۔ اس بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے۔ کہ لوگوں میں سے امامت کس کو کرانی چاہیئے) تو امام موصوف نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لوگوں میں امامت کے لیے آگے وہ آئے۔ جو ان میں قرآن کا زیادہ پڑھنے والا ہو۔ اگر سبھی قرآن پڑھنے میں برابر ہوں۔ تو اُن میں سے وہ جو ہجرت میں مقدم ہے۔ آگے بڑھے۔ اگر ہجرت میں سب برابر ہوں۔ تو عمر میں بڑا شخص امامت کا زیادہ مستحق ہے۔

حوالہ نمبر (۲):

امالی شیخ صدوق:

وَ اَوْلَی النَّاسِ بِالتَّقَدُّمِ فِیْ جَمَاعَةٍ اَقْرَأُهُمْ لِلْقُرْاٰنِ فَاِنْ كَانُوْا فِی الْقُرْاٰنِ سَوَآءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ كَانُوْا فِی الْهِجْرَةِ سَوَآءً فَاَسَنُّهُمْ

(امالی شیخ صدوق ص ۳۸۲ المجلس الثالث التسعون)

عبارت مذکورہ بالا کا ترجمہ وہی ہے جو ابھی گزرا۔

حوالہ نمبر ۳:

شرح لمعہ:

فَاِنْ تَسَاوَوْا فِي الْفِقْهِ وَالْقِرَاءَةِ فَالْاَقْدَمُ هِجْرَةً مِنْ دَارِ الْحَرْبِ اِلٰى دَارِ السَّلَامِ ..... فَاِنْ تَسَاوَوْا فِي ذَالِكَ فَالْاَسَنُّ مُطْلَقًا...... وَالْاِمَامُ الرَّاتِبُ فِي مَسْجِدٍ مَخْصُوصٍ اَوْلٰى مِنَ الْجَمِيْعِ لَوِ اجْتَمَعُوْا وَكَذَا صَاحِبُ الْمَنْزِلِ اَوْلٰى مِنْهُمْ وَمِنَ الرَّاتِبِ وَصَاحِبُ الْاِمَارَةِ فِي اِمَارَتِهٖ اَوْلٰى مِنْ جَمِيْعِ مَا ذُكِرَ

(شرح لمعہ جلد اول صفحہ ۱۰۱ کتاب صلوۃ فصل الحادی عشر فی الجماعۃ طبع تبریز طبع جدید۔

ترجمہ، اگر حاضرین فقہ اور قرأت میں برابر ہوں تو پھر ان میں امامت کا مستحق وہ شخص ہوگا جو دارالحرب سے دارالسلام کی طرف ہجرت کرنے میں مقدم ہو۔ اگر اس وصف (ہجرت) میں سب برابر ہوں تو مطلقاً عمر رسیدہ آدمی ....
اور کسی مخصوص مسجد کا مقرر کردہ امام ان تمام سے زیادہ حق دار ہے اور گھر کا مالک ان تمام اور مخصوص مسجد کے امام سے بہتر ہے اور خلیفہ وقت اپنی حکومت میں ان تمام سے بہتر ہے۔

حوالہ نمبر ۴:

فروع کافی:

علی بن ابراھیم عن ابیہ عن محمد بن یحییٰ عن طلحۃ بن زید عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ

قَالَ اِذَا حَضَرَ الْاِمَامُ الْجَنَازَةَ فَهُوَ اَحَقُّ النَّاسِ بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهَا۔

(فروع کافی کِتَابُ الْجَنَائِزِ بَابُ مَنْ اَوْلَى النَّاسِ بِالصَّلٰوةِ عَلَى الْمَيِّتِ جلد ۳ صفحہ ۱۷۷ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب جنازہ پر امام موجود ہو تو وہ بقیہ تمام لوگوں سے اس کی نماز پڑھانے کے لیے بہتر ہے۔

مندرجہ بالا روایات سے چند امور بالصراحت ثابت ہوئے:

۱۔ جماعت کے وقت اگر حاضرین میں کوئی زیادہ قرأت قرآن والا ہے تو وہ ان میں سے زیادہ حقدار ہے۔

۲۔ اگر قرأتِ قرآن میں سب مساوی ہوں تو مقدم فی الہجرت اولیٰ ہے۔

۳۔ اگر تمام کے تمام ہجرت میں برابر ہوں تو عمر رسیدہ بہتر ہے۔

۴۔ اگر سب ہی ان اوصاف (قرأت، تقدم فی الہجرت، عمر) میں مساوی ہوں تو اگر اس مسجد کا مخصوص امام ہو۔ وہ زیادہ حق دار ہے۔

۵۔ مذکورہ تمام افراد کی موجودگی میں اگر خلیفۂ وقت اور امامِ وقت ہو تو وہ سب سے اولیٰ ہے

۶۔ نمازِ پنجگانہ ہو یا نمازِ جنازہ ان کی امامت کے استحقاق کی یہی ترتیب ہے۔ ان میں کوئی فرق نہیں۔

خلاصہ کلام:

امیر المومنین اور خلیفۂ وقت اگر کسی جماعت کے افراد میں موجود ہو تو امام جعفر

کے فرمان کے مطابق وہی مصلّٰی امامت پر کھڑا ہونے کا سب سے زیادہ مستحق ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی یہی ارشاد فرمایا ؛

قَالَ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلْوَالِی اَحَقُّ بِالصَّلٰوۃِ عَلَی الْجَنَازَۃِ مِنْ وَّلِیِّھَا۔

(قرب الاسناد مع الاشعثیات صفحہ ۲۱۰ جلد دوم باب من احق بالصلوۃ علی المیت مطبوعہ طہران طبع جدید)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کسی کی نمازِ جنازہ میں میت کا ولی اور امیرالمومنین خلیفۂ وقت دونوں موجود ہوں تو ان میں سے خلیفہ وقت نمازِ جنازہ پڑھانے کی اولویت رکھتا ہے یعنی امیرالمومنین کا حق زیادہ ہے۔

اسلامی قانون کے مطابق سیدہ فاطمہ کے جنازہ کی امامت کے سب سے زیادہ حقدار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

جب ہم شیعہ حضرات کی کتب سے چند حوالہ جات پیش کر چکے ہیں جن میں امامت کے لیے بہتر اشخاص کی ترتیب کا ذکر ہے تو اسی ترتیب کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ کے بارے میں سوچ کر فیصلہ کرتے ہیں کہ سیدہ کی نماز جنازہ کی امامت کا زیادہ حق دار کون تھا ؛

اہل بیت کے مذکورہ اصول کے مطابق اس منصب کے لیے سب سے اولیٰ شخصیت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے ۔کیونکہ سب موجودین میں مقدم فی الہجرت آپ ہی تھے اور آپ کی ہجرت وہ عظیم الشان مرتبت والی ہے کہ جس کو شخصی طور پر "منصوص من اللہ" ہونے کی سعادت حاصل ہے ۔ پھر آپ کی ہجرت امام الانبیاء کی معیت میں عمل میں آئی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ میں شریک حاضرین میں سے عمر کے اعتبار سے آپ سب سے زیادہ عمر والے تھے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے محلہ میں واقعہ مسجد "مسجد نبوی" کے امام بھی صدیقِ اکبر ہی تھے۔

اور سب سے افضل وصف کہ آپ وقت کے خلیفہ اور مومنین کے امیر بھی تھے جن کی موجودگی میں "ولیِ میت" بھی اولویت سے محروم ہو جاتا ہے۔

حضراتِ ناظرین! آپ غور فرمائیں جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اس دن وقت کا خلیفہ وہیں موجود تھا جس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آپ (صدیقِ اکبر) نے فوتیدگی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تعزیت کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نمازِ جنازہ میں موجود ہوں گے تو پھر ایسی جامع صفاتِ اولویت کے ہوتے ہوئے دوسرا کون اس بات کا حق رکھتا ہے کہ مصلیٰ امامت پر کھڑا ہو کر نماز پڑھائے کیونکہ شیعہ کتب کے حوالہ جات سے آپ سے بڑھ کر کون زیادہ مستحق ہو سکتا تھا۔ اسی لیے مستند احادیث میں موجود ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ کی امامت حضرت خلیفۃ المومنین سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمائی۔

جنازۂ فاطمہؓ میں امامتِ صدیق اکبرؓ

طبقات ابن سعد: اَخْبَرَنَا شَبَابَہ ابن سوار حدثنا عبد الاعلی بن ابی المساور عن حماد عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ صَلّٰى اَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّيْقُ عَلٰى فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ عَلَيْهَا اَرْبَعًا۔

۱۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۲۹ ذکر بناتِ رسول)

۲۔ (کنز العمال ص ۳۰۹ جلد ۱۵ حرف المیم کتاب الموت)

ترجمہ: حماد بن ابراہیم سے روایت ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ کی امامت کرائی اور آپ نے چار تکبیریں کہیں

کنز العمال:

عَنْ جَعْفَرَ ابْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ مَاتَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فَجَاءَ اَبُوْبَکْرٍ وَّ عُمَرُ لِیُصَلُّوْا، فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ لِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ تَقَدَّمْ فَقَالَ مَا کُنْتُ لِاَتَقَدَّمَ وَ اَنْتَ خَلِیْفَةُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتَقَدَّمَ اَبُوْبَکْرٍ وَّصَلّٰی عَلَیْهَا۔

(کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۶۶)

ترجمہ: حضرت جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو ابوبکر و عمر دونوں نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے آئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا آپ مصلّٰی امامت پہ تشریف لے چلیے تو حضرت علی نے کہا آپ رسول اللہ کے خلیفہ ہیں آپ کی موجودگی میں میں کیسے آگے بڑھ سکتا ہوں تو پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور سیدہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیان کردہ قانون کے مطابق حضرت صدیق اکبر کو امامت کے لیے آگے بڑھنے کو کہا کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جناب صدیق کو خلیفہ رسول سمجھتے تھے اور کہتے تھے تو صدیق اکبر نے آگے بڑھ کر نمازِ جنازہ پڑھائی۔

امام حسین نے سُنّت سمجھتے ہوئے امام حسن اور سیدہ اُمِ کلثوم کا جنازہ حاکم وقت سے پڑھوایا۔

اسی قانون کی تائید امام حسین رضی اللہ عنہ کے قول و فعل سے بھی ثابت ہوتی ہے جب امام حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو باوجود اس کے کہ آپ "ولی میت" تھے اور دیگر اوصاف کے مالک بھی تھے لیکن مصلی امامت پر سعید بن العاص والی مدینہ کو کھڑا کیا اور فرمایا:

اگر نماز میں حاکم وقت کی امامت کا دستور نہ ہوتا تو میں تمہیں ہرگز امامت نہ کرنے دیتا۔"

حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

کشف الغمۃ:

قَدْ تَقَدَّمَ اَنَّ سَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ صَلّٰى عَلَى الْحَسَنِ لِاَنَّهٗ كَانَ وَلِيًّا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْمَدِيْنَةِ۔

(کشف الغمہ جلد اول صفحہ ۵۸۶ طبع تبریز فی تذکرۃ شہادت حسن رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سعید بن العاص نے امام حسن کی نماز جنازہ پڑھائی کیوں کہ یہ ان دنوں مدینہ کے گورنر تھے۔

مقاتل الطالبیین:

حدثنی محمد بن الحسین الاشنانی قال حدثنا عبداللہ ابن الوضاح قال حدثنی بن یمان عن الثوری عن سالم بن ابی حفصۃ عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ اَنَّ الْحُسَیْنَ بْنَ

عَلِیٍّ قَدَّمَ سَعِیْدَ بْنَ الْعَاصِ لِلصَّلٰوۃِ عَلَی الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ وَقَالَ تَقَدَّمْ فَلَوْلَا اَنَّهَا سُنَّةٌ مَا قَدَّمْتُكَ

(مقاتل الطالبین مصنفہ ابو فرج اصفہانی شیعی صفحہ ۷۷،
طبع بیروت ذکر حسین بن علی)

ترجمہ: بے شک امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے امام حسن کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے سعید بن العاص کو آگے کیا اور کہا آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں اور فرمایا اگر اسی طرح دستور نہ ہوتا تو میں تمہیں آگے نہ کرتا۔

ابن حدید شرح نہج البلاغہ:

قَالَ اَبُو الْفَرَجِ وَقَالَ جُوَیْرِیَّةُ بْنُ سَمَاءٍ لَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ وَاَخْرَجُوْا جَنَازَتَهٗ جَاءَ مَرْوَانُ حَتّٰی دَخَلَ تَحْتَهٗ فَحَمَلَ سَرِیْرَهٗ فَقَالَ لَهُ الْحُسَیْنُ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَتَحْمِلُ الْیَوْمَ سَرِیْرَهٗ وَبِالْاَمْسِ كُنْتَ تُجَرِّعُهُ الْغَیْظَ قَالَ مَرْوَانُ كُنْتُ اَفْعَلُ ذَالِكَ بِمَنْ یُوَازِنُ حِلْمُهُ الْجِبَالَ قَالَ وَقَدَّمَ الْحُسَیْنُ عَلَیْهِ السَّلَامُ لِلصَّلٰوۃِ عَلَیْهِ سَعِیْدَ بْنَ الْعَاصِ وَهُوَ یَوْمَئِذٍ اَمِیْرُ الْمَدِیْنَةِ وَقَالَ تَقَدَّمْ فَلَوْلَا سُنَّةٌ لَمَا قَدَّمْتُكَ۔

(ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد ۴ صفحہ ۱۸ فی فصل مارثی بہ الحسن
وشرح الفاظ الفضل)

ترجمہ: جب امام حسن کا انتقال ہوا اور ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو مروان نے آکر کندھا دیا یہ دیکھ کر امام حسین علیہ السلام نے مروان کو کہا آج کندھا دے رہے ہو اور کل انہیں پانی کی طرح غصہ پلاتے تھے۔ مروان نے کہا میں

یہ معاملہ اس شخص کے ساتھ کرتا تھا جو بُردباری میں پہاڑ کی مانند تھا۔ امام حسین نے نماز جنازہ کے لیے سعید بن العاص گورنر مدینہ کو آگے کیا اور کہا نماز پڑھاؤ اگر یہ سُنّت نہ ہوتی تو میں نہیں آگے نہ کرتا۔

کتاب الجعفریات:

عن جعفر بن محمد عن ابیہ لَمَّا تُوُفِّیَتْ اُمُّ کُلْثُومٍ بِنْتُ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَامُ خَرَجَ مَرْوَانُ ابْنُ الْحَکَمِ وَھُوَ اَمِیْرٌ یَوْمَئِذٍ عَلَی الْمَدِیْنَۃِ فَقَالَ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَوْلَا السُّنَّۃُ مَا تَرَکْتُہٗ یُصَلِّیْ عَلَیْھَا۔

(کتاب الجعفریات صفحہ ۲۱۰ باب من احق بالصلوٰۃ علی المیت
قرب الاسناد جلد دوم صفحہ ۲۱ باب من احق بالصلوٰۃ علی المیت

ترجمہ: امام باقر فرماتے ہیں جب ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ کا انتقال ہوا تو اس وقت مدینہ کا حاکم "مروان بن حکم" نماز جنازہ کے لیے (امامت کے لیے) نکلا تو امام حسین بن علی نے کہا۔ اگر طریقہ شرعی یہ نہ ہوتا تو میں تمہیں اس کی نماز جنازہ نہ پڑھانے دیتا۔

منتہی الآمال:

در عمدۃ المطالب است کہ عبداللہ بن جعفر در سنہ ۸۰ ھ در مدینہ وفات کرد ابان بن عثمان بن عفان بر وے نماز گزاشت و در بقیع مدفون شد وقولے است کہ در ابواء وفات کرد سنہ ۹۰ ھ و سلیمان بن عبدالملک

مردان برادنماز گزاشت و درآنجا دفن شد ۔

(منتہی الامال مصنفہ شیخ عباس قمی جلد اوّل صفحہ ۲۳۹ ذکر عبداللہ بن جعفر طیار)

ترجمہ: عمدۃ المطالب" میں ہے کہ سنہ [illegible] ھ میں جب عبداللہ بن جعفر کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا تو ابان بن عثمان بن عفان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں دفنائے گئے ۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سنہ ۹۰ھ میں مقام ابوا میں انتقال فرمایا اور سلیمان بن عبدالملک مروان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہیں دفنائے گئے ۔

تنبیہ :

کتب شیعہ کے مذکورہ حوالہ جات نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ طبقات ابن سعد اور کامل ابن اثیر کی روایات معتبر اور صحیح ہیں اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ ائمہ اہل بیت کا یہی دستور رہا کہ اپنے افراد کی نماز جنازہ اس سے پڑھواتے جو وقت کا حاکم ہوتا اور یہ اس لیے کرتے تھے کہ سنت یہی طریقہ تھا کیوں کہ حضرت علی المرتضیٰ کا قول و فعل یہی تھا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ تو پڑھی نہیں گئی نہ اس کی ضرورت تھی ۔ آپ کے بعد سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ کے لیے حضرت ابوبکر صدیق کو آگے کیا تو انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی ۔ یہ وہ سنت ہے جس کا اعلان امام حسین نے سعید بن العاص کے امام بنانے پر کیا اور یہی وہ سُنّت ہے جس پر ام کلثوم کے جنازہ کی نماز کے وقت عمل کیا گیا ۔

اسی سُنّت کے بارے میں امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر سنت نہ ہوتی تو تمہیں (سعید بن العاص و مروان بن حکم کو) نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت نہ دیتا ۔

باب

کُتبِ شیعہ سے سیّدنا صدّیق اکبر کی اہلبیت سے مُحبّت وعقیدت کے حوالہ جات

حوالہ نمبر ۱:

حق الیقین ، صدیق اکبرؓ کی سیدہ فاطمہؓ سے بے پناہ عقیدت

ابوبکر گفت ای حبیبۂ رسولِ خدا من صلہ قرابتِ رسول را دوست ترمیدارم از صلہ قرابت خود و من آرزو میکنم کہ کاشکی روزے پدر تو مردن میمردم و بعد از وفات او نمی ماندم آیا گمان داری کہ من ترا نشناسم و حق ترا دانم و میراث ترا از حضرت رسول (ص) بتو ندہم من شنیدم از رسول خدا (ص) کہ ما گروہ انبیاء میراث نداریم آنچہ از ما می ماند صدقہ است۔ فاطمہ گفت اگر من حدیثے از رسولِ خدا نقل کنم آیا اقرار بآں میکنید گفتند بلی فرمود کہ قسم میدہم شمارا بخدا اگر نشنیدید از آنحضرت کہ گفت رضائے فاطمہ از رضائے من است و سخط فاطمہ از سخط من است وہر کہ فاطمہ دختر من را دوست دارد پس بتحقیق کہ مرا دوست داشتہ است وہر کہ راضی کند فاطمہ را بتحقیق کہ مرا راضی گردانیدہ وہر کہ بخشم آورد فاطمہ را بتحقیق کہ مرا بخشم آوردہ ، گفتند بلی شنیدیم ایں را از رسولِ خدا ، فاطمہ گفت پس من خدارا وملائکہ را گواہ میگیرم کہ شما مرا بخشم آوردید و مرا خوشنود نگردانید و اگر رسولِ

خدارا ملاقات کنم شکایت شمارا خواہم کرد۔ باو ابوبکر گفت پناہ می برم بخدا از سخط او واز سخط تو اے فاطمہ پس ابوبکر آنقدر گریست بر خود کہ نزدیک بود ہلاک شود فاطمہ گفت بخدا کہ نفرین خواہم کرد ترا در ہر نماز ے ابوبکر گفت من دعا خواہم کرد از برائے تو در ہر نمازی پس گریاں بیروں آمد ابوبکر بامردم گفت شما ہر یک می روید با حلیلہ خود خوشحال می خوابید ومرا بایں حال میگذارید مرا احتیاجے نیست بیعت شما اقالہ کنید بیعت مرا گفتند اے خلیفہ رسول اللہ ایں امر مستقیم نمی شود بدوں تو واگر اقالہ کنی دین خدا بر پا نمی شود ابوبکر گفت اگر نہ ترس ایں بود واآنکہ میترسم عروۂ اسلام سست شود ہر آئینہ یکشب با بیعت شما نمی خوابیدم بعد از آنچہ شنیدم ودیدم از فاطمہ۔

(حق الیقین صفحہ ۱۱۴-۱۱۵ باب پنجم در طعن خلافت غاصبین)

ترجمہ:

ابوبکر صدیق نے کہا اے رسول خدا کی لاڈلی! میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت سے صلہ رحمی کو اپنی قرابت کی صلہ رحمی سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں ہائے افسوس! جس دن تمہارے والد رخصت ہوئے میں مرجاتا ان کے وصال کے بعد میں نہ رہتا۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں اور تمہارا حق بھی جانتا ہوں اس کے باوجود تمہیں میراث رسول نہیں دوں گا (ایسا نہیں ہوسکتا) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ہم گروہ انبیاء کی میراث نہیں ہوتی ہمارا سب کچھ صدقہ ہوتا ہے۔ فاطمہ نے کہا اگر میں ایک حدیث رسول بیان کروں تو کیا اسے مان لوگے۔ کہا کیوں نہیں۔ فرمایا میں تمہیں قسم دلاکر پوچھتی ہوں کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا کہ فاطمہ کی خوشی میری خوشی سے ہے اس کی ناراضگی میری ناراضگی ہے جس نے میری بیٹی فاطمہ کو محبوب رکھا

تحقیق اس نے مجھے محبوب رکھا۔ جس نے فاطمہ کو راضی کیا یقیناً اس نے مجھے راضی کیا۔ جس نے فاطمہ کو غصہ دلایا اس نے مجھے غصہ دلایا۔ ابو بکر صدیق نے کہا ہاں ضرور سنا ہے۔ سیدہ نے کہا میں اللہ اور اس کے فرشتوں کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم نے مجھے غصہ دلایا اور مجھے راضی نہیں رکھا۔ اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو تمہاری شکایت کروں گی۔ ابو بکر نے انہیں کہا! تمہاری ناراضگی سے اللہ کی اور تمہاری پناہ چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر صدیقِ اکبر اتنا روئے کہ قریب تھا ہلاک ہو جاتے۔ فاطمہ نے کہا۔ اللہ کی قسم! میں ہر دُعا میں تم پر نفرت کے کلمات کہتی ہوں۔ ابو بکر نے کہا میں ہر نماز میں تمہارے لیے دُعا کرتا ہوں۔ پھر روتے ہوئے ابو بکر نے لوگوں سے کہا تم میں سے ہر ایک اپنی بیوی کے پاس چلا جاتا ہے اور خوش رہتا ہے اور آرام سے جا کر سو جاتا ہے اور مجھے اس حال میں چھوڑ کر چلے جاتے ہو۔ تمہاری بیعت کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ میری بیعت توڑ دو۔ لوگوں نے کہا اے خلیفۂ رسول یہ کام آپ کے بغیر درست نہ رہ سکے گا۔ اگر آپ بیعت توڑتے ہیں تو اللہ کا دین قائم نہ رہ سکے گا۔ ابو بکر نے کہا اگر اس بات کا خطرہ نہ ہوتا کہ اسلام کی کامیابی ماند پڑ جائے گی اور جو کچھ میں نے دخترِ رسول سے سُنا تو اس کے بعد میں تمہاری بیعت کے ساتھ ایک رات بھی آرام نہ کرتا۔

حوالہ نمبر ۲:

حق الیقین:

امراں و احوال خود را از تو مضائقہ ندارم آنچہ خواہی بگیر تو سیدۂ امت پدر خودی و شجرۂ طیبہ از برائے فرزندانِ خود انکار فضل تو کسے نمی تواند کرد

وحکم تو نافذ است در مالِ من۔ اما در اموالِ مسلمانان مخالفت گفتۂ پدر تو نمی توانم کرد۔

(۱) بیت الاحزان ص۱۲۶ (شیخ عباسی قمی) بالفاظ مختلفہ

(۲) حق الیقین صفحہ ۲۰۱ باب پنجم احتجاج حضرت فاطمہ با ابوبکر در امرِ فدک)

(۳) ناسخ التواریخ زندگانی فاطمہ ص۱۴۸

ترجمہ: میں اپنا مال ومنال آپ سے دور نہیں رکھتا۔ ان میں سے جو آپ کی مرضی ہے لے سکتی ہیں۔ آپ اپنے والد کی امت کی سردار ہیں اور اپنے بچوں کے لیے شجرہ طیبہ ہیں۔ آپ کی فضیلت کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اور آپ کا حکم میرے ذاتی مال میں نافذ ہے لیکن مسلمانوں کے اجتماعی مال میں آپ کے والد گرامی کے ارشاد کی میں مخالفت نہیں کر سکتا۔

خلاصہ کلام:

"حق الیقین" کی مذکورہ دونوں عبارتوں میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اقوال سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ جناب صدیق کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دختر نیک اختر سے انتہائی عقیدت و محبت تھی۔ اسی لیے فرمایا:

۱۔ کاش میں اس وقت مر جاتا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے اور ان کی جگہ میری موت واقع ہو جاتی۔

۲۔ سیدہ! آپ کی شان کو پہچانتے ہوئے اور آپ کے حق کو جانتے ہوئے میں تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے کیسے روک سکتا ہوں جب کہ میں آپ کو اپنے مال میں تصرف کا کلی اختیار دیتا ہوں لیکن مجھے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا پاس ہے۔ آپ نے فرمایا ہماری میراث نہیں ہوتی بلکہ ہمارا سب کچھ چھوڑا ہوا صدقہ ہوتا ہے۔

۴ : سیدہ نے جب اپنے مقام و مرتبہ کے پیشِ نظر صدیقِ اکبر کو اپنے گھر کا غلام سمجھتے ہوئے ناراضگی کا اظہار کیا جو شرعاً قابلِ گرفت نہ تھا لیکن اس کے باوجود صدیقِ اکبر کا یہ عالم تھا کہ روتے روتے قریب الموت ہو گئے اور سیدہ سے رخصتی کے بعد خلافت سے دستبرداری کا تہیہ کر لیا لیکن صحابہ کرام نے ایسے وقت خلافت سے دستبرداری کو اسلام کے لیے عظیم نقصان دہ قرار دیا تو اس مجبوری کے تحت دستبرداری تو نہ کی لیکن سیدہ کی ناراضگی کا اتنا اثر تبلایا کہ فرمایا میں اس ناراضگی کے ہوتے ہوئے ایک رات بھی خلافت میں گزار نہیں سکتا۔

حوالہ نمبر ۳ :

کشف الغمہ :

عن عتبۃ بن الحرث قَالَ خَرَجْتُ مَعَ اَبِی بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بَعْدَ وَفَاۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِلَیَالٍ وَعَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَمْشِیْ عَلٰی جَنْبِہٖ فَمَرَّ بِحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ یَلْعَبُ مَعَ غِلْمَانٍ فَاحْتَمَلَہٗ عَلٰی رَقَبَتِہٖ وَھُوَ یَقُوْلُ بِاَبِیْ شَبِیْہٌ بِالنَّبِیِّ لَیْسَ شَبِیْھًا بِعَلِیٍّ قَالَ وَعَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَضْحَکُ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ مطبوعہ تبریز صفحہ ۵۵ جلد اول تذکرہ امام حسن فی فضائلہ)

ترجمہ : عقبہ بن حرث کہتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کئی دن بعد صدیقِ اکبر کے ہمراہ باہر نکلا اور حضرت علی ان کے ایک پہلو میں چل رہے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر حسن بن علی کے پاس سے ہوا۔ وہ اس وقت بچوں

کے ساتھ کھیل رہے تھے تو صدیقِ اکبر نے انہیں گردن (کندھوں) پر اُٹھا لیا

اور کہنے لگے میرا باپ قربان: یہ بچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شبیہ ہے۔ علی

کا شبیہ نہیں۔ یہ سُن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنس رہے تھے۔

نوٹ:

کشف الغمہ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو امام حسن رضی اللہ عنہ سے اتنا پیار تھا جتنا کسی محبِ خالص کو ہوتا ہے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضور کا وصال ہو چکا تھا اور سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہو چکے تھے۔ خلیفۂ رسول اور امیر المومنین ہوتے ہوئے اپنا مقام و مرتبہ کا خیال نہ کیا۔ بلکہ محبت اہلِ بیت نے اس قدر غلبہ کیا کہ امام حسن کو کندھوں پر اٹھا لیا اور یہ شعر پڑھا:

بِاَبِیْ شَبِیْہٌ بِالنَّبِیّ

لَیْسَ شَبِیْہًا بِعَلِیّ

اس قسم کا کام اسی شخص سے وقوع پذیر ہوتا ہے جو محبِ صادق ہو

بناوٹی محب سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی کیوں کہ بناوٹی محب نے امام حسن کو کندھوں پہ بٹھانے کی بجائے ان کے نیچے سے مصلّٰی بھی کھینچ لیا اور نیزہ مار کر ان کی ران کو خون آلود کر دیا اور ان کا مال و اسباب بھی لوٹ لیا۔ اعتبار نہ ہو تو کشف الغمہ کی عبارت دیکھ لیجیے۔

کشف الغمۃ:

فَانْتَهَبُوْا حَتّٰی اَخَذُوْا مُصَلّٰی مِنْ تَحْتِهٖ ثُمَّ شَدَّ عَلَیْهِ رَجُلٌ یُقَالُ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَطَعَنَ فِیْ فَخِذِهٖ فَشَقَّهٗ حَتّٰی بَلَغَ الْعَظْمَ۔

۱۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اوّل صفحہ ۵۴۰ مطبوعہ تبریز باب

فی صلحہ مع معاویہ

۲۔ احتجاج طبرسی جلد دوم صفحہ ۱۰ طبع جدید احتجاج حسن علیٰ من انکر علیہ مصالحۃ معاویۃ۔

۳۔ احتجاج طبرسی صفحہ ۱۵۷ طبع قدیم احتجاج حسن بن علی علیٰ معاویۃ

ترجمہ: انہوں نے (شیعوں نے) آپ کے مال کو لوٹا۔ آپ کے نیچے سے مصلیٰ کھینچ لیا۔ ایک آدمی (شیعہ) نے آپ کی ران میں نیزا مارا جو ہڈی تک پہنچ گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق پر اہلبیت کا اعتماد و یقین

حوالہ نمبر ۱ :

حیات القلوب :

خدا ترا امر کردہ است کہ ابوبکر را ہمراہ خود ببری۔

حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۵۹۱ مطبوعہ نولکشور باب بست وچہارم در ہجرت آنحضرت بسوئے مدینہ

ترجمہ: شبِ ہجرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے حکم فرمایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے لینا۔

حوالہ نمبر ۲ :

تفسیر حسن عسکری :

بعد ازاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا آیا تو اس امر پہ راضی ہے کہ میرے ساتھ رہے اور دشمن جس طرح میری تلاش میں ہوں اسی طرح تیری بھی جستجو کریں اور وہ تیری نسبت یہ معلوم کر لیں کہ تو ہی مجھ کو اس دعوی نبوت پر آمادہ کرتا ہے۔ اس وجہ سے تجھ کو میرے باعث بہت سی تکلیفیں اٹھانا پڑیں۔ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ اگر میں تمام دنیا کے برابر

عمر پاؤں اور ہمیشہ سخت تر عذابوں میں مبتلا رہوں اور مجھ کو نہ تو آرام کی موت نصیب ہو اور نہ کسی قسم کی راحت ملے اور یہ سب کچھ حضرت کی محبت میں ہو تو میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ حضرت کی مخالفت میں مجھ کو تمام دنیا کی بادشاہی مل جائے اور عیش و عشرت سے زندگی بسر کروں۔ یا رسول اللہ! مرے اہل و عیال اور اولاد سب آپ پر نثار ہیں۔ حضرت نے ان کی یہ تقریر سن کر ارشاد فرمایا؛

لَاجَرَمَ اَنِ اطَّلَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِكَ وَ وَجَدَ مَا فِيْهِ مُوَافِقًا لِمَا جَرٰى عَلٰى لِسَانِكَ جَعَلَكَ مِنِّىْ بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ وَ الْبَصَرِ وَ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ۔

۱۔ تفسیر حسن عسکری عربی صفحہ ۳۳۱

۲۔ آثار حیدری ترجمہ اُردو تفسیر امام حسن عسکری صفحہ ۲۰۴ مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور

ترجمہ: تحقیق اللہ تیرے دل پر مطلع ہوا اور تیرے دل کو تیری زبان کے مطابق پایا بایقین خدا نے تجھے بمنزلہ میرے سمع و بصر کے گردانا اور تجھ کو میرے ساتھ وہ نسبت ہے جو سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہے۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

فائدہ نمبر ۱:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم شب ہجرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ اللہ کے حکم سے لے گئے تھے، لہٰذا یہ کہنا کہ شب ہجرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کفار کی طرف سے جاسوس تھے (معاذ اللہ) اور جاسوس اس غرض سے بنائے گئے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر پتہ چل جائے تو اطلاع کفار تک پہنچا دیں لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو راستے میں کھڑے دیکھا تو انہیں اپنے ساتھ لے لیا کیونکہ آپ کو ابوبکر کے ارادے کا علم ہو گیا تھا۔ اس طرح ابوبکر اپنی جاسوسی میں ناکام ہو گئے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ: یہ سراسر بہتان اور زیادتی ہے۔

فائدہ نمبر ۲:

ہجرت کی رات ساتھ چلنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلوص کا امتحان لیا اور کامیابی کے بعد انہیں ساتھ لیا۔

فائدہ نمبر ۳:

حضرت امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ اپنی تفسیر میں اس روایت کو نقل کر کے اس بات کی تصدیق فرما رہے ہیں کہ اگر صدیق اکبر کو تاحیات مصائب و مشکلات کا سامنا رہے۔ یہ تو برداشت کر لیں گے لیکن حضور سرورِ کائنات کی مخالفت کسی صورت گوارا نہیں فرمائیں گے۔

فائدہ نمبر ۴:

تمام دنیا کی آسائشیں اور آرام بھی اگر آپ کو میسر ہوں تو یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کر سکتے ہیں۔ مگر آپ کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔

فائدہ نمبر ۵:

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ کہ میں قیامت تک ہر عذاب و مصیبت برداشت کر سکتا ہوں اور دنیا کی شہنشاہی اور گھر بار سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں لیکن آپ کی مخالفت نہیں ہو سکتی۔ یہ الفاظ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے تیرے ان الفاظ کی تصدیق فرما دی ہے۔

فائدہ نمبر ۶:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایثار قربانی اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کے صلہ میں حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں وہ مرتبہ عطا فرمایا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی آنکھ اور کان کو ہے بلکہ جو مقام روح کا بدن کے ساتھ ہے۔

نوٹ:

قارئینِ کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کس قدر اپنا قرب عطا فرمایا۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ابوبکر صدیق (معاذ اللہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اہلِ بیت کے دشمن تھے تو اس سے بڑھ کر بھی کوئی ناانصاف ہو سکتا ہے کیوں کہ یہ ناممکن ہے کہ کسی کی آنکھ، کان اور روح اسکی مخالفت کرے۔

علاوہ ازیں ایسے مشکل وقت میں جب کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے برہنہ تلواریں لیے بالکل آخری کوشش میں تھے تو اس نازک ماحول میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفرِ ہجرت میں ساتھ لے جانے کے لیے جس پر نگاہ پڑی اور جن کو ساتھ لینے کا اللہ نے حکم دیا وہ صدیقِ اکبر ہی تھے اور پھر غارِ ثور میں تنہا تین دن رات ان کو اپنے ساتھ رکھنا اور جن کی گود میں نیند فرمائی۔ یہ سب باتیں ایسے آدمی سے ہی متوقع ہو سکتی ہیں جس پر اعتماد کامل ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس نازک وقت اور مشکل لمحات میں جس قدر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابوبکر صدیق پر اعتماد تھا وہ صرف انہی کا حصہ تھا۔

انہی اوصاف اور جاں نثاری کی بدولت اللہ نے صدیقِ اکبر کو وہ مرتبہ عطا فرمایا جس کی تصدیق اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فاروقِ اعظم کے بارے میں فرمایا کہ فاروق کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں تو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد (صدیقِ اکبر) کے بارے میں پوچھا۔ حضور نے جواب دیا کہ عمر کی تمام نیکیاں صدیق کی اس نیکی جو شبِ ہجرت "غار" کے موقعہ پر میسر آئی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ (مشکوٰۃ)

حوالہ نمبر ۳ :

کشف الغمہ : رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت تمام وصیات ابوبکرؓ سے کیں

قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فَمَنْ يَّلِيْ غُسْلَكَ قَالَ رِجَالُ اَهْلِ بَيْتِيْ الْاَدْنٰى فَالْاَدْنٰى قَالَ فَفِيْمَ نُكَفِّنُكَ ؟ قَالَ فِيْ ثِيَابِيْ هٰذِهِ الَّتِيْ عَلَيَّ اَوْ فِيْ حُلَّةٍ يَمَانِيَّةٍ خَزًا وَفِيْ بَيَاضِ مِصْرٍ قَالَ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكَ ؟ فَارْتَجَّتِ الْاَرْضُ بِالْبُكَاءِ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ مَهْلًا عَفَى اللّٰهُ عَنْكُمْ اِذَا غُسِلْتُ وَكُفِّنْتُ فَضَعُوْنِيْ عَلٰى سَرِيْرِيْ فِيْ بَيْتِيْ هٰذَا عَلٰى شَفِيْرِ قَبْرِيْ ثُمَّ اُخْرُجُوْا عَنِّيْ سَاعَةً فَاِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَوَّلُ مَنْ يُّصَلِّيْ عَلَيَّ ثُمَّ يَاْذَنُ لِلْمَلٰئِكَةِ ـ

۱۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ مطبوعہ تبریز جلد اوّل صفحہ ۱۷

۲۔ (جلاء العیون جلد اول ص۱۰۸ زندگانی رسول خدا)

ترجمہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت صدیق اکبر نے عرض کی آپ کے انتقال کے بعد آپ کو غسل کون دے گا ؟ فرمایا میرے اہل بیت میں سے قریبی ، پھر قریبی مرد ۔ عرض کی کن کپڑوں سے آپ کو کفن دیا جائے ؟ فرمایا جو ابھی میں نے پہن رکھے ہیں یا یمنی حلہ یا سفید مصری چادروں میں پوچھا آپ کی نماز جنازہ کیوں کر ہو گی اس پر زمین رونے لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا ٹھہر جاؤ اللہ تمہیں معاف کرے جب مجھے غسل و کفن دے چکو تو میرے گھر میں ہی مجھے چارپائی پر لٹا کر قبر کے کنارے

رکھ دینا پھر تم سب وہاں سے باہر آ جانا اللہ تعالیٰ سب سے پہلے مجھ پر صلوٰۃ بھیجے گا پھر فرشتوں کو اجازت دے گا۔

مذکورہ عبارت سے دو امر بلا کسی تاویل کے ثابت ہوئے

امر اوّل :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری لمحات میں تمام وصیات ابوبکر صدیق کو فرمائیں اگرچہ اس وقت بہت سے صحابہ کرام بھی موجود تھے اور اہل بیت کی اچھی خاصی تعداد بھی حاضر تھی تو اس سے معلوم ہوا کہ نبی پاک علیہ السلام کو صدیق اکبر پر انتہائی اعتماد تھا کیوں کہ خاص کر آخری لمحات میں کوئی شخص اپنے دشمن کو وصیتیں نہیں کرتا اور امی کو وصیتیں کی جاتی ہیں جو کہ امین، صدیق اور معتمد خاص ہو۔

امر ثانی :

آپ کے اس ارشاد سے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ مجھ پر صلوٰۃ جنازہ پڑھے گا معلوم ہوا کہ آپ کا جنازہ عام لوگوں کے جنازے کی طرح نہ تھا تاکہ یہ اعتراض ہو سکے کہ صحابہ کرام نے آپ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی ورنہ یہ لازم آئے گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ میں "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا" پڑھا تو اس نے اپنے علاوہ کسی اور الٰہ سے دعا مغفرت مانگی اور یہ صریح کفر و شرک ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی نماز جنازہ جو اللہ تعالیٰ نے پڑھی اس سے مراد آپ کی ذات پر رحمت کاملہ تامہ نازل فرمانا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے بعد میں فرشتوں نے رحمت کی دعا مانگی اور پھر صحابہ کرام باری باری آتے رہے اور رحمتوں کے نزول (صلوٰۃ و سلام) کی دعا مانگتے رہے۔

حوالہ نمبر۴:

کشف الغمہ:

وَقَبَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبْضَۃً مِّنَ الدَّرَاھِمِ وَدَعَا بِاَبِیْ بَکْرٍ فَدَفَعَھَا اِلَیْہِ وَقَالَ یَا اَبَا بَکْرٍ اِشْتَرِ بِھٰذِہِ الدَّرَاھِمِ لِاِبْنَتِیْ مَا یَصْلُحُ لَھَا فِیْ بَیْتِھَا وَبَعَثَ مَعَہٗ سَلْمَانَ الْفَارِسِیَّ وَبِلَالًا لِیُعِیْنَاہُ عَلٰی حَمْلِ مَا یَشْتَرِیْہِ۔

۱۔ (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول صفحہ ۳۵۹ مطبوعہ تبریز باب فی تزویجہ فاطمۃ)

۲۔ جلاء العیون جلد اول ص۱۷۶ زندگانی فاطمہ زہرا)

۳۔ بیت الاحزان ص۳۳ حدیث تزویج فاطمہ رض)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر درہم لیے اور ابوبکر کو بلا کر انہیں دیکر فرمایا ابوبکر! ان دراہم سے میری بیٹی کے لیے گھریلو ضروریات خرید لاؤ اور ان کے ساتھ سلمان فارسی اور بلال رضی اللہ عنہما کو بھی بھیجا تاکہ خریدی ہوئی اشیاء کے لانے میں ان کی مدد کریں۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ سردار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی بیٹی کے لیے جہیز خریدنے کے لیے ابوبکر صدیق کا انتخاب فرمایا تو یہ اس لیے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی جانتے تھے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر محبت و عقیدت اور ہمدردی سے میری بیٹی کے جہیز کا سامان کوئی دوسرا نہیں خرید سکتا۔ یہ انتخاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد کامل کی علامت ہے اور صدیق اکبر کی خیر اندیشی اور محبت اہل بیت کی عظیم مثال ہے۔

حوالہ نمبر ۵:

کشف الغمہ:

كَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَرْمُوْنَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ اَبُوْبَكْرٍ وَعَلِيٌّ نَائِمٌ وَاَبُوْبَكْرٍ يَحْسَبُ اَنَّهُ نَبِيُّ اللهِ قَالَ فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ اِنَّ نَبِيَّ اللهِ اِنْطَلَقَ اِلٰى بِئْرِ مَيْمُوْنٍ فَادْرِكْهُ فَانْطَلَقَ اَبُوْبَكْرٍ فَدَخَلَ مَعَهُ الْغَارَ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اوّل صفحہ ۸۲ باب فی سبقہ فی الاسلام)۔

ترجمہ: کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ اتنے میں ابوبکر آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سوئے ہوئے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گمان کیا کہ یہ (علی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (جو بیدار تھے اور اس گمان کو بھانپ گئے) فرمایا اللہ کے پیغمبر "بیرمیمون" کی طرف تشریف لے گئے ہیں وہاں چلے جاؤ۔ ابوبکر یہ سُن کر وہاں سے چل پڑے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی غار میں داخل ہوئے (کیونکہ راستہ میں صدیق اکبر کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہو گئی تھی)

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات پر بے پناہ اعتماد تھا کہ وہ دل وجان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار ہیں اسی اعتماد کے ہوتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا پتہ بتلا دیا اور راستہ کی نشاندہی کر دی اور جلد ملاقات ہو جانے کی امید دلائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس امید دلانے پر اور صحیح نشاندہی کرنے پر جب

صدیقِ اکبر چل پڑے تو واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس خبر کی صداقت "علی بن عیسیٰ" مصنف کشف الغمہ نے بھی کر دی وہ یوں کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ جب اس راستے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جا ملے تو دونوں نے اکٹھے چلتے ہوئے غار تک کا سفر کیا۔ اور غار کے اندر بھی دونوں اکٹھے داخل ہوئے۔ لہٰذا اس سے بھی معلوم ہوا کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بااعتماد دوست تھے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص فدائی اور جانثار سپاہی بھی تھے اور جانثاری کا حق ادا کر کے اپنے اعتماد کو اور چار چاند لگا دیئے۔ عمر بھر کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہل بیت کے مقابلہ میں اپنا مفاد نہ سوچا۔ اسی لیے "یارِ غار" کہلائے

ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

غصب فدک کے متعلق ایک فیصلہ کن ایمانی اور تحقیقی بیان

از

پیر طریقت راہبر شریعت واقفِ اسرار حقیقت محب

آل و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت قبلہ پیر سید محمد باقر علی شاہ صاحب

سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے سچے جانشین عطا فرمائے جنہوں نے نیابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کرتے ہوئے راہ مستقیم کو واضح سے واضح تر کر دیا اور ان کے دور میں کبھی کسی پر ظلم ہوا نہ انہوں نے کسی کو ایسا کرنے دیا۔ مگر خدا عقل دے گمراہ فرقہ شیعہ کو جن کا کہنا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں باغ فدک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے گئے تھے۔ ادھر نبی علیہ السلام نے آنکھیں بند کیں۔ ادھر ابوبکر صدیق نے حکومت سنبھالی اور سب سے پہلا یہ کام کیا کہ سیدہ سے باغ چھین لیا۔ اور بعض سنی بھی شیعوں کی ہمنوائی کرتے ہیں یا یہ کہ شیعہ خود کو سنی ظاہر کر کے ایسا کہتے ہیں۔ حالانکہ اس جھوٹے افسانے کی کوئی حقیقت نہیں ہے نہ نبی علیہ السلام نے انہیں باغ دیا تھا، نہ صدیق اکبر نے لیا تھا۔

میں سید ہوں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میری نانی ہیں ان کی عزت کا پاس جتنا مجھے ہے اتنا کسی اور کو مشکل ہو گا۔ اور مجھے ان سے جو نسبت حاصل ہے ہر کوئی اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا چنانچہ شیعہ کہتے ہیں۔ کہ ابوبکر صدیق نے سیدہ فاطمہ کا باغ غصب کر لیا۔

حالانکہ یہ سراسر کذب اور ذات سیدنا صدیق اکبر پر بہتان عظیم۔ کیونکہ میرے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے وہ قوت عطا فرمائی کہ وہ کبھی کسی باطل قوت کے آگے نہ جھکے۔ ان کا بہادرانہ اور دلیرانہ ارشاد حسب ذیل ہے۔

اگر سارا عرب بھی میرے مقابلے میں آجائے تو میں ان کی گردنیں اتارنے میں جلدی کرتا رہوں گا۔

(۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۴۵ ص ۴۱۸

(۲۔ مناقب آل ابی طالب جلد ۳

ص ۳۶۱

اب مقام غور ہے۔ کہ اگر باغ فدک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ملک ہوتا۔ تو علی مرتضیٰ شیر خدا اسے کبھی غصب نہ ہونے دیتے۔ بالفرض محال اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت علی نے وقتی طور پر مخالفین کی مخالفت کی وجہ سے یہ حق چھوڑ دیا تو پھر اپنے زمانہ خلافت میں جب کہ سیدہ فاطمہ رحلت فرما گئی تھیں۔ آپ نے اسے سیدہ کے ورثا کے حوالے کیوں نہ کیا۔ یہ کب ممکن ہے کہ باغ فدک بھی سیدہ کا ہو جو امام الانبیاء کی لخت جگر ہیں اور خود حضرت علی مرتضیٰ کی زوجہ اطہر ہیں۔ علی مرتضیٰ کو پتہ بھی ہو کہ سیدہ کا باغ، غصب ہو گیا ہے۔ اور علی مرتضیٰ کے پاس ایک معمولی منصب نہیں ساری خلافت اسلامیہ کی زمام بھی ہو پھر بھی حضرت علی مذکورہ باغ سیدہ کی اولاد کو واپس نہ دلوائیں تو آخر کیوں؟

خدا سے ڈرو . . . . قیامت کو ہر چیز کا حساب دینا ہو گا۔

اگر تمہارے پاس جواب نہیں ہے تو مجھ سے سنو۔ میں خاندان سادات کی وکالت کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں باغ فدک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ورثا کو اس لیے نہ دلوایا تھا کہ آپ کے نزدیک اس باغ فدک

کے بارہ میں اپنے پیش رو صدیق اکبر کا فیصلہ انصاف کے عین مطابق تھا۔ جناب علی نے صدیقی فیصلے کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی صداقت پر مہر تصدیق لگا دی۔ ورنہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ سیدہ کا باغ ہو اور آپ اسے واپس نہ دلوائیں۔ کیونکہ آپ نے اپنے بیٹوں امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو جو لازوال وصیت فرمائی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

نیکی کا حکم کرتے رہنا برائی سے روکتے رہنا اگر تم نے یہ کام چھوڑ دیا تو تم پر ظالم حاکم مسلط ہو جائیں گے پھر تمہاری دعا قبول نہ ہو گی۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۴۷ صـ ۴۲۲)

تو جس شخص کا نصب العین ہی برائی سے روکنا ہو وہ کب کسی کے حق کو مغصوب دیکھ کر خاموش رہ سکتا ہے۔ یقیناً آپ صدیقی فیصلہ کو برحق مانتے تھے۔ جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ جو خاندان سادات کے عظیم سرمایہ ہیں) سے سوال کیا گیا کہ حضرت ابو بکر نے سیدہ سے باغ فدک چھین لیا تھا تو جناب زید بن علی نے غصے میں آکر فرمایا۔

یا درکھو ان کا فیصلہ برحق تھا اور اگر بالفرض باغ فدک کا معاملہ میرے سپرد کیا جاتا تو میں وہی فیصلہ کرتا جو ابو بکر صدیق نے کیا تھا۔

(ابن ابی حدید شرح نہج البلاغہ جلد چہارم صـ ۸۲)

لہذا میرا بھی وہی فیصلہ ہے جو میرے جدامجد حضرت زید بن علی کا ہے۔

اس سلسلے میں اعلان کرتا ہوں کہ جو آدمی خود کو آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف یا دربار عالیہ شرق پور شریف سے منسوب کرے اور پھر ابو بکر صدیق پر طعن کرنے والوں کو دوست رکھے اس کا ہمارے آستانہ سے کوئی تعلق نہیں خواہ وہ سید ہو یا غیر سید وہ اہل سنت ہی سے خارج ہے۔

میرا یہ بیان آئندہ آنے والی ہماری تمام نسبی اور روحانی ذریت کے لیے ایک سند ہے۔ اللہ ہمیں ہمیشہ آل و اصحاب رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت پر قائم رکھے۔

ابوبکر صدیقؓ کی بارگاہِ عالیہ میں میرا وہی عقیدہ ہے جو میرے جدِ امجد امام باقرؒ کا ہے علامہ اردبیلی شیعی نے کشف الغمہ میں یوں نقل کیا ہے :-

کہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تلوار کا جڑاؤ اس لیے جائز ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ جڑاؤ کیا تھا۔ راوی کہتا ہے مَیں نے عرض کیا آپ بھی انہیں صدیق کہتے ہیں؟ یہ سن کر امام باقر ایک دم جذبات سے اٹھے اور فرمانے لگے وہ یقیناً صدیق ہیں بلاشک صدیق ہیں اور بالیقین صدیق ہیں اور سنو جو انہیں صدیق نہ کہے اللہ اسے دنیا میں بھی جھوٹا کرے اور آخرت میں بھی جھوٹا کرے[1]

اس لیے مَیں امام باقرؒ کی اولاد ہونے کے رشتہ سے یہ آرزو رکھتا ہوں کہ مجھے روزِ قیامت اللہ تعالیٰ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شفاعت نصیب فرمائے اور ان کی محبت ہی میرا توشۂ آخرت ہے اور ان کی گردِ راہ میری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔

آمین ثم آمین

سید محمد باقر علی شاہ خادم آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

۱۴ اگست ۱۹۸۵ء بروز بدھ

---

[1] کشف الغمہ صفحہ ۱۴۷ جلد دوم فی معاجز الامام الباقر۔

طعن دوم

میدان احد سے ابوبکر صدیق کا بھاگنا

قرآن پاک اور احادیث مقدسہ کی رو سے کسی مسلمان کا میدانِ جنگ سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن یہ بات مسلّمہ ہے۔ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میدانِ احد سے عین لڑائی کے وقت بھاگ کھڑے ہوئے۔

لہٰذا وہ اس فعل کے ارتکاب سے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ اور گناہ کبیرہ کا مرتکب خلافت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

جواب:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں "میدانِ احد" سے بھاگ جانے کا طعن دراصل شیعہ حضرات کی اپنی کتب سے لاعلمی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ اور اس کے ساتھ قرآن فہمی سے کورا ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اگر یہ لوگ خود اپنی کتب کا ہی مطالعہ کر لیتے۔ اور قرآن سمجھا ہوتا۔ تو یہ طعن ہرگز نہ کرتے۔ کتب شیعہ سے پہلے تو ہم ثابت کریں گے۔ کہ ایسا ہوا ہی نہیں۔ اور اگر بفرضِ محال بھاگ جانا ثابت بھی ہو۔ تو بھی یہ وجہ طعن نہیں بن سکتا۔ کیونکہ اس وقت افراتفری کے عالم میں جو صحابہ بھاگ

نکلے تھے۔ ان کی معافی کا اعلان اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۔

(پارہ نمبر ۴)

ترجمہ:۔ اور بے شک اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کیا۔ جب کہ تم اس کے حکم سے ان کو قتل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب تم نے ہمت ہار دی۔ اور اپنی پسند کی چیزیں دیکھنے کے بعد معاملہ میں آپس میں جھگڑنے لگے۔ اور رسول کی نافرمانی کی۔ تم میں سے بعض دنیا کے طلب گار ہیں۔ اور بعض آخرت کے خواستگار ہیں۔ پھر تمہارا رخ ان کی طرف سے پھیر دیا۔ کہ تمہارا امتحان لے اور یقیناً خدا نے تم سے درگزری۔ اور اللہ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

(ترجمہ مقبول)

اسی آیت کی تفسیر میں "علامہ طبرسی شیعی" لکھتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان:۔

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ اَىْ صَفَحَ عَنْكُمْ بَعْدَ اَنْ خَالَفْتُمْ اَمْرَ الرَّسُوْلِ ۔۔۔۔ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَىْ

ذُوْ مَنٍّ وَّنِعْمَةٍ عَلَيْهِمْ بِنِعَمِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ وَقِيْلَ يَغْفِرَانِ ذُنُوْبِهِمْ۔

(تفسیر مجمع البیان جلد اول جزء دوم ص ۵۲۰ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔ اللہ نے تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے کے بعد درگزر فرمائی .... اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بڑا احسان کرنے والا اور انہیں بڑی بڑی نعمتیں عطا کرنے والا ہے۔ وہ نعمتیں دینوی ہوں یا اخروی۔ اور یہ بھی معنی کیا گیا ہے۔ کہ اللہ کا فضل یہ ہے۔ کہ خدا نے ان کے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔

"علامہ طبرسی" کی تفسیر اور آیت کریمہ کے سادہ ترجمہ (مقبول) سے یہ بات ہر شخص جان سکتا ہے۔ کہ اگرچہ صحابہ کرام سے یہ غلطی سرزد ہوئی۔ کہ وہ میدانِ احد سے بھاگ گئے۔ لیکن اس غلطی کو اللہ رب العزت نے معاف کر دیا تھا۔ اور صرف اسی غلطی کو نہیں بلکہ ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے۔ اور مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنے متعلق "فضل عظیم کا مالک" جو فرمایا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ صرف معافی ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر دین و دنیا کی نعمتیں بھی عطا کیں۔

قارئین کرام! آپ غور فرمائیں۔ کہ جن حضرات کی غلطی اور لغزش کی معافی کا اعلان اللہ تعالیٰ خود اپنے قرآن میں فرما دیں۔ ان کی معافی اور بخشش میں کوئی شک و تردد کر سکتا ہے؟ جب معاف کرنے والے نے معاف کر دیا۔ تو کسی دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے۔ کہ اس معافی کو نہ مانے۔ تو وہ لوگ جو اللہ کے معاف کر دینے کے بعد بھی معاف نہیں کرتے۔ اور ان حضرات کے معاف شدہ گناہ کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ تو ایسا کرنا ان کے کلام الٰہی پر عدم ایمان کے مترادف ہے۔ جب اللہ نے معاف کر دیا۔ تو معاف شدہ افراد پر اسی غلطی کو

ے کر طعن کرنا دراصل خود اپنی ذات پر لعنت کرنا ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے میدان احد سے بھاگ جانے کا

افسانہ سراسر غلط اور بہتان عظیم ہے

شیعہ حضرات کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق میدانِ احد سے بھاگ جانے کا قصہ بیان کرنا محض فریب ہے۔ اور غلط پروپیگنڈا کے سوا کچھ نہیں۔ خود انہی کے "مفسرین و مؤرخین"، سے حقیقت حال سنیئے۔

حوالہ جات ملاحظہ ہوں:-

تفسیر مجمع البیان:-

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ آعَادَ تَعَالٰى ذِكْرَ الْعَفْوِ تَاكِيْدًا بِطَمْعِ الْمُذْنِبِيْنَ فِي الْعَفْوِ وَمَنْعِهِ لَهُمْ عَنِ الْيَاْسِ وَتَحْسِيْنًا لِظُنُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ قَدْ مَرَّ مَعْنَاهُ وَذَكَرَ اَبُو الْقَاسِمِ الْبَلْخِيُّ اَنَّهٗ لَمْ يَبْقَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ اِلَّا ثَلٰثَةَ عَشَرَ نَفْسًا خَمْسَةٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَثَمَانِيَةٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاَمَّا الْمُهَاجِرُوْنَ فَعَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَبُوْبَكْرٍ وَطَلْحَةُ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَسَعْدُ بْنُ اَبِي الْوَقَّاصِ۔

(مجمع البیان جلد اول جزء دوم ص۵۲۴ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:-

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بارے میں اپنی معافی کا دوبارہ ذکر اس لیے فرمایا۔ کیونکہ صحابہ کرام کو اپنی معافی کی شدید خواہش تھی۔ اور اس لیے بھی کہ صحابہ کرام کو نا امیدی سے نجات مل جائے۔ اور اس کے علاوہ مومنوں کے ظن کی تحسین کے لیے ایسا کیا۔ بے شک اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔ اس کا معنی گزر چکا ہے۔ ابو القاسم البلخی نے ذکر کیا ہے کہ میدان احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف تیرہ افراد رہ گئے تھے۔ پانچ مہاجر اور آٹھ انصار مہاجر پانچ یہ تھے حضرت علی حضرت ابوبکر ابو طلحہ، عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن ابی الوقاص رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

حوالہ نمبر (۲):

کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ

وَصَبَرَ مَعَهُ اَرْبَعَةَ عَشَرَ رَجُلًا سَبْعَةٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ سَبْعَةٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ اَبُوْ بَكْرٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَعَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَسَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَاَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَ زُبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ وَ مِنَ الْاَنْصَارِ الْحُبَابُ بْنُ الْمُنْذِرِ وَاَبُوْ دُجَانَةَ وَعَاصِمُ بْنُ ثَابِتٍ وَ الْحَارِثُ بْنُ الصِّمَّةِ وَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ وَ اُسَيْدُ بْنُ

حُضَیْرٍ وَسَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول صفحہ ۱۸۸
طبع فی شجاعتہ علیہ السلام)

ترجمہ:۔

اور آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ چودہ حضرات ثابت قدم رہے۔ سات مہاجرین میں سے اور سات انصار میں سے تھے۔ مہاجرین سے ابوبکر صدیق، عبدالرحمٰن بن عوف علی بن ابی طالب سعد بن ابی وقاص طلحہ بن عبیداللہ ابوعبیدہ بن الجراح اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم تھے اور انصار میں سے حباب بن منذر، ابودجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن الصمہ سہل بن حنیف، اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم تھے۔

حوالہ نمبر (۳):۔

ابن حدید شرح نہج البلاغہ:۔

وَكَانَتِ الْعِصَابَةُ الَّتِيْ ثَبَتَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَةَ عَشَرَ رَجُلًا سَبْعَةٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَسَبْعَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ اَمَّا الْمُهَاجِرُوْنَ فَعَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَسَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ

وَ طَلْحَۃُ بْنُ عُبَیْدِ اللّٰہِ وَ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَالزُّبَیْرُ بْنُ الْعَوَّامِ وَ اَمَّا الْاَنْصَارُ فَالْحُبَابُ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَ اَبُوْ دُجَانَۃَ وَعَاصِمُ بْنُ ثَابِتِ بْنِ اَبِی الْاَقْلَحِ وَالْحَارِثُ بْنُ الصِّمَّۃِ وَسَہْلُ بْنُ حُنَیْفٍ وَاُسَیْدُ بْنُ حُضَیْرٍ وَ سَعْدُ بْنُ مَعَاذٍ۔

(ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۲۹۶ بیروت طبع جدید) فی قتل عبداللہ بن حجش وما قالہ ووصی بہ وفی بیان من ثبت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد)

ترجمہ:

وہ جماعت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (میدان احد میں) ثابت قدم رہی۔ چودہ حضرات پر مشتمل تھی۔ سات ان میں سے مہاجرین تھے اور سات انصار۔ مہاجرین میں سے حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق، عبدالرحمٰن بن عوف سعد بن ابی وقاص طلحہ بن عبیداللہ ابوعبیدہ بن جراح اور زبیر بن عوام اور انصار میں سے حباب بن منذر ابودجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن الصمۃ، سہل بن حنیف اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حوالہ نمبر (۴):-

روضۃ الصفاء:-

در کشف الغمہ مسطور است کہ چہاردہ کس از اصحاب نزد آنحضرت چہاردہ احباب ماندند ہفت تن از انصار و ہفت نفر از مہاجران۔ از مہاجران امیر المومنین، علی و ابوبکر و عبد الرحمٰن بن عوف و سعید بن ابی وقاص و طلحہ و زبیر و ابو عبیدہ جراح و از انصار حباب بن منذر و ابو دجانہ و عاصم بن ثابت و حارث بن سہیل و اسید بن حضیر و سعد بن عبادہ و محمد بن مسلمہ۔

(روضۃ الصفا جلد دوم ص ۳۲۲ ذکر احوال
خادم الانبیاء طبع ایران)

ترجمہ:- کشف الغمہ میں مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام کے اصحاب میں سے چودہ آدمی آپ کے پاس باقی رہ گئے۔ سات مہاجر اور سات انصاری مہاجروں میں سے امیر المومنین علی ابو بکر عبد الرحمٰن بن عوف سعید بن ابی وقاص طلحہ زبیر اور ابو عبیدہ بن جراح اور انصار سے حباب بن منذر ابو دجانہ عاصم بن ثابت حارث بن سہیل اسید بن حضیر سعد بن عبادہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حوالہ نمبر ۵:-

علاوہ ازیں اسی قسم کی عبارت حاشیہ روضۃ من الکافی ص ۳۱۹ جلد ۸ طبع ایران۔ پر بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ طوالت کے خوف سے عبارت نقل کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔

مندرجہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں شیعہ حضرات کی اپنی کتب سے یہ بات آفتاب نیم روز کی طرح واضح ہو گئی کہ جو حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ میدان احد میں ثابت قدم رہے۔ میدان کو چھوڑ کر بھاگے نہیں ان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات بھی موجود تھی۔ کیوں نہ ہو جس شخصیت نے غار ثور میں رفاقت کی سعادت حاصل کی ہو وہ احد کے میدان میں کیسے بھاگ سکتی تھی۔ اس صراحت و وضاحت کے ہوتے ہوئے بھی اگر شیعہ حضرات ابو بکر صدیق پر الزام دھریں اور انہیں موردِ لعن طعن ٹھہرائیں تو اس سے بڑھ کر ان کی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور اس پر مزید یہ کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جن کو "بدری" ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور بدری صحابہ کا مغفور اور جنتی ہونا اور اسی طرح بیعت رضوان میں شریک صحابہ کا مغفور و مرحوم ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام صغائر و کبائر سے پاک فرمایا لیکن شیعہ ان نفوس قدسیہ کو ناکردہ گناہوں کی ابھی تک معافی نہیں دے رہے ہیں۔

بیعت رضوان اور بدر میں شامل ہونے والے جنتی ہیں

جن میں صدیق اکبر سرفہرست ہیں

منہج الصادقین:

دہمہ اصحاب بیعت کردند برآنکہ مطلقاً راہ گریز بخوہند تا آنکہ کشتہ شوند یا فتح نمائند و حضرت فرمود کہ یک کس بدو رخ نرود و از آں مومنان کہ در زیر درخت ثمرہ بیعت کردند و ایں بیعت را بیعت الرضوان نام نہادند بجہت آنکہ حق سبحانہ در ایشاں فرمود (الخ)

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۸ ص ۲۶۵
مطبوعہ تہران)

ترجمہ:۔

مقام حدیبیہ پر تمام صحابہ کرام نے اس بات پر بیعت کی۔ کہ ہم ہرگز بھاگیں گے نہیں۔ یہاں تک کہ مر جائیں گے یا فتح حاصل کریں گے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ان مومنوں میں سے کوئی ایک بھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔ جنہوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی۔ اس بیعت کو "بیعت الرضوان" کہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی رضا کا اظہار فرمایا۔

اہل بدر کو اللہ تعالیٰ نے معاف کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے

در منہج الصادقین،، میں مذکور ہے۔ کہ ۸ھ میں سارہ نامی لونڈی مکہ سے مدینہ آئی مکہ میں گانا بجانا اس کا کام تھا۔ مدینہ میں آنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تو یہاں اسلام لانے کے لیے آئی ہے؟ کہنے لگی نہیں۔ فرمایا۔ مہاجرہ بن کر آئی ہے؟ کہنے لگی نہیں۔ بلکہ کچھ ضروریاتِ زندگی کے لیے آئی ہوں۔ اگر میسر ہو گئیں۔ تو واپس چلی جاؤں گی۔ فرمایا۔ تو نے اہل مکہ سے ضروریات طلب کیوں نہ کیں؟ کہا۔ کہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں جب سے کفار کو شکست ہوئی ہے میرا کاروبار ماند پڑ گیا ہے۔ تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "آل عبدالمطلب،، کو فرمایا۔ کہ تم اس لونڈی کی ضروریات کا اہتمام کردو۔ اسی سلسلہ میں یہ لونڈی حاطب بن بلتعہ کے پاس بھی آئی۔ اور حاطب نے کچھ سامان کے ساتھ ایک رقعہ بھی دیا۔ جو اہل مکہ کو لکھا گیا تھا۔ جس میں مذکور تھا۔ کہ عنقریب تم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حملہ کرنے والے ہیں۔ اپنا تحفظ کر لینا۔

سارہ نامی لونڈی جب رقعہ لے کر عازم مکہ ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ علی، زبیر، عمار، مقداد اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کے پیچھے بھیجا۔ کہ جاؤ اس سے رقعہ چھین لاؤ۔ یہ حضرات جب اُس کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اس سے رقعہ کے بارے میں پوچھا۔ تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ سامان کی تلاشی بھی لی گئی۔ لیکن دستیاب نہ ہوا۔ تو واپسی کا ارادہ کر لیا۔

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اگر تو نے رقعہ نہ نکالا۔ تو تیری گردن اڑا دوں گا۔ اس پر جان بچانے کے لیے اس لونڈی نے اپنے بالوں سے وہ رقعہ نکالا۔ اور یہ حضرات رقعہ لے کر واپس مدینہ آ گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع فرمایا۔ اور بر سرِ منبر اعلان فرمایا۔ کہ جس نے تم میں سے اہل مکہ کو یہ رقعہ لکھا ہے۔ اگر وہ اعتراف کر لے۔ تو اس کی جان بخشی ہو سکتی ہے آپ کے دو مرتبہ اعلان فرمانے کے بعد، حاطب بن ابی بلتعہ، اُٹھے۔ اور کہنے لگے۔ کہ میں نے خط اس لیے لکھا ہے کہ میرے بچے مکہ میں بے یار و مددگار تھے اور میں کافروں پر کچھ احسان کر کے اپنے بچوں کو کچھ تحفظ دینا چاہتا تھا اور فتح تو آپ کو ہونی ہی ہے۔

تفسیر منہج الصادقین :-

آنحضرت تصدیق او نمود، عذر او را قبول فرمود۔ عمر خطاب از جائے خود برخواست گفت یا رسول اللہ اجازت فرمائی تا گردن ایں منافق بزنم رسول فرمود کہ وی از اہل بدر است و خدائی تعالیٰ بدریان را وعدہ مغفرت دادہ وایشاں را بخطاب مستطاب در اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم،

(تفسیر منہج الصادقین جلد ۹ صفحہ ۲۴۳ مطبوعہ تہران سن طباعت ۱۳۳۴ھ)

ترجمہ:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیان کی تصدیق فرمائی۔ اور اس کا عذر قبول فرمایا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو۔ تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ فرمایا۔ یہ اہل بدر میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے "بدری" صحابہ کے متعلق مغفرت کا وعدہ فرما کر انہیں یہاں تک فرما دیا۔ کہ تم جو چاہے عمل کرو۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔

الحاصل:۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ شیعہ حضرات آج تک یہی اعتراض کرتے چلے آرہے ہیں۔ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میدان احد سے بھاگ گئے تھے۔ اور اس وجہ سے یہ لوگ معاذ اللہ مرتد اور کافر ہو گئے تھے۔ لیکن شیعہ یہودیوں کی طرح اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کا مصداق بن گئے ہیں۔ اور پھر اس کی سزا کے حقدار ہوئے۔ جو ان یہودیوں کے لیے قرآن نے فرمائی۔

فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ۔

ترجمہ:۔ تو نہیں جزا اس کی جو تم میں سے یہ فعل کرے مگر دنیوی زندگی میں ذلت اور قیامت میں ان لوگوں کو سخت عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا۔

اس آیت کریمہ کے مصداق شیعہ لوگوں کا بھی من وعن وہی طریقہ ہے۔ جو یہود کا تھا۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے۔ کہ کفار کے یکبارگی حملہ کی وجہ سے مسلمان صحابہ کرام میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ کیونکہ یہ حملہ ان کی پشت کی طرف

سے کیا گیا تھا۔

تو اسی کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ غلطی معاف کر دی ہے بلکہ معافی کے ساتھ مزید فضل و انعام کا بھی ذکر فرما دیا۔ لیکن شیعہ لوگ ہیں۔ کہ پہلی بات کو تو مان کر سبب طعن بناتے ہیں۔ اور دوسری بات کو نہیں مانتے۔

لہٰذا ان کی سزا بھی یہی ہے۔ کہ دنیا میں ہمیشہ کے لیے ذلت و رسوائی بشکل تقیہ اور ماتم اور قیامت میں عذاب شدید۔ اور اللہ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

طعن سوم

صدیق اکبر سے سورۃ برأۃ کے سنانے کا اختیار واپس لے کر حضرت علی کو سونپا گیا

اللہ تعالیٰ نے جب سورۃ برأۃ نازل فرمائی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا۔ کہ جاؤ اور مکہ والوں کو یہ سورۃ سناؤ۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تعمیل ارشاد کے لیے چل پڑے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور فرمایا۔ ابو بکر صدیق کے پیچھے جاؤ۔ اور اُن سے سورۃ برأۃ لے لینا۔ اور خود اس کا اہل مکہ میں اعلان فرمانا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر سے سورۃ برأۃ لے لی۔ اور پھر خود اس کا اعلان فرمایا۔

(ترمذی شریف جلد دوم ابواب التفسیر
سورۃ توبہ ص ۱۴۰ مطبوعہ سعید کمپنی کراچی)

لہٰذا جو شخص ایک قرآنی سورت کے اعلان کی قابلیت نہ رکھتا ہو۔ اس کو تمام امت مسلمہ کی نمائندگی شریعت کے تمام احکام کی ترجمانی

اور قرآنی ارشادات کی تبلیغ پر کس طرح امین بنایا جا سکتا ہے؟ اور ایسے شخص کو امت مسلمہ کی امامت اور خلافت کا اہل کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ براءۃ کے اعلان کی واپسی کا حکم فرما کر اس بات کی نشاندہی کر دی۔ کہ ابو بکر صدیق منصب خلافت و امامت کے اہل نہیں تھے۔

جواب:۔

ترمذی شریف کی حدیث نقل کرنے میں خیانت

اہل تشیع نے ترمذی شریف کے حوالہ سے جو حدیث پیش کی ہے اور اسے طعن کا سبب قرار دیا ہے۔ اس میں انہوں نے خیانت سے کام لیا۔ لہٰذا ہم پہلے حدیث ترمذی شریف من وعن پیش کرتے ہیں۔ اور پھر اس کے جواب کی طرف متوجہ ہوں گے۔

ترمذی شریف:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَا بَكْرٍ وَّاَمَرَهٗ اَنْ يُّنَادِيَ بِهٰؤُلَآءِ الْكَلِمَاتِ ثُمَّ اَتْبَعَهٗ عَلِيًّا فَبَيْنَمَا اَبُوْ بَكْرٍ فِيْ بَعْضِ الطُّرُقِ اِذْ سَمِعَ رُغَاءَ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَصْوَآءِ فَخَرَجَ اَبُوْ بَكْرٍ فَزِعًا فَظَنَّ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ عَلِيٌّ فَدَفَعَ اِلَيْهِ كِتَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ عَلِيًّا اَنْ يُّنَادِيَ بِهٰؤُلَآءِ الْكَلِمَاتِ فَانْطَلَقَا فَحَجَّا فَقَامَ عَلِيٌّ اَيَّامَ التَّشْرِيْقِ فَنَادٰى

ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ بَرِیْئَۃٌ مِّنْ کُلِّ مُشْرِکٍ فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّلَا یَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِکٌ وَّلَا یَطُوْفَنَّ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ وَّلَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَّ کَانَ عَلِیٌّ یُّنَادِیْ فَاِذَا فَرَغَ قَامَ اَبُوْبَکْرٍ فَنَادٰی بِھَا۔

(ترمذی شریف جلد دوم ابواب التفسیر سورۃ توبہ ص ۱۴۰ مطبوعہ سعید کمپنی کراچی)

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور فرمایا۔ وہاں جاکر ان کلمات (سورۃ براءۃ) کا اعلان کردو۔ پھر ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت ابوبکر ابھی راستہ ہی میں تھے کہ اچانک انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی (قصواء) کی آواز سنی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھبرا گئے۔ اور خیال کیا۔ کہ آنے والے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لیکن جب قریب آئے۔ تو وہ حضرت علی تھے۔ ابوبکر نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ رقعہ دے دیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا۔ کہ آپ ان کلمات (سورۃ براءۃ) کا اعلان کریں۔ دونوں چل پڑے۔ اور دونوں نے حج کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایام تشریق میں ان کلمات کا اعلان کیا۔ اور کہا کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہیں۔ مشرکو! تم چار مہینوں تک چل پھر لو اس سال کے بعد تم میں کوئی بھی نہ حج کرے گا۔ اور نہ کسی کو ننگے ہو کر طواف کرنے کی اجازت ہوگی اور مومن کے سواء کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اعلان کرتے رہے پھر جب آپ فارغ ہوگئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ان کلمات کی منادی کی

اس واقعہ میں حقیقی صورت حال یوں ہے

جہاں تک ہم نے کتب اہل سنت کا مطالعہ کیا۔ ہمیں ان میں یہ حدیث مختلف نظر آئی۔ اکثر روایات اس مضمون کی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی نیابت کے طور پر "امیر حج" بنا کر بھیجا تھا۔ اور اس وقت سورہ براۃ نازل ہوئی۔ جب آپ روانہ ہو چکے تھے۔ اس سورت میں مشرکین کے نقض عہد کا ذکر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ سورۃ دے کر صدیق اکبر کے پیچھے بھیجا۔ تاکہ یہ تازہ احکامات بھی لوگوں تک پہنچ جائیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمانے پر سورۃ براۃ کے تازہ احکامات کو لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے۔ صدیق اکبر چونکہ اس وقت مدینہ سے نکل چکے تھے۔ لہٰذا انہیں یہ ذمہ داری سونپی گئی۔ اور نہ ہی ان سے اس ذمہ داری کی واپسی کا مسئلہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ دو مختلف کام دو مختلف اشخاص کے سپرد کیے گئے۔ "امیر حج" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بنائے گئے۔ اور سورۃ براۃ کے احکامات کا اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔

فتح الباری شرح صحیح البخاری :-

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ رَجَعَ عَنْ عُمْرَۃِ الْجِعِرَّانَۃِ بَعَثَ اَبَا بَکْرٍ عَلَی الْحَجِّ فَاَقْبَلْنَا مَعَہٗ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِالْعَرْجِ بِالصُّبْحِ فَسَمِعَ رَغْوَۃَ نَاقَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا عَلِیٌّ فَقَالَ لَہٗ اَمِیْرٌ اَوْ رَسُوْلٌ فَقَالَ بَلْ اَرْسَلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِبَرَاءَۃٍ لِاَقْرَئَھَا عَلَی النَّاسِ فَقَدِمْنَا مَکَّۃَ فَلَمَّا کَانَ قَبْلَ یَوْمِ التَّرْوِیَۃِ بِیَوْمٍ قَامَ اَبُوْبَکْرٍ فَخَطَبَ النَّاسَ بِمَنَاسِکِھِمْ حَتّٰی اِذَا فَرِغَ قَامَ عَلِیٌّ فَقَرَءَ عَلَی النَّاسِ بَرَآءَۃً حَتّٰی خَتَمَھَا ثُمَّ کَانَ یَوْمَ النَّحْرِ کَذٰلِکَ۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۸ ص ۲۵۷ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جعرانہ سے عمرہ کر کے واپس تشریف لائے۔ تو آپ نے ابو بکر صدیق کو "امیر الحجاج" بنا کر بھیجا۔ ہم ابو بکر صدیق کے ساتھ چل پڑے۔ یہاں تک کہ ہم جب بوقت صبح مقام "عرج" پر پہنچے۔ تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی (قصوا) کی آواز سنی۔ دیکھا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سوار ہیں۔ ابو بکر صدیق نے پوچھا۔ آپ امیر بن کر یا قاصد بن کر تشریف لا رہے ہیں۔؟ کہا ہاں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "سورۃ براۃ" دے کر بھیجا ہے۔ تاکہ میں اس کو لوگوں کے سامنے پڑھ کر سناؤں۔ ہم سب مکہ آ گئے۔ جب آٹھ ذوالحجہ کا دن آیا۔ تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ اور لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دی۔ جب فارغ ہوئے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے سورۃ براۃ کو اول تا آخر پڑھ کر سنایا۔ پھر دس ذی الحجہ کو بھی ایسے ہی ہوا۔

روایاتِ بالا سے شیعوں کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا۔

ابھی جو روایت اور پر معہ ترجمہ کے مذکور ہوئی۔ اس سے قطعاً شیعہ حضرات کا اعتراض نہیں بن سکتا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق کو "امیر الحجاج" بنا کر بھیجا تھا۔ سورۃ براۃ کی تبلیغ ان کے سپرد ہی نہ تھی۔ "امیر الحجاج" ہونے کی حیثیت سے صدیق اکبر نے لوگوں کو خطبہ دے کر طریقہ حج تعلیم فرمایا۔ ان کے بعد جو ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھی۔ یعنی سورۃ براۃ کے احکامات پڑھ کر سنانا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ذمہ داری نبھادی۔ لہٰذا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر یہ طعن کہ آپ کو "اعلان سورۃ براۃ" سے معزول کر دیا گیا تھا۔ اس کا مذکورہ روایت میں نام و نشان تک نہیں۔

بعض روایات میں صدیق اکبر کا امیر الحجاج بنایا جانا اور سورۃ براۃ کے احکامات کی تبلیغ کرنا بھی موجود ہے

کچھ ایسی روایات بھی ہیں۔ جن میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے امیر الحجاج بنائے جانے اور سورۃ براۃ کے احکامات کے اعلان کرنے کا ذکر ہے۔ ابتداءً دونوں کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیے۔ لیکن بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور فرمایا۔ ابو بکر صدیق سے سورۃ براۃ لے کر تم اعلان کرنا۔

فتح الباری:۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَا بَكْرٍ بِبَرَاءَةٍ اِلٰى اَهْلِ مَكَّةَ وَبَعَثَهُ عَلَى الْمَوْسِمِ

ثُمَّ بَعَثَنِيْ فِيْ اَثَرِهٖ فَاَدْرَكْتُهٗ فَاَخَذْتُهَا مِنْهُ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ مَالِيْ قَالَ خَيْرٌ اَنْتَ صَاحِبِيْ فِي الْغَارِ وَصَاحِبِيْ عَلَى الْحَوْضِ غَيْرَ اَنَّهٗ لَا يُبَلِّغُ عَنِّيْ غَيْرِيْ اَوْ رَجُلٌ مِّنِّيْ۔

(فتح الباری جلد نمبر ۸ صفحہ ۲۵۶ سورۃ البراۃ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحجاج بنایا اور انہیں سورۃ برات دے کر بھیجا تو ان کے بعد مجھے ان کے پیچھے بھیجا کہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سورۃ برات لے کر خود اعلان کروں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور! میرے لیے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تیرے لیے بھلائی ہے۔ تو غار میں میرا ساتھی ہے اور اسی طرح حوض کوثر پر بھی میرا ساتھی ہوگا۔ مگر سورۃ برات کا اعلان میرے اور میرے گھر کے آدمی کے بغیر کوئی نہیں کر سکتا۔

لیکن اس قسم کی روایات سے بھی صدیق اکبر کی ذات مطعون نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ بات دونوں طرح کی روایات میں موجود ہے۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ "امیر الحجاج" ضرور بنائے گئے تھے۔ سورۃ براۃ کی تبلیغ کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہ آپ کو یہ ذمہ داری ابتداءً سپرد کی گئی تھی۔ یا نہیں، اگر ابتداءً ہی آپ کو یہ ذمہ داری نہیں سونپی گئی۔ تو معزولی کا معنی ہی کوئی نہیں بنتا اور اگر آپ کو ابتداءً یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ اور بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کی گئی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجنے

کی ضرورت اس لیے پیش آئی۔ کہ ان دنوں قبائل عرب میں یہ ایک طریقہ تھا۔ کہ جب کسی عہد و پیمان کو توڑنا ہوتا۔ تو اس کے لیے سب سے بہتر تو وہی شخص ہوتا جس نے عہد و پیمان باندھا ہوتا تھا۔ اگر وہ نہ ہو۔ تو اس کا بیٹا۔ بھائی، داماد وغیرہ قریبی رشتہ دار توڑ سکتے تھے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خود تو حج پر نہیں جا رہے تھے۔ اس لیے آپ نے حضرت علی کو فرمایا تم میری طرف سے یہ اعلان کر دینا کہ آج سے تمہارا ہمارا معاہدہ ختم ہے۔

اس واقعہ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں کون سی کمی آگئی۔ جس کی بنا پر تم ان پر طعن کیے جا رہے ہو۔ حالانکہ جہاں آپ سے سورۃ براءت کی تبلیغ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل کی گئی وہاں آپ کو حوض کوثر پر صاحبیتِ رسول کے مرتبہ علیہا سے بھی نوازا گیا ہے جو کہ دنیا کے تمام مراتب و مناصب سے کہیں بالا و اعلیٰ ہے علاوہ ازیں اگر نظر عمیق سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امیر الحجاج کا عہدہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ جو لاکھوں مسلمانوں کا سربراہ ہوتا ہے۔ اور ہر قسم کے فرائض کی ادائیگی اس کے سپرد ہوتی ہے۔

اس کے مقابلہ میں سورۃ براۃ کی آیات کا اعلان کرنا کوئی اتنا بڑا کام نہ تھا۔ کیونکہ وہ بلند آواز سے ایک حکم لوگوں تک پہنچا دینا تھا مگر قانون عرب کے مطابق ضروری تھا کہ یہ کام خود نبی کریم یا آپ کا کوئی رشتہ دار ادا کرتا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اس کے لیے اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ اب جبکہ حضرت صدیق اکبر رض کا امیر الحجاج ہونا اور حضرت علی رض کا آیتہ براۃ کا مبلغ بنانا ثابت ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی رض خود ابو بکر صدیق کے ماتحت ہو کر اپنا کام انجام دیتے رہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض روایات کے مطابق خود ابو بکر صدیق نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ کہ وہ سورۃ براۃ کی آیات کی تلاوت میں ان کی مدد کریں اور حدود کے نفاذ کے سلسلہ میں اپنا تعاون پیش کریں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ابوبکر صدیق نے امیر الحجاج ہونے کی حیثیت سے اعلان براءت میں حضرت علی کے لیے ابوہریرہ کو ان کا معاون بنایا

بخاری شریف:-

إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ فِي تِلْكَ الْحَجَّةِ فِي مُؤَذِّنِينَ بَعَثَهُمْ يَوْمَ النَّحْرِ يُؤَذِّنُونَ بِمِنًى أَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ثُمَّ أَرْدَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَأَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ بِبَرَاءَةٍ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَأَذَّنَ مَعَنَا عَلِيٌّ يَوْمَ النَّحْرِ فِي أَهْلِ مِنًى بِبَرَاءَةٍ وَأَنْ لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ۔

(بخاری شریف جلد دوم ص ۶۷۱ پارہ ۱۹ مطبوعہ نور محمد کراچی)

ترجمہ:- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ مجھے ابوبکر صدیق نے سنہ ۹ ھ میں ہونے والے حج کے اندر اعلان کرنے والوں میں بھیجا۔ اس حج میں حضرت ابوبکر صدیق امیر الحجاج تھے۔ ہمیں یہ کہا گیا تھا۔ کہ یوم النحر کو منٰی میں یہ اعلان کریں۔ کہ کوئی مشرک اس سال کے بعد نہ حج کرنے آئے۔

اور نہ ہی کوئی ننگا ہو کر طواف کرے گا۔ حمید بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اور انہیں براءت کا اعلان کرنے کو کہا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ہمارے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یوم النحر کو منیٰ میں موجود لوگوں کے اندر اعلان کیا۔ کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہیں اور یہ بھی اعلان کیا۔ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے ہرگز نہ آئے گا۔ اور نہ ہی کوئی ننگے ہو کر طواف کرے گا۔

تنبیہ :

ناظرین کرام! آپ ذرا غور فرمائیں۔ کہ کیا اس حدیث یا دیگر احادیث کے مضمون کے مطابق شیعہ حضرات کا طعن بنتا ہے۔ یا بہتان و افتراء ہے؟ یہ لوگ اس طعن سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ابوبکر صدیق جب ایک سورۃ کی تبلیغ کے قابل نہ تھے تو وہ خلافت کے متحمل کیوں کر ہو سکتے ہیں؟

آپ غور فرمائیں۔ اگر واقعی ان کے کہنے کے مطابق صدیق اکبر میں ایک سورۃ کی تبلیغ کی قابلیت اور لیاقت نہ ہوتی۔ تو ابتداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اس کام کے لیے منتخب کیوں فرماتے۔ بلکہ یہ تو ایک معمولی فریضہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اس سے زیادہ اہم فریضہ "امیر الحجاج" کا آپ کو سپرد فرمایا۔ شیعہ یہ تو کہتے ہیں۔ کہ سورۃ براءۃ کے اعلان سے آپ کو معزول کر دیا گیا۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ آپ کو "امیر الحجاج" کے منصب اعلیٰ سے بھی دستبردار کر دیا گیا۔ تو اس سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بعد میں انتخاب کر کے ابوبکر صدیق کے پیچھے روانہ کرنا اسی سبب سے تھا کہ عرب قبائل میں عہد کے توڑنے کے اعلان کے لیے خود عہد کرنے والے یا اس کے کسی قریبی

کا ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا ورنہ آپ کے حق میں کوئی وحی نہیں اتری تھی کہ ابوبکر عہدہ کے قابل نہیں لہٰذا اس کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت علی کو معین کرو جیسا کہ اس کی تائید شیعہ مؤرخ احمد ابن یعقوب نے اپنی کتاب مشہور تاریخ یعقوبی میں یوں کی ہے۔

تاریخ یعقوبی:۔

وَتَبِعَهٗ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ بِسُوْرَةِ الْبَرَآءَةِ فَاَخَذَهَا مِنْ اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ نَزَلَ فِيَّ شَيْءٌ فَقَالَ لَا وَلٰكِنَّ جِبْرَائِيْلَ قَالَ لِيْ لَا يُبَلِّغُ هٰذَا اِلَّا اَنْتَ اَوْ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِكَ۔

(تاریخ یعقوبی ص ۷۶ جلد ۲ تذکرہ الامراء علی السرایا والجیوش)

ترجمہ:۔ سورہ براءۃ کے لیے حضرت علی (ابوبکر کے پیچھے روانہ ہوئے) اور ابوبکر سے اس کو پکڑ لیا تو ابوبکر نے نبی علیہ السلام سے عرض کی کیا میرے حق میں کوئی حکم نازل ہوا ہے آپ نے فرمایا نہیں لیکن جبرائیل نے آکر کہا کہ سورۃ براءۃ کی آپ یا آپ کی اہل سے کوئی آدمی تبلیغ کرے۔

چیلنج:۔

شیعہ حضرات نے اس طعن کی بناء حدیث ترمذی کو بنایا جس سے مروڑ تروڑ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں خلیفہ بننے کی اہلیت نہیں تھی اس لیے میں نے سورۃ براءۃ کی حقیقت حال کو کتب حدیث اہلسنت سے ایسا واضح کیا کہ جس کے پڑھ لینے کے بعد وہ آدمی جس کے سینے میں ایمان اور رائی بھر بھی

انصاف ہے وہ اس واقع سورۃ براۃ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات پر کسی قسم کا طعن نہیں کر سکتا بلکہ یہ فیصلہ کرتے پر مجبور ہوگا یہ واقع ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہوتے پر ایک بہت بڑی قوی اور مضبوط دلیل ہے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ اکرام اور اہلبیت بمعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اپنے قائم مقام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحجاج منتخب فرمایا اور پھر ان کی زیر امارت تمام صحابہ اکرام اور اہلبیت نے حج کیا اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں اور کسی ایک نے بھی آپ کے امیر الحجاج بنائے جانے پر اعتراض نہ کیا تو اس سے بڑھ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ برحق ہونے کی کیا دلیل ہو سکتی ہے میں تمام دنیا کے اہل تشیع کو چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی شیعہ مولوی ایک صحیح حدیث دکھا دے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کبھی امیر الحجاج بنایا ہو یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے امیر الحجاج بنانے کے بعد ان کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر الحجاج بنایا ہو تو میں اس شیعہ مولوی کو بیس ۲۰ ہزار نقد انعام پیش کروں گا۔

فرات اور طبری شیعہ مفسران نے تسلیم کر لیا کہ حضرت علی نے ابوبکر صدیق کی زیر امارۃ سورۃ براۃ کا اعلان کیا اور ابوبکر صدیق کو نبی علیہ السلام نے مصاحبت غار ثور کا انعام یاد دلا کر خوش کر دیا۔

مجمع البیان

اَجْمَعَ الْمُفَسِّرُوْنَ وَنَقَلَهُ الْاَخْبَارُ اَنَّهٗ لَمَّا نَزَلَتْ

بَرَآءَةٌ دَفَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَبِىْ بَكْرٍ ثُمَّ اَخَذَهَا مِنْهُ وَدَفَعَهَا اِلٰى عَلِىِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ رض وَاخْتَلَفُوْا فِىْ تَفْصِيْلِ ذٰلِكَ فَقِيْلَ اِنَّهُ بَعَثَهُ وَاَمَرَهُ اَنْ يَقْرَءَ عَشَرَ اٰيَاتٍ مِّنْ اَوَّلِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ وَ اَنْ يَنْبِذَ اِلٰى كُلِّ ذِىْ عَهْدٍ عَهْدَهُ ثُمَّ بَعَثَ عَلِيًّا خَلْفَهُ لِيَاْخُذَهَا وَيَقْرَءَهَا عَلَى النَّاسِ فَخَرَجَ عَلِىٌّ عَلَىٰ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَضْبَاءِ حَتّٰى اَدْرَكَ اَبَا بَكْرٍ بِذِى الْحُلَيْفَةِ فَاَخَذَهَا مِنْهُ وَقِيْلَ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ رَجَعَ فَقَالَ هَلْ نَزَلَ فِىَّ شَىْءٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اِلَّا خَيْرٌ وَلٰكِنْ لَا يُؤَدِّىْ عَنِّىْ اِلَّا اَنَا اَوْ رَجُلٌ مِّنِّىْ وَقِيْلَ اِنَّهُ قَرَءَ عَلِىٌّ بَرَآءَةً عَلَى النَّاسِ وَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ اَمِيْرَ الْمَوْسِمِ ۔

(مجمع البیان جلد ۳ جزء ۵ ص ۳ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: تمام مفسرین کرام نے اس بات پر اتفاق کیا ہے۔ کہ جب سورۃ براۃ نازل ہوئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ پھر ان سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ اس کی تفصیل میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ کہا گیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق کو مکہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اور حکم دیا۔ کہ اس سورت کی ابتدائی دس آیات تلاوت کی جائیں۔ اور ہر عہد والے سے اس کا عہد ختم کر دیا جائے پھر ان کے پیچھے حضور نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ تاکہ ابو بکر سے

لے کر یہ خود پڑھیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہو کر چل پڑے۔ اور مقام "ذی الحلیفہ" میں صدیق اکبر کو جا ملے۔ ان سے وہ سورۃ لے لی۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ ابوبکر واپس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور پوچھا۔ کیا کوئی اس بارے میں نئی چیز اتری ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب کچھ اچھا ہی ہے۔ لیکن میری طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کا اعلان وہی کر سکتا ہے جو ہمارا رشتہ دار ہو۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سورہ براۃ پڑھ کر سنائی۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ "امیر الحجاج" تھے

فرات کوفی

فَسَارَ عَلِیٌّ عَلٰی نَاقَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَدْرَکَہٗ بِذِی الْحُلَیْفَۃِ فَلَمَّا رَآہُ اَبُوْبَکْرٍ قَالَ اَمِیْرًا اَوْ مَامُوْرًا فَقَالَ عَلِیٌّ بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِتَدْفَعَ اِلَیَّ بَرَاءَۃً قَالَ فَدَفَعَہَا وَانْصَرَفَ اَبُوْبَکْرٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَالِیْ نَزَعْتَ مِنِّیْ بَرَاءَۃً اُنْزِلَ فِیَّ شَیْءٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ جِبْرَئِیْلَ نَزَلَ عَلَیَّ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُنِیْ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤَدِّیَ غَیْرِیْ اَوْ رَجُلٌ مِّنِّیْ وَاَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ شَجَرَۃٍ وَّاحِدَۃٍ وَالنَّاسُ مِنْ شَجَرٍ شَتّٰی اَمَا تَرْضٰی یَا اَبَابَکْرٍ اَنَّکَ صَاحِبِیْ فِی الْغَارِ قَالَ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

(تفسیر فرات کوفی ص۵۶ مطبوعہ نجف اشرف)

ترجمہ:۔ علی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر سوار ہو کر چلے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مقام ذوالحلیفہ میں آلیا، ابو بکر نے جب انھیں دیکھا تو کہا امیر بن کر آئے ہو یا مامور بن کر، کہا مجھے نبی علیہ السلام نے اس لیے بھیجا ہے کہ سورۂ برأت کی آیات میرے حوالہ کر دیں۔ چنانچہ ابو بکر نے آیات انھیں دے دیں اور واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے آیات برأت مجھ سے واپس لی ہیں۔ کیا میرے متعلق کوئی امر نازل ہوا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبریل میرے پاس آئے اور بتلایا کہ اللہ مجھے حکم دے رہا ہے کہ سورۃ برارت میں خود جا کر لوگوں کو سناؤں یا میرے خاندان کا کوئی دوسرا فرد اور میں اور علی ایک ہی درخت سے بنے ہیں۔ باقی لوگ مختلف درختوں سے ہیں۔ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو غار میں میرا ساتھی ہے عرض کی ہاں یا رسول اللہ۔

امام باقر کا قول ہے کہ نبی علیہ السلام نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحجاج بنایا تھا اور اعلانِ براءت کی ذمہ داری سونپی ہی نہ تھی

تفسیر عیاشی

عَنْ زُرَارَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ

لَا وَاللّٰهِ مَا بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَا بَكْرٍ بِبَرَآءَةٍ اَهُوَ كَانَ يَبْعَثُ بِهَا مَعَهُ ثُمَّ يَاْخُذُهَا عَنْهُ؟ وَلٰكِنَّهُ اسْتَعْمَلَهُ عَلَى الْمَوْسِمِ وَبَعَثَ بِهَا عَلِيًّا بَعْدَ مَا فَصَلَ اَبُوْبَكْرٍ عَنِ الْمَوْسِمِ فَقَالَ لِعَلِيٍّ حِيْنَ بَعَثَهُ اَنَّهُ لَا يُؤَدِّيْ عَنِّيْ اِلَّا اَنَا وَاَنْتَ۔

تفسیر عیاشی جلد ۲ ص ۷۴ زیر آیت براءۃ من اللہ ورسولہ الخ

ترجمہ: زرارہ سے مروی ہے کہ میں نے ابوجعفر امام باقر علیہ السلام سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رض کو سورۃ برائت دے کر نہیں بھیجا تھا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ابوبکر کو ایسا کام سونپیں اور پھر واپس لے لیں؟ بلکہ آپ نے انہیں موسم حج کا امیر بنا کر بھیجا تھا اور علی مرتضیٰ کو اعلان براءت کا کام دے کر اس وقت بھیجا۔ جب صدیق اکبر رض اپنے کام کو جا چکے تھے چنانچہ علی رض سے فرمایا۔ جب انہیں بھیجا کہ یہ اعلان میری طرف سے یا تم کر سکتے ہو یا میں خود کر سکتا ہوں۔

یاد رہے۔ تفسیر عیاشی شیعہ حضرات کی بڑی مایہ ناز تفسیر قرآن ہے۔ جس کا مصنف ہے ابو نصر محمد بن مسعود عیاشی سمرقندی، اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مذکورہ بالا روایت کے تحت مذکورہ بالا صفحہ کے حاشیہ میں لکھا ہے، کہ یہ روایت بحار الانوار، اور تفسیر صافی میں بھی موجود ہے گویا اہل تشیع کے مفسرین و محدثین کی متفق علیہ روایت قرار پائی۔

"علامہ طبری و فرات نے یہ بات بالکل واضح کر دی۔ کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر الحجاج نہیں بنایا تھا۔ صرف آیات براۃ کی تبلیغ کی ذمہ داری سونپی تھی۔ اور پھر انہیں اس سے معزول کر دیا۔ معزولی کے بعد ان کی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا۔ یہ سب باتیں بے بنیاد اور غلط ہیں۔ بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ امیر الحجاج تھے۔ اور پھر سورۃ برأت کی آیات پڑھنے کی اضافی ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی۔ جو کہ اس لیے واپس لے لی گئی۔ کہ ان آیات سے معاہدہ کو توڑنے کا اعلان مقصود تھا۔ اور اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت والا ہی کوئی مفید ہو سکتا تھا لہٰذا آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ابو بکر صدیق کو "اِنَّكَ صَاحِبِيْ فِي الْغَارِ" کا انعام یاد دلا کر خوش کر دیا۔ بلکہ امام باقر کے آخر الذکر فرمان نے فیصلہ کر دیا کہ صدیق اکبر کو اعلان برأت سونپا ہی نہ گیا تھا۔

نکتہ :-

علمائے اہل سنت نے اس مقام پر ایک عجیب نکتہ ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ اس دفعہ دو طرفہ کنسٹ تیار کیا جانا تھا۔ حج جو کہ جمال الٰہی کا مظہر تھا۔ اور نقض عہد جو کہ جلال الٰہی کا مظہر تھا۔ ان دونوں مختلف کیفیتوں کے لیے دو ایسے اشخاص کا انتخاب فرمایا۔ جن میں ایک جمال الٰہی کا مظہر اور دوسرا جلال الٰہی کا پیکر تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ شخصیت تھے کہ جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا۔" ای بوبکر قول تو قول ابراہیم است "تو اس اعتبار سے صدیق اکبر جمال الٰہی کا مظہر تھے۔ اور آپ کو رحمت والا حصہ یعنی حج کا امیر بنایا گیا۔ دوسری طرف نقض عہد میں قہر و غضب الٰہی کا مظہر ہونا چاہیئے تھا۔ اس کے لیے حضرت علی جو کہ" اسد اللہ" تھے۔ ان کا انتخاب کیا گیا تاکہ مجمع پر جو مسلمانوں او غیر مسلموں پر مشتمل تھا۔ جلال و جمال الٰہی کا اظہار ہو جائے۔

طعن چہارم

ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) میں بارِ خلافت

اٹھانے کی اہلیت نہ تھی

یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ عجز و انکسار انسان کی اعلیٰ صفات میں سے ہے، اور تو اور انبیاء بھی باوجود معصوم از خطا ہونے کے ہمیشہ خوفِ خدا سے ڈرتے اور اللہ سے استغفار کرتے رہے۔ جناب یوسف علیہ السلام نے وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ یعنی میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا کیونکہ نفس کثرت سے برائی کا حکم دینے والا ہے۔

مگر شیعہ حضرات کو ابوبکر صدیق کا مبنی پر تواضع قول مطعون نظر آتا ہے۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی نے جب خلافت سنبھالی، تو خلیفہ بننے کے فوراً بعد آپ نے خطبہ دیا۔ اس خطبے میں اور باتوں کے علاوہ انہوں نے

یہ بھی کہا تھا۔

وَمَا اَنَا اِلَّا كَاَحَدِكُمْ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْنِىْ قَدِ اسْتَقَمْتُ فَاتَّبِعُوْنِىْ وَاِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِىْ وَاعْلَمُوْا اَنَّ لِىْ شَيْطَانًا يَعْتَرِيْنِىْ اَحْيَانًا

(الامامۃ والسیاسۃ مصنفہ ابو محمد عبداللہ بن مسلم جزء اول ص۱۶۔ خطبہ ابی بکر رضی اللہ عنہ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: میں بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں تو جب تم مجھے سیدھے راہ پر دیکھو تو میری بات ماننا اور اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں۔ تو مجھے سیدھا کر دو اور تمہیں معلوم ہونا چاہئیے کہ میرا بھی ایک شیطان ہے۔ جو بعض دفعہ میرے دل میں ایک وسوسہ ڈال دیتا ہے۔

طریقہ استدلال:

جو آدمی اپنے آپ کو شیطانی وساوس سے محفوظ نہ سمجھتا ہو۔ وہ خلافت و امامت ایسے عظیم کام کو سرانجام دینے کا کب اہل ہو سکتا ہے۔ چونکہ ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے خود شیطانی وساوس کا اقرار کر کے اپنی نا اہلی کو واضح کر دیا لہٰذا وہ خلافت و امامت کے غاصب ہوئے۔

جواب اوّل

مذکور طعن میں جس کتاب سے یہ عبارت درج کی گئی ہے۔ (یعنی الامامۃ والسیاسۃ) اس عبارت کی کوئی سند بیان نہیں کی گئی۔ یعنی صدیق اکبر رضی

اللہ عنہ سے یہ باتیں کس نے سنیں۔ اور پھر آگے سنتے سناتے مصنف الامامۃ و السیاسۃ تک ان واسطوں سے پہنچیں۔ چونکہ بے سند روایات کچھ وزن نہیں رکھتیں۔ بلکہ روایات کی صحت و سقم ان کی اسناد سے معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسی مجہول روایت ہمارے لیے قابلِ تسلیم نہ ہونے کی بنا پر موجبِ طعن ہرگز نہیں بن سکتی۔

جواب دوم

اہلِ سنت کے جن حضرات نے اسماء الرجال پر قلم اٹھایا۔ ان کے نزدیک "الامامۃ والسیاسۃ" کے مصنف عبداللہ بن مسلم ابنِ قتیبہ الدینوری کذاب اور وضاع ہے۔ اور ایسا آدمی ہے جس کا مسلک ہی متعین نہیں بعض اسے کرامیہ فرقہ کے متعلق کہتے ہیں۔ کچھ دوسرے حضرات نے اس کو مشتبہ کہا ہے ایسے غیر واضح اور کذاب آدمی کی روایت اہل سنت کے ہاں کس طرح مقبول و منظور ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ روایت ہم پر طعن بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس کتاب کے مصنف کے بارے میں تحقیق ملاحظہ ہو۔

لسان المیزان

قَالَ الْحَاکِمُ اَجْمَعَتِ الْاُمَّۃُ عَلٰی اَنَّ الْقُتَیْبِیَّ کَذَّابٌ ۔۔۔۔۔۔۔ اَنَّ الدَّارَ قُطْنِیَّ قَالَ کَانَ ابْنُ قُتَیْبَۃَ یَمِیْلُ اِلَی التَّشْبِیْہِ مُنْحَرِفٌ عَنِ الْعِتْرَۃِ وَ کَلَامُہٗ یَدُلُّ عَلَیْہِ وَ

قَالَ الْبَیْھَقِیُّ کَانَ یَرٰی رَأْیَ الْکَرَامِیَّۃِ۔

(۱۔ لسان المیزان تصنیف ابن حجر عسقلانی
جلد سوم ص۳۵۸ ۔ حرف العین)
(۲۔ میزان الاعتدال جلد دوم ص۷۷۔
حرف العین طبع مصر جدید)

ترجمہ:۔ حاکم نے کہا۔ تمام اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قتیبی کذاب تھا۔ دارقطنی نے کہا۔ ابن قتیبہ فرقہ مشبّہ کی طرف مائل تھا اہلِ بیت سے کٹ چکا تھا۔ اور اس کا کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ امام بیہقی کہتے ہیں۔ کہ ابن قتیبہ کرامیہ میں سے تھا۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس کا عقیدہ ہی خالص نہیں پھر اس پر مزید یہ کہ تمام محدثین اور اسماء الرّجال کے محققین نے اسے بالاتفاق "کذاب" کہا۔ تو ایسے منافق و کذاب کی روایت کب قابل اعتنا ہو سکتی ہے۔ اور اس میں طعن بننے کی صلاحیت کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب سوم

ذَکَرَ الْمَسْعُوْدِیُّ فِی الْمُرُوْجِ اَنَّ ابْنَ قُتَیْبَۃَ اِسْتَمَدَّ فِیْ کُتُبِہٖ مِنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ الدِّیْنَوْرِیِّ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وَ سَمِعْتُ شَیْخِیَ الْعِرَاقِیَّ یَقُوْلُ کَانَ ابْنُ قُتَیْبَۃَ کَثِیْرَ الْغَلَطِ۔

(لسان المیزان جلد سوم ص ۲۵۸-۵۹)

حرف العین

ترجمہ: مسعودی نے مروج میں ذکر کیا کہ ابن قتیبہ نے اپنی کتابوں میں ابو حنیفہ الدینوری (شیعی) صاحب اخبار الطوال سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ میں نے اپنے شیخ علامہ عراقی رضی اللہ عنہ سے سُنا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ابن قتیبہ میں غلطیوں کا انبار تھا۔ (یعنی وہ غلط باتیں اور واقعات کثرت سے اپنی کتب میں ذکر کرنے کا عادی تھا)

آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ ابن قتیبہ وہ آدمی ہے۔ جو کذاب اور بدمذہب ہونے کے علاوہ ایک کٹر شیعہ عالم کی کتابوں کا چور تھا۔ اور اس سے حاصل کیے گئے واقعات کو رطب ویابس کے ساتھ اپنی کتابوں میں درج کیا۔ پھر اس میں اغلاط کی بھرمار اپنی طرف سے بڑھا کر لکھ دینے کا عادی ہو۔ تو ایسے آدمی کی بات تو ویسے بھی قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اور معترض ہے کہ اس کی عبارت کو بطور دلیل پیش کر رہا ہے۔

جواب چہارم

بالفرض صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب خُطبہ کو دُرست تصوّر کر لیا جائے تو اس میں طعن تلاش کرنا سراسر جہالت ہے۔ اور خبث باطنی کی دلیل ہے نظر انصاف سے دیکھنے والے کو اس خُطبہ سے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کمال تواضع وانکساری نظر آئے گی۔ جس کے ضمن میں ان کی منقبت ٹپکتی ہے شیطان مردُود سے پناہ چاہنا اور اس کے شر سے حفاظت کی دُعا کرنا، ہر مسلمان

ایسے کرتا ہے۔ اور کرنا بھی چاہیئے۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ رب العزت نے جوان کی پاکدامنی اور قید سے رہائی کے وقت کے الفاظ ذکر فرمائے وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ۔ ان کے بارے میں معترض کیا کہتا ہے۔؟

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اگرچہ اہل سنت کے نزدیک انبیائے کرام کے بعد تمام انسانوں سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود عقیدہ یہ ہے کہ وہ معصوم نہیں بلکہ محفوظ ہیں۔ لیکن اہل تشیع کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ ائمہ اہل بیت بھی معصوم ہوتے ہیں۔ تو آیئے اسی نقطۂ نظر سے ذرا دیکھیں۔ کہ جس شخصیت کو اہل تشیع معصوم کہتے ہوں وہ بہر حال ان کے نزدیک غیر معصوم سے افضل ہوگا۔ اگر ایک معصوم شخصیت شیطان کے وساوس سے پناہ مانگتی ہو۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا ہو کہ میری باگ ڈور شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ اے اللہ! تو مجھے اس سے محفوظ رکھ۔ تو غیر معصوم کا اپنے متعلق ایسے الفاظ کہنا طعن کا سبب کہاں بن سکتا ہے۔ شیعہ عبارت یہ ہے۔

صحیفۂ کاملہ

فَقَدْ مَلَكَ الشَّيْطَانُ عِنَانِيْ فِيْ سُوْءِ الظَّنِّ وَضُعْفِ الْيَقِيْنِ فَاَنَا اَشْكُوْا سُوْٓءَ مُجَاوَرَتِهٖ لِيْ وَطَاعَةَ نَفْسِيْ لَهٗ وَ اَسْتَعْصِمُكَ مِنْ مَلَكَتِهٖ وَ اَتَضَرَّعُ اِلَيْكَ فِيْ صَرْفِ كَيْدِهٖ اَنِّيْ۔

(صحیفہ کاملہ سجادیہ للامام زین العابدین ص ۲۲۴ الدعا والثانی والثلاثون مطبوعہ ہرزنی جدید)

ترجمہ:۔ بدگمانی اور یقین کی کمزوری میں شیطان نے میری باگ ڈور پکڑ رکھی ہے۔ تو میں اسے اللہ! اس کی بُری صحبت اور ہمسائیگی سے تیری بارگاہ میں شکایت کرتا ہوں اس کی گرفت اور تسلط سے بچنے کے لیے تیری ہی حفاظت کا طالب ہوں اور اس کے مکر و فریب سے بچنے کے لیے تیری بارگاہ میں گڑگڑاتا ہوں۔

صحیفۂ کاملہ۔

فَاِذَا كَانَ عُمْرِیْ مُرْتَعًا لِلشَّیْطَانِ فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْكَ قَبْلَ اَنْ یَسْبِقَ مَقْتُكَ اِلَیَّ اَوْ یَسْتَحْكِمَ غَضَبُكَ عَلَیَّ۔

(صحیفہ کاملہ سجادیہ ص۱۲۱ دعا عشرون من ادعیۃ الصحیفہ فی مکارم الاخلاق)

ترجمہ:۔ پھر جب میری عمر شیطان کے لیے چراگاہ بن جائے۔ تو مجھے موت دے دینا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں میں تیرے غضب اور ناراضگی کا شکار ہو جاؤں۔

لمحہ فکریہ:۔

"صحیفۂ کاملہ" اہل تشیع کے نزدیک ایک انتہائی مقدس کتاب ہے اور اس کا درجہ قرآن مجید کے قریب بلکہ اس جیسا ہی ہے۔ کیونکہ اس کتاب کے فضائل میں ان کا کہنا ہے کہ قرآن پاک تین بہن بھائیوں کی طرح ہے۔ خود قرآن پاک بھائی اور اس کی دو بہنیں نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ ہیں۔ لہٰذا اس قول کے مطابق صحیفہ کاملہ کی عبارت بھی یونہی قطعی اور محکم ہے۔ جس طرح قرآن پاک کے مضامین اس

کتاب میں مذکور دو دعاؤں میں جو کچھ کہا گیا۔ وہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی زبانی کہا گیا۔ ان دونوں دعاؤں نے ثابت کر دیا کہ ایک بندہ کو اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں کس طرح انکساری و تواضع کرنی چاہیئے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بطور انکساری یہاں تک عرض کر دیا۔ کہ میری بدگمانی اور ضعفِ یقین کی باگ ڈور شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ اے اللہ اگر میری عمر شیطان کے لیے چراگاہ بن جائے تو مجھے اپنی ناراضگی سے قبل دنیا سے اٹھا لینا۔ اس قدر انکساری اور تواضع کرنے پر امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو کوئی بھی موردِ الزام نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ الزام کی بجائے یہ الفاظ ان کی منقبت اور کامل بندگی پر دلالت کرتے ہوئے پیش کیے جاتے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دورانِ خطبہ عوام کے روبرو اللہ کی درگاہ میں عاجزی و انکساری کے لیے مذکورہ الفاظ کہیں تو ان کو طعن بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔؟ دونوں حضرات سے یکساں سلوک کیوں روا نہ رکھا گیا؟

لہٰذا جو آدمی صحیفۂ کاملہ کی مذکورہ دو عبارتوں کو پڑھنے کے باوجود سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات پر طعن کرنے سے باز نہیں آتا۔ تو پھر اس کو یہ بھی فیصلہ کرنا ہو گا۔ کہ امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ان الفاظ کی ادائیگی کی وجہ سے منصب امامت کے اہل نہیں رہتے۔ صرف امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ہی اس زد میں نہیں آئیں گے۔ بلکہ کوئی امام بھی بچ نہ سکے گا۔ خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیں۔ ان میں بھی آپ کو کچھ ایسی ہی صورت نظر آئے گی۔

روضہ کافی

فَلَا تَكُفُّوا عَنِّي مَقَالَةً بِحَقٍّ اَوْ مَشْوَرَةٍ

بِعَدْلٍ فَاِنِّیْ لَسْتُ فِیْ نَفْسِیْ بِفَوْقِ
مَا اَنْ اُخْطِیَ وَلَا اٰمَنَ ذٰلِکَ مِنْ فِعْلِیْ
اِلَّا اَنْ یَکْفِیَ اللّٰہُ مِنْ نَفْسِیْ مَا ھُوَ اَمْلَکُ
بِہٖ مِنِّیْ۔

(روضہ کافی جلد ہشتم ص۳۵۶ خطبہ
امیر المومنین مطبوعہ طہران جدید)

ترجمہ:۔ عدل و انصاف کے مشورہ اور حق بات سے مجھے نہ روکو میں اپنے
آپ کو اتنا بڑا نہیں کہتا کہ مجھ سے خطا نہیں ہو سکتی اور نہ ہی میں
اپنے افعال کو خطاء سے محفوظ سمجھتا ہوں۔ ہاں یہ سب کچھ ہو سکتا
ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان تمام باتوں سے بچائے رکھے۔ کیونکہ وہ
مجھ سے میرے بارے میں زیادہ مالک اور مختار ہے۔

یہ تھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے ملتے جلتے الفاظ جن کا
مضمون صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے مذکورہ الفاظ سے بہت حد تک
ملتا جلتا ہے۔ کیا کوئی عقل کا دشمن "نام نہاد محب علی" اس بات کی جسارت
کرے گا۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ کو بھی اسی طعن سے مطعون کرے۔ جس سے اس نے
صدیق اکبر کو کیا۔ معلوم ہوا کہ ایسے متواضعانہ اور بندگانہ الفاظ ادا کرنا اللہ
کے نیک بندوں کی عادتِ بندگی ہوتی ہے۔ انھیں طعن کا سبب بنانا سراسر
جہالت و حماقت ہے۔

(وباللہ التوفیق)

طعن پنجم

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود اپنے منافق ہونے کا اقرار کیا۔

اہلِ سنت کی دو معتبر کتابیں۔ ترمذی شریف اور مشکوٰۃ شریف اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں۔ کہ صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے خود اقرار کیا۔ کہ میں منافق ہوں (معاذ اللہ) اقراری منافق منصب امامت وخلافت کا اہل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اُمت مسلمہ کا امیر کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں عبارت درج ذیل ہے۔

عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاُسَيْدِيِّ قَالَ لَقِيَنِيْ اَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنْ رَاْيَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَ الْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ هٰذَا فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَ اَبُوْ بَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا ذَاكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْيُ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَّسَاعَةً ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔

رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۸ باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ مطبوعہ اصح المطابع)

ترجمہ: حنظلہ بن ربیع اسیدی کہتے ہیں۔ مجھے ایک مرتبہ ابوبکر ملے۔ تو پوچھا حنظلہ! کیا حال ہے؟ میں نے کہا حنظلہ منافق ہوگیا۔ ابوبکر صدیق نے کہا سبحان اللہ۔ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا۔ ہم جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہوتے ہیں۔ اور آپ ہمیں دوزخ جنت کے بارے میں نصیحت آمیز باتیں تبلا رہے ہوتے ہیں۔ تو یوں محسوس ہوتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ ہماری آنکھیں دیکھ

رہی ہیں۔ پھر جب ہم آپ کی بارگاہ سے اُٹھ کر آجاتے ہیں اور اپنے اہل وعیال اور باغات میں مصروف ہو جاتے ہیں تو ان میں گھر کردہ کیفیت اکثر ہمیں بھول رہتی ہے۔ صدیق اکبر نے یہ سُن کر کہا۔ خدا کی قسم! ہمارے ساتھ بھی یہی کیفیت پیش آتی ہے۔ اس کے بعد میں اور ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ میں نے حضور سے عرض کی۔ حضور! حنظلہ منافق ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ کیسے؟ میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ کی بارگاہ میں جب حاضر ہوتے ہیں۔ اور آپ ہمیں دوزخ وجنت کے بارے نصیحت فرما رہے ہوتے ہیں۔ تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب یہاں سے اُٹھ کر اپنے اہل وعیال اور باغات میں مشغول ہوتے ہیں تو ہم پر اس سلسلہ میں بہت زیادہ نسیان طاری ہو جاتا ہے۔ یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تم پر ہر وقت وہی کیفیت طاری رہتی۔ جو میرے پاس بیٹھنے کے وقت طاری ہوتی ہے۔ اور نصیحت کا اثر اسی طرح علی الدّوام رہتا۔ تو فرشتے تم سے تمہارے بستر دل پر مصافحہ کرتے اور راستوں میں بھی تم سے مصافحہ کرتے۔ لیکن اے حنظلہ یہ کیفیت گاہے گاہے ہوتی ہے۔ آپ نے تین مرتبہ ایسے ہی فرمایا۔ اس حدیث کو مسلم نے صحیح روایت کیا ہے۔

جواب اوّل

اہل تشیع نے مذکور حدیث کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات پر طعن کے لیے بنیاد بنایا۔ اور اس سے ثابت کرنا چاہا کہ چونکہ صدیق اکبر نے منافقت کا خود اقرار کیا ہے۔ لہٰذا وہ منصب امامت وخلافت کے اہل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے انہیں امام عادل اور خلیفہ برحق کہنا غلط ہے۔

اس طعن کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔ کہ پچھلے طعن کی طرح اس میں بھی کوئی وجہ وزن نہیں۔ کیونکہ جناب صدیق اکبر نے تواضع اور انکساری کرتے ہوئے یہ فرمایا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے، کہ جناب صدیق اور حنظلہ رضی اللہ عنہما اپنی کیفیات کا موازنہ کر کے حیران تھے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں موجودگی کے وقت ہماری جو کیفیت ہوتی ہے۔ وہاں سے اُٹھ کر آ جانے کے بعد گھر بلو مصروفیات میں گھر کر وہ باقی نہیں رہتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں موجود ہوتے ہماری آنکھوں سے حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ اور دوزخ وجنت کو یوں لگتا ہے کہ ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن باہر نکل کر پھر حجابات آجاتے ہیں۔ اگر کیفیت میں یہ اختلاف موجب طعن ہوتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کبھی تسلی نہ دیتے۔ اور اگر یہ بات واقعی منافقت ہوتی۔ تو سرکار ابد قرار اس پر ان کی ڈانٹ فرماتے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کیفیت کے فرق کو کوئی نفاق کی بات نہ فرمایا۔ بلکہ اس کی توثیق وتنا ید فرمائی۔ کہ ایسا ہی ہونا ہے۔ کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اگر وہی کیفیت برقرار رہتی تو اندر باہر فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔ لیکن یہ کیفیت کبھی کبھی ہوتی ہے اور اکثرا وقات نہیں رہتی

تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوا۔ کہ اس میں قطعاً کوئی منافقت نہیں۔ لہٰذا اہلِ تشیع کا اس کو "اقرار منافقت" قرار دینا "ظلم عظیم" سے کم نہیں۔

جواب دوم

جو ہم نے جواب ذکر کیا۔ اگر اہلِ تشیع اس سے مطمئن نہ ہوں۔ تو ہم ان کی مزید دلجوئی اور اطمینان کے لیے ایسی ہی ایک حدیث ذکر کرتے ہیں۔ جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے۔ بلکہ مستند اور معتبر کتاب "اصولی کافی" میں مذکور ہوئی ہے۔ جس میں امام باقر رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ان کے شیعوں نے درخواست کی کہ ہماری کیفیت آپ کی بارگاہ میں کچھ اور ہوتی ہے۔ اور باہر نکلیں تو زمین وآسمان کا فرق آجاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے جواب میں امام موصوف نے ان سے کیا کہا۔ خود ملاحظہ کریں۔

اصول کافی

عَنْ سَلَامِ بْنِ الْمُسْتَنِيْرِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَدَخَلَ عَلَيْهِ حُمْرَانُ بْنُ اَعْيَنَ عَنْ اَشْيَاءَ فَلَمَّا هَمَّ حُمْرَانُ بِالْقِيَامِ قَالَ لِاَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ اُخْبِرُكَ اَطَالَ اللّٰهُ بَقَاءَكَ لَنَا وَاَمْتَعَنَا بِكَ اِنَّا نَأْتِيْكَ فَمَا

نَخْرُجُ مِنْ عِنْدِكَ حَتّٰی تَرِقَّ قُلُوْبُنَا
وَ تَسْلُوْا اَنْفُسَنَا عَنِ الدُّنْيَا وَيَهُوْنُ
عَلَيْنَا مَا فِیْ اَيْدِی النَّاسِ مِنْ هٰذِهِ
الْاَمْوَالِ ثُمَّ نَخْرُجُ مِنْ عِنْدِكَ
فَاِذَا صِرْنَا مَعَ النَّاسِ وَ التُّجَّارِ
اَحْبَبْنَا الدُّنْيَا قَالَ فَقَالَ اَبُوْجَعْفَرٍ
عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّمَا هِیَ الْقُلُوْبُ مَرَّةً
تَصْعَبُ وَ مَرَّةً تَسْهُلُ ثُمَّ قَالَ
اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَمَا اَنَّ
اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
اٰلِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَخَافُ عَلَيْنَا
النِّفَاقَ قَالَ فَقَالَ وَلِمَ تَخَافُوْنَ
ذَاكَ قَالُوْا اِذَا كُنَّا عِنْدَكَ فَذَكَّرْتَنَا
وَ رَغَّبْتَنَا وَجِلْنَا وَنَسِيْنَا الدُّنْيَا
وَزَهِدْنَا حَتّٰی كَاَنَّا نُعَايِنُ الْاٰخِرَةَ
وَ الْجَنَّةَ وَ النَّارَ وَ نَحْنُ عِنْدَكَ فَاِذَا
خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ وَ دَخَلْنَا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ
وَ شَمَمْنَا الْاَوْلَادَ وَ رَاَيْنَا الْعِيَالَ وَ
الْاَهْلَ يَكَادُ اَنْ نَحُوْلَ عَنِ الْحَالِ الَّتِیْ
كُنَّا عَلَيْهَا عِنْدَكَ وَحَتّٰی كَاَنَّا لَمْ
نَكُنْ عَلٰی شَیْءٍ اَفَتَخَافُ عَلَيْنَا اَنْ

يَكُوْنَ ذٰلِكَ نِفَاقًا۔ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا اِنَّ هٰذِهٖ خُطُوَاتُ الشَّيْطَانِ فَيُرَغِّبُكُمْ فِي الدُّنْيَا وَاللّٰهِ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلَى الْحَالَةِ الَّتِيْ وَصَفْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِهَا لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ وَمَشَيْتُمْ عَلَى الْمَاءِ وَلَوْ لَا اَنَّكُمْ تُذْنِبُوْنَ فَتَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَخَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا حَتّٰى يُذْنِبُوْا ثُمَّ يَسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ فَيَغْفِرُ لَهُمُ اللّٰهُ اَنَّ الْمُؤْمِنَ مُفْتِنٌ تَوَّابٌ اَمَا سَمِعْتَ قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ وَ قَالَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ۔

(اصول کافی جلد دوم ص۴۲۴ کتاب الایمان والکفر فی تنقل احوال القلب مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ:۔ (بحذف اسناد) سلام بن مستفیر کہتا ہے۔ کہ میں حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں تھا۔ اتنے میں حمران بن اعین نامی شخص آیا اور چند سوالات پوچھے۔ جب حمران نے جانے کا ارادہ کیا۔ تو امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگا۔ مجھے میری حالت

کے متعلق تبلائیے ! اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہم پرتا دیر رکھے۔ اور ہمیں آپ سے نفع پہنچائے۔ ہم آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور جب واپس جاتے ہیں۔ تو ہمارے دل بہت نرم ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور دنیا سے ہمارے نفوس تسلی میں ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کے پاس مال و دولت ہمیں معمولی دکھائی دیتا ہے پھر جب اُٹھ کر چلے جاتے ہیں اور تاجروں اور دوسرے لوگوں سے میل جول کرتے ہیں۔ تو پھر دُنیا ہمیں بھلی لگتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے امام موصوف نے فرمایا یہ دل کی کیفیت ہے۔ کبھی نرم اور کبھی گرم ہوتی رہتی ہے۔ پھر امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ دیکھتے نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے بعض نے آپ سے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہمیں اپنے بارے میں نفاق کا خطرہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ وہ کیونکر؟ کہنے لگے۔ جب ہم آپ کے حضور ہوتے ہیں۔ اور آپ ہمیں تذکیر و نصیحت فرماتے ہیں۔ تو ہمارے دل کانپ اُٹھتے ہیں۔ اور ہم دُنیا بھول جاتے ہیں۔ اور ہم زہد کی طرف مائل ہو جاتے ہیں یُوں لگتا ہے۔ کہ ہم آخرۃ، جنت اور دوزخ کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر جب یہاں سے باہر نکلتے ہیں۔ اور اپنے گھروں میں جاتے ہیں۔ اولاد سے پیار و محبت کرتے ہیں اور اہل وعیال کو دیکھتے ہیں۔ تو قریب ہوتا ہے۔ کہ ہم اس حالت و کیفیت سے علیحدہ ہو جائیں۔ جو آپ کے حضور ہوتی ہے اور بعض دفعہ تو یوں لگتا ہے۔ کہ وہ حالت بالکل ہی ختم ہو گئی ہے۔

کیا آپ اس کو ہمارے لیے نفاق کا خطرہ تو نہیں فرماتے۔ یہ سُن کر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا ہرگز نہیں۔ یہ شیطانی چالیں ہیں۔ وہ تمھیں دُنیا کی طرف رغبت دلانا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم! اگر تمھاری حالت ہمیشہ وہی رہتی۔ جو تم بیان کر رہے ہو۔ تو فرشتے تمھارے ساتھ مصافحہ کرتے۔ اور تم پانی پر چلتے اور اگر بالفرض گناہ نہ کرتے۔ اور پھر ان کی معافی نہ مانگتے۔ تو اللہ تعالیٰ تمھاری جگہ ایسے لوگ پیدا کر دیتا۔ جو یہ دونوں باتیں کرتے۔ پھر اللہ انھیں معاف کر دیتا۔ مومن ابتلاء و آزمائش میں پڑ کر گناہ کر دیتا ہے۔ پھر اس سے توبہ کر دیتا ہے۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سُنا۔ "اللہ تعالیٰ یقیناً توبہ کرنے والوں اور نہایت ستھرا رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔" اور یہ بھی فرمایا: "اپنے رب سے استغفار کرو پھر اس کی طرف رجوع لاؤ۔"

لمحہ فکریہ

آپ نے شیعہ کتاب "اصول کافی" سے مذکورہ روایت کا بالتفصیل معائنہ کیا۔ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی وہی مسئلہ آیا جو جناب حنظلہ اور صدیق اکبر کا تھا۔ اور امام محمد باقر نے جواب دیا۔ کہ یہ دل کی کیفیات ہیں۔ ان پر اتنا کان نہیں دھرنا چاہیئے۔ اور توبہ تائب سے یہ ختم ہو جاتی ہیں۔ پھر اس جواب کی تائید و توثیق اسی واقعہ سے کی جس کو لے کر معترض نے طعن کیا تھا۔ صرف امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے ان صحابہ کرام کے اسماء گرامی ذکر نہیں فرمائے۔ جنھوں نے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا استفسار کیا تھا۔ باقی جواب تقریباً من وعن وہی ہے۔ جو مشکوٰۃ شریف میں سے معترض نے بیان کیا۔ اگر وہ استفسار اور اس کے اندر مذکور الفاظ سبب طعن ہوتے تو امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ انھیں بطور حوالہ پیش نہ فرماتے۔ امام موصوف کا انھیں بطور سند پیش فرمانا اس امر کی واضح علامت ہے کہ یہ کیفیات موجب طعن نہیں۔ بلکہ ایک منقبت اور تعریف کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔ جب ایسے اشخاص کہ جنہیں کسی امام کے حضور وعظ ونصیحت کے دوران ایسی کیفیت سے واسطہ نہ پڑے۔ اُسے ہم منافق کہنے کے لیے تیار نہیں تو ایسے اشخاص میں سے وہ لوگ کہیں بہتر ہیں۔ جنھیں امام و پیغمبر کے حضور دوران تذکیر ایسی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے تو اس سے ایسے اشخاص کی خوبی بیان ہو رہی ہے، نہ کہ نقص ایمان اور نفاق کا اظہار ہو رہا ہے۔

اصولِ کافی والی حدیث کے اندر صاف الفاظ میں موجود ہے کہ ایسے خیالات کی وجہ سے آدمی منافق نہیں ہو جاتا۔ بلکہ صرف یہ شیطانی چال ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ وہ آدمی کو دنیوی رغبت دلانا چاہتا ہے۔ تو اس سے بچنے کے لیے توبہ و استغفار کا طریقہ سکھایا گیا۔

بلکہ اگر یوں کہا جائے۔ کہ با ہر دُنیا میں ایسی کیفیت کا ہونا بھی دراصل قرب خدا کا ایک وسیلہ ہے تو بعید از فہم نہیں۔ کیونکہ امام محمد باقر رحمۃ اللہ نے آخر میں جو کچھ فرمایا کہ اگر بندے گناہ کرنا چھوڑ دیں اور توبہ تائب نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا۔ جو گناہ کر کے توبہ کریں۔ اور اللہ انھیں بخشے۔ یہ استدلال اس کی نشاندہی کرتا ہے کہ گناہ ہو جانا اللہ سے دُوری اور نفاق کی علامت نہیں۔ بلکہ اگر اس کے بعد توبہ نصیب ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کو ایسا بندہ بہت محبوب ہے۔ دراصل بقائے انسانی کی یہ حکمت تھی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی اور معترض اسے طعن سمجھ بیٹھا۔
ناظرین! آپ فیصلہ کر چکے ہوں گے کہ جس کیفیت کو اللہ کے پیغمبر نے نفاق نہ کہا۔ بلکہ نفاق سمجھنے والوں کی تردید فرمائی اور ائمہ اہل بیت میں سے امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے نفاق کو نہ مانا۔ بلکہ اسے ایک مقبول و محمود عمل کہا۔ تو اس کے بعد بھی اگر شیعہ لوگ اسے سببِ طعن گردانیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مطعون بنائیں۔ تو یہ حق پر ہوں گے۔ یا اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کے ایک عظیم امام۔
(فاعتبروا یا اولی الابصار)

اصولِ کافی

عَنْ حُمْرَانَ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّنِیْ نَافَقْتُ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا نَافَقْتَ وَلَوْ نَافَقْتَ مَا اَتَیْتَنِیْ تُعَلِّمُنِیْ مَا الَّذِیْ رَابَكَ اَظُنُّ الْعَدُوُّ الْحَاضِرُ اَتَاكَ فَقَالَ لَكَ مَنْ خَلَقَكَ فَقُلْتَ اللّٰهُ خَلَقَنِیْ فَقَالَ لَكَ مَنْ خَلَقَ اللّٰهَ فَقَالَ اَیْ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَكَانَ كَذَا فَقَالَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ اَتَاكُمْ مِّنْ قِبَلِ الْاَعْمَالِ

فَلَمْ يَأْتِهِ عَلَيْكُمْ فَأَتَاكُمْ مِنْ هٰذِهِ الْوَجْهِ لِكَيْ يَسْتَزِلَّكُمْ فَإِذَا كَانَ كَذٰلِكَ فَلْيَذْكُرْ أَحَدُكُمُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ۔

(اصول کافی جلد دوم ص۴۲۶ کتاب الایمان والکفر باب الوسوسۃ مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ: حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے حمران بیان کرتا ہے۔ کہ امام موصوف نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں ایک آدمی آیا، اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ! میں منافق ہو گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں نہیں ایسا نہیں ہوا۔ اگر تم منافق ہو گئے ہوتے تو میرے پاس نہ آتے مجھے بتلاؤ کیا حال ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ تیرے پاس تیرا شیطان آیا۔ اور اس نے کہا۔ کہ تمہیں کس نے پیدا کیا۔ تم نے جواباً کہا۔ اللہ تعالیٰ نے۔ پھر اس نے تم سے پوچھا اچھا اللہ کو کس نے پیدا کیا۔ یہ سن کر وہ شخص بولا۔ قسم اس رب کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا بعینہٖ یہی ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بات یہی ہے کہ شیطان تمہارے اعمال برباد کرنے کے لیے دخل انداز کرتا ہے۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوتا۔ تو پھر وہ اس طریقہ سے (جو ابھی بیان ہوا) سے داؤ لگانا چاہتا ہے۔ تاکہ تمہیں صراطِ مستقیم سے پھسلا سکے۔ لہٰذا جب ایسا معاملہ ہو۔ تو تم میں سے ہر ایک کو اللہ وحدہ لا شریک کا ذکر کرنا چاہیئے۔

اس حدیث کو بھی آپ نے ملاحظہ کیا۔ تقریباً اسی حدیث سے ملتا جلتا مضمون ہے۔ جس کو لے کر شیعہ لوگ صدیق اکبر پر طعن کرتے ہیں۔ اور خود ان کی "اصول کافی" نے واضح کر دیا۔ کہ اس سے آدمی منافق نہیں بنتا۔ بلکہ یہ فیصلہ خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اقدس سے ذکر کیا۔ اور اور حقیقت بھی وہی ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ کہ منافقت کب کہتی ہے۔ کہ پیغمبر کے در پہ جاؤ۔ وہ تو روکتی ہے اور منافق کب کہتا ہے۔ میں منافق ہوں۔ بلکہ وہ تو دوسرے سے بھی زیادہ پکّہ مومن اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔

اس حدیث نے واضح کر دیا۔ کہ ایک متقی اور عابد و زاہد شخص کبھی بھی اپنے تقویٰ، عبادت اور زہد پر فخر نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو گناہگار ہی کہتا ہے۔ اور اسی کو وہ اپنی تواضع اور انکساری سمجھتا ہے۔ اگر بوجہ غلطی کسی نے وساوس شیطانی کی وجہ سے اپنے نفاق کی شکایت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کی۔ تو آپ نے فوراً اس کی اصلاح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ یہ منافقت نہیں۔ اِن تمام حقائق سے یہی ثابت ہوا۔ کہ اس قسم کی بات موجب طعن نہیں بنتی۔ لہٰذا اس غلط عقیدہ سے معترض کو توبہ کرنی چاہیئے۔ کم از کم اپنے امام جناب محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کا ہی پاس رکھ لو۔

جواب سوم

ہم نے جب شیعہ کتب سے یہ ثابت کر دکھایا۔ کہ حضرت حنظلہ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو بارگاہِ رسالت میں اپنے نفاق کی شکایت کی۔ وہ ان کی انکساری اور تواضع تھی اور ان کے کمال تقویٰ اور ایمان کی علامت تھی۔

یہی وجہ ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دل جوئی فرمائی۔ اور اس قسم کے شیطانی وساوس سے بچنے کی تدبیر ارشاد فرمائی۔ اگر ان آخری تصریحات کے باوجود بھی اگر مخالف معاندیہی رٹ لگاتا پھرے۔ کہ ان لوگوں نے خود نفاق کا اقرار کیا ہے۔ تو پھر اس کی تسلی کی خاطر ایک قول امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا نقل کرکے ہم سے پوچھیں گے۔ اب کیا خیال ہے۔ قول سنیئے۔

صحیفہ کاملہ

اِنْ تُعَذِّبْ فَاَنَا الظَّالِمُ الْمُفَرِّطُ الْمُضَيِّعُ الْاٰثِمُ الْمُقَصِّرُ الْمُضَجِّعُ الْمُغْفِلُ حَظَّ نَفْسِيْ وَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔

(صحیفہ کاملہ سجادیہ ص۲۸ دعا حادی و خمسون مطبوعہ تہران جدید)

ترجمہ:۔ (امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بارگاہِ خداوندی میں عجز وانکساری کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں۔ اے اللہ!) اگر تو عذاب دے تو میں ظالم ہوں۔ گناہوں میں زیادتی کرنے والا ہوں۔ نیکیوں کو ضائع کرنے والا ہوں۔ گناہ گار ہوں۔ قصوروار ہوں۔ کوتاہی کا مرتکب ہوں۔ تیری یاد سے غافل ہوں۔ اور اگر تو معاف کر دے تو تو بے شک بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ باوجودیکہ صفات فاضلہ کاملہ کے حامل ہیں۔ اور زہد و اتقاء ان کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا پڑا ہے۔ حتیٰ کہ شیعہ لوگ ان کی عصمت تک کے قائل ہیں وہ اس دعا میں اپنے آپ کو ظالم، گناہوں میں زیادتی کا مرتکب وغیرہ الفاظ سے اللہ کی بارگاہ میں پیش کر رہے ہیں۔ تو اب شیعہ مفکرین ذرا دل پر ہاتھ رکھ بتلائیں۔ کیا ان اقراری الفاظ کے مطابق تم امام موصوف کو کیا کہو گے؟ یہ عاجزی و انکساری کی جا رہی ہے۔ یا اپنی حقیقت کو بیان کیا جا رہا ہے؟ جو اس مقام پر تمہارا جواب ہوگا۔ وہی ہم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہیں گے۔

لہٰذا ثابت ہوا۔ کہ تواضع و انکساری کے طور پر اکابرین اُمت نے اپنے بارے میں بہت کچھ کہا، اور یہی زیب بھی دیتا ہے۔ ہمیں ان الفاظ کو پڑھ کر ان کے حقیقی مفہوم میں استعمال کرنے سے باز رہنا چاہیئے اور اس قسم کے خبیث اجتہاد سے اپنی آخرت برباد نہیں کرنا چاہیئے۔ امام زین العابدین اگر کسر نفسی سے اپنے آپ کو "ظالم" کہیں تو یہ انہیں زیب دیتا ہے۔ اس سے ان کی امامت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ، اگر اس قسم کے متواضعانہ الفاظ کہیں تو ان کے درجات و مراتب میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ قرآن مجید کو اٹھا کر دیکھو۔

تو حضرت آدم، نوح، ابراہیم، یوسف اور دیگر انبیائے کرام کی دعائیں ایسے الفاظ سے مزین ہیں، جو صرف اور صرف انہیں زیب دیتے ہیں۔ ہم اگر بعینہ انہی الفاظ سے حقیقی مفہوم کے طور پر ان پر استعمال کریں، تو سرے سے ایمان ہی ہاتھ سے دھو بیٹھیں گے۔ اُن کا کچھ نہ بگڑے گا، اسی طرح اکابرین کے بوقت انکساری ادا کردہ الفاظ

ان مطالب ومفاہیم میں لینا جو ان کے حقیقی ہیں۔ ہمیں گستاخ و بے دین نو بنا دیں گے۔ اُن اکابرین کی شان میں کمی نہ آئے گی۔

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ

جس نے تواضع کی اللہ نے اس کو رفعتیں عطا فرمائیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

باب دوم :- عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر کیے گئے مطاعن :-

حدیث قرطاس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی ۔ (معاذ اللہ)

بخاری شریف میں ایک حدیث موجود ہے ۔ جس کا مضمون یہ ہے ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری کے وقت صرف چار دن وصال شریف سے قبل بروز جمعرات اپنے گرد جمع شدہ صحابہ کرام کو فرمایا ۔ کہ " لکھنے کا سامان مہیا کیا جائے ۔ تاکہ میں تمہیں ایسی تحریر لکھ دوں ۔ جس کی وجہ سے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے " ۔ لیکن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے " حسبنا کتاب اللہ " کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتابت سے روک دیا ۔ اور امت کو ہمیشہ کے لیے گمراہی میں ڈال دیا ۔ اس سلسلہ میں بخاری شریف کے الفاظ ملاحظہ ہوں ۔

روایت اوّل :-

بخاری شریف :-

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا

قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَفِی الْبَیْتِ رِجَالٌ فِیْھِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلُمَّ اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ فَقَالَ عُمَرُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ غَلَبَ عَلَیْہِ الْوَجْعُ وَعِنْدَکُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ فَاخْتَلَفَ اَھْلُ الْبَیْتِ فَاخْتَصَمُوْا مِنْھُمْ مَنْ یَقُوْلُ قَرِّبُوْا یَکْتُبُ لَکُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ وَ مِنْھُمْ مَنْ یَقُوْلُ مَا قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا اَکْثَرُوا اللَّغْوَ وَ الْاِخْتِلَافَ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا قَالَ عُبَیْدُ اللّٰہِ فَکَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ اِنَّ الرَّزِیَّةَ کُلَّ الرَّزِیَّةِ مَا حَالَ بَیْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبَیْنَ اَنْ یَکْتُبَ لَھُمْ ذٰلِکَ الْکِتَابَ مِنَ اخْتِلَافِھِمْ وَ لَغَطِھِمْ۔

(بخاری شریف جلد دوم صفحہ نمبر ۸۴۷
کتاب الطب باب قول المریض
قوموا عنی مطبوعہ نور محمد اصح
المطابع کراچی)

ترجمہ:۔

عبداللہ بن محمد اپنی اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کرتے ہیں۔ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا وقت قریب آیا۔ اس وقت آپ کے درِ اقدس پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سمیت بہت سے افراد حاضر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس سامانِ کتابت لاؤ۔ تاکہ میں تمہیں کچھ لکھ دوں۔ جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف میں ہیں۔ اور تمہارے پاس اللہ کی کتاب قرآن ہے۔ وہ ہمیں کافی ہے۔ تو اس پر اہل بیت میں اختلاف رونما ہو گیا۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ سامان کتابت آپ کے نزدیک کر دو تاکہ تمہارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لکھ دیں۔ جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔ اور کچھ دیگر حضرات نے وہی کہا۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ان دونوں گروہوں کا شور و اختلاف بڑھ گیا۔ تو آپ نے انہیں چلے جانے کو فرما دیا۔ عبید اللہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے تھے۔ کہ مصیبت اور بہت بڑی مصیبت وہ چیز ہے۔ جو بوجہ ان کے باہمی اختلاف کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لکھ کر کچھ دینے میں حائل ہو گئی۔

روایت دوم:۔

صحیح بخاری:۔

حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْیٰنُ عَنْ سُلَیْمَانَ

الْاَحْوَلِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ مَا يَوْمُ الْخَمِيْسِ اِشْتَدَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجْعُهٗ فَقَالَ ائْتُوْنِيْ اَكْتُبُ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا فَتَنَازَعُوْا وَلَا يَنْبَغِيْ عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ فَقَالُوْا مَا شَانُهٗ اَهَجَرَ اسْتَفْهِمُوْهُ فَذَهَبُوْا يَرُدُّوْنَ عَنْهُ فَقَالَ دَعُوْنِيْ اَنَا فِيْهِ خَيْرٌ مِّمَّا تَدْعُوْنَنِيْ اِلَيْهِ وَاَوْصَاهُمْ بِثَلَاثٍ قَالَ اَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ جَزِيْرَةَ الْعَرَبِ وَ اَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ اُجِيْزُهُمْ وَ سَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ اَوْ قَالَ فَنَسِيْتُهَا۔

(صحیح بخاری شریف جلد ثانی ص ۶۳۸
باب مرض النبی ووفاتہ کتاب المغازی۔
مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ترجمہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا۔ جمعرات کا دن! اور کیسا عجیب و سخت دن کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درد بڑھ گیا۔ پس آپ نے سامانِ کتابت لانے کو کہا تاکہ کچھ لکھ دیں جس کے بعد کبھی بھی تم گمراہ نہیں ہو گے۔ حاضرین میں اختلاف (جھگڑا) ہو گیا۔ حالانکہ پیغمبر کی موجودگی میں نزاع نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ تو لوگوں نے کہا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت ہے۔؟ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کچھ بے ربط اور پریشان کلام نکلا ہے۔ لہذا آپ سے اس کا مفہوم

اچھی طرح معلوم کر لو تو اس بنا پر معاملہ کتابت انہوں نے دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا (اور وضاحت چاہی) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو اور آپ نے انہیں تین وصیتیں کرنا شروع فرمائیں (پہلی وصیت یہ کہ) مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ (دوسری) یہ کہ ایلچیوں کو اسی طرح انعام دینا جسطرح میں انعام دیا کرتا تھا۔ اور تیسری وصیت سے یا راوی حدیث سعید بن جبیر خاموش رہے اور بیان ہی نہ فرمائی یا بیان کی لیکن مجھے بھول گئی۔

خلاصہ طعن:

مذکورہ دونوں حدیثوں سے مندرجہ ذیل چند امور صراحۃً ثابت ہوئے:

۱: حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے آخری لمحات میں ایک ایسی تحریر لکھوانا چاہتے تھے جس کی وجہ سے امت ہمیشہ کے لیے گمراہی سے بچ جاتی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بمطابق "ما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ" اللہ تعالیٰ کا کلام ہوا اور یہ بات بھی بالکل عیاں ہے کہ جو شخص بھی "امرِ وحی" کو نہ مانے بلکہ اس کے عمل میں لانے کے خلاف کوشاں رہے تو وہ کفر صریح کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی وصیت کو عملی جامہ نہ پہننے دیا۔ اور بایں وجہ (معاذ اللہ) کفر صریح کے مرتکب ہوئے۔

۲: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات (وصیت) کو رد کرتے ہوئے آپ کی طرف ہذیان اور بدحواسی کی نسبت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسے الفاظ منسوب کرنا عند الشرع کفر ہے۔

۳: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس میں آپ کے سامنے شور و غل کیا جو قرآن پاک

کی اس آیت کے خلاف ہے۔ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی، لہٰذا اس طرح بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے ادبی کے مرتکب ہوئے۔

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر لکھوانے سے روکنا اور اس موقعہ پر شور و غل مچانا ان تمام باتوں کا مقصد یہ تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دن پہلے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام کے سامنے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بلا فصل کا اعلان فرمایا تھا۔ اور مقام خم غدیر پر اس بات پر تمام موجود صحابہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت بھی کی تھی۔ حضور اس تحریر کے ذریعہ اسی اعلان کو تکمیلی شکل دینا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ منظور نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے اسے ناکام بنانے کے لیے یہ چال چلی۔

یہ چار عدد طعن ہیں۔ جو "حدیث قرطاس" کے ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کیے گئے ہیں۔ ان چاروں کا یکے بعد دیگرے جواب تحریر کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

امر اول کا جواب :۔

اِیْتُوْنِیْ بِقِرْطَاسٍ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر و نہی کے قبیلہ سے نہیں ہیں کہ جس سے کوئی فریضہ ثابت ہو بلکہ اس میں اِیْتُوْنِیْ اگرچہ صیغۂ امر ہے۔ لیکن وجوب کے لیے ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس کی مخالفت کرنا (معاذ اللہ) کفر ہو سکتا تھا۔ اور اگر اسے وجوب کے لیے مانا جائے۔ تو پھر "امر رابع" کی روشنی میں اس کا مفہوم کچھ یوں بنے گا۔ کہ اسے پیغمبر محترم! آپ کو اس سے قبل "خلافت علی بلا فصل" کے اعلان کے لیے "یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ"

کے الفاظ سے حکم دیا گیا تھا۔ اور اسی اعلان کی تکمیل اب ایتونی بقرطاس

کے الفاظ سے کروائی جانی منظور تھی۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم کی تکمیل کو عملی جامہ نہ پہننے دیا۔ تو اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے حکم پر عمل کرنے سے روک دیا۔ جب ایسا ہوا۔ تو ”فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ“ کے مطابق آپ نے اللہ کے حکم کی تبلیغ نہ فرمائی۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم سے روک کر صرف اپنا ہی نقصان نہیں کیا۔ بلکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگانے کا راستہ ہموار کر دیا۔ کہ آپ نے معاذ اللہ اللہ کا حکم لوگوں تک نہ پہنچا کر ”حق رسالت“ ادا نہیں کیا۔ تو جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس قسم کا عقیدہ رکھے۔ کہ آپ نے اللہ کے احکام کی تبلیغ میں کوتاہی فرمائی۔ وہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

دوسری بات یہ کہ اسی حدیث میں آتا ہے۔ کہ جب حاضرین نے دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔ کہ یا رسول اللہ! سامان کتابت لے آئیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ”دو کہ مجھے میری حالت پر چھوڑ دو۔ میری یہ حالت اُس سے بہتر ہے۔ جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو۔“ آپ کے اس ارشاد سے واضح ہوا۔ کہ سامانِ کتابت منگوانا دراصل امرِ الٰہی نہ تھا۔ بلکہ محض آپ کی شفقت اور ہمدردی کا آئینہ دار تھا۔ جس طرح کوئی شخص الوداعی لمحات میں کسی بات کی بار بار تاکید کرتا ہے۔

تیسری بات جو اس اعتراض کو جڑ سے ہی اکھیڑ ڈالتی ہے۔ وہ یہ کہ اسی حدیث میں آگے مذکور ہے۔ کہ آپ نے تین وصیتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ دوسری یہ کہ ایلچیوں کو اسی طرح انعام دینا جس طرح میں دیا کرتا تھا۔ اور تیسری وصیت سے سلمان احول ”بوجہ بھول جانے کے خاموش رہے۔ تو جب سامانِ کتابت کے بغیر بھی آپ نے اپنا مدعا اور وصیت نامہ ظاہر فرما دیا۔ تو پھر اس سے یہ مراد لینا کہ آپ دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ”خلافت بلافصل“ لکھوانا چاہتے تھے۔ اس کی

کہاں گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ "ایتونی" کا صیغۂ امر استحبابی تھا۔ وجوب کے لیے اور من جانب اللہ نہ تھا

امر ثانی کا جواب :-

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" کہا۔ تو اس وقت حاضرین کے دو گروہ بن گئے۔ ایک گروہ کا اس بارے میں یہ خیال تھا۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا درست اور برمحل ہے۔ کیونکہ قرآن پاک ہمارے پاس موجود ہے۔ اور اس کے مشکل مقامات کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گاہے بگاہے تشریح بھی فرمادی ہے۔ جس کے بعد کوئی حکم قرآنی ایسا نہیں رہا۔ جس کی تکمیل مطلوب ہو۔ بعض احکام قرآنیہ کو زبانی اور بعض کو عملی طور پر آپ نے واضح فرمادیا ہے۔ اس وضاحت کے بعد کوئی تشنگی باقی نہیں رہ جاتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت مرض موت کی حالت ایسی ہے۔ کہ آپ سخت تکلیف میں ہیں۔ اور اس شدید تکلیف میں آپ نے جو کاغذ قلم منگوانے کا ارشاد فرمایا ہے۔ وہ محض امت پر شفقت کی خاطر ہے۔ لہذا جب آپ کی تعلیمات ہمارے سامنے ہیں۔ اور ان میں آپ نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ تو ایسے تکلیف دہ وقت میں آپ کو مزید تکلیف نہیں دینی چاہیئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کے خیال سے تھا کہ شدید تکلیف کے وقت میں آپ کو مزید تکلیف نہیں دینی چاہیئے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ کی تکلیف میں اضافہ گوارا نہ تھا۔

دوسرا گروہ وہ تھا۔ کہ جن کا خیال یہ تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو عملی جامہ پہنانا چاہیئے کیونکہ "ایتونی بقرطاس" کے الفاظ آپ کی زبان اقدس سے بطور ہذیان نہیں نکلے۔ (کیونکہ نبی کی طرف ہذیان کی نسبت نہیں ہو سکتی۔) تو جب آپ کا کلام عام حالت کی طرح قابل اعتبار و حجت ہے۔ تو اس پر ضرور عمل کرنا چاہیئے۔ اور اس کا اہتمام پیشِ نظر

رہنا چاہیئے۔ تو اس گروہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے دوسرے پہلو کو مدِ نظر رکھا وہ یہ کہ آپ کا ارشاد بہر حال قابل تسلیم ہے۔ لہٰذا اس کو چھوڑنا درست نہیں۔

اس دوسرے گروہ کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر لفظ "اَھَجَرَ" کا مفہوم صحیح واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی یہ لفظ ان حضرات نے کہا۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اختلاف کر رہے تھے۔ گویا وہ دراصل یہ کہہ رہے تھے۔ کہ عمر بن خطاب نے "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلے لفظ پر عمل کو چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ آپ کی زبان اقدس سے یہ الفاظ بطور ہذیان سرزد نہیں ہوئے تھے۔ اس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی شخص سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات پر یہ الزام دھرے۔ کہ عمر بن خطاب نے (معاذاللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف "ہذیان" کی نسبت کی۔ اور ایسا کرنا انتہائی بے ادبی اور کفر کے مترادف ہے۔ تو یہ الزام دراصل ہٹ دھرمی کا آئینہ دار ہو گا۔ اور اس سے خیانت فی الحدیث ٹپکتی نظر آئے گی۔

نوٹ:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہذیان کی نسبت نہ کسی نے کی۔ اور نہ ہی ان الفاظ (اَھَجَرَ) سے یہ مفہوم نکل سکتا ہے۔ کیونکہ یہ لفظ ہمزہ استفہام اور فعل ماضی دو کلمات سے مرکب ہے اور استفہام بھی انکار یا تعجب کے لیے مذکور ہوا۔ تو معنی یہ ہوئے۔ کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہذیان سے کلام فرمایا؟ نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ آپ کا کلام ایک صحیح العقل اور سالم الحواس انسان کی طرح قابل اعتبار ہے۔ یا یہ بھی مفہوم ہو سکتا ہے۔ کہ اگر یوں کہا جائے۔ کہ آپ نے یہ کلام بطور ہذیان فرمایا۔ تو تعجب ہے۔ کیا اللہ کے پیغمبر پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام میں ہذیان فرمایا۔ تو تعجب ہے؟ یعنی قطعاً ان کا کلام ہذیان سے ملوث نہیں ہو سکتا۔

وضاحت:۔

یہی لفظ بعض روایات میں بغیر ہمزہ کے بھی مذکور ہے۔ تو جہاں یہ اس طرح مذکور

ہوا۔ وہاں بھی ہمزہ استفہامیہ کو مقدر سمجھا جائے گا۔ چنانچہ محدث دہلوی جناب شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے "اشعۃ اللمعات" جلد چہارم ص ۶۲۴ میں اس کو ذکر فرمایا۔

"واگر در بعض روایات حرف استفہام مذکور نباشد مقدر است" بعض روایات میں اگر حرف استفہام کے ساتھ یہ لفظ ذکر نہ کیا گیا ہو۔ تو وہاں "ہمزہ استفہام" کو مقدر سمجھا جائے گا۔

یہ بھی ایک لغو الزام ہے

حدیث قرطاس سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات پر الزام لگانا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل نہ کی۔ اور "حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ" کہہ کر اس کو رد کر دیا۔ یہ الزام انتہائی لغو اور سراسر باطل ہے۔ اگر حدیث پاک کے لفظ ایتونی میں غور کیا جائے۔ تو صاف نظر آتا ہے۔ کہ یہ ارشاد تمام حاضرین کو مشترکہ طور پر تھا۔ صرف اس سے مخاطب حضرت عمر بن خطاب کو گرداننا "یتیم فی العلم" ہونے کی دلیل ہے۔ تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تخصیص تمام حاضرین کو کتاب و قلم لانے کا ارشاد فرمایا۔ تو تمام حاضرین پر اس کی تعمیل لازم ٹھہری۔ اگر ان میں صرف ایک آدھ اس پر عمل کرنے سے (معاذ اللہ) گریز کرتا ہے۔ تو اس کے سوا باقی تمام حاضرین میں سے ہر ایک پر اس کی تعمیل واجب تھی۔ پھر اگر یہ دیکھا جائے۔ کہ ان حاضرین میں آپ کے گھر والے بھی موجود تھے۔ تو ان کے لیے اس کی تعمیل بہت آسان تھی۔ کیونکہ انہیں سامان کتابت لانے کے لیے کہیں اور جانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ کتابت وحی ان کے گھر ہی ہونے کی وجہ سے سامان کتابت موجود رہتا تھا۔ تو ان حضرات پر سب سے زیادہ لازم آتا تھا۔ کہ حضرت عمر بن خطاب کے "حَسْبُنَا كِتَابُ الله" کہنے پر کان نہ دھرتے۔ اور فوراً ان میں سے کوئی ایک جا کر سامان کتابت لے آتا۔ حالانکہ جس گروہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کی رائے سے اختلاف بھی کیا تھا۔ وہ بھی مخاطب ہونے کے باوجود سامان کتابت نہ لا سکا۔ یا نہ لایا۔ تو لفظ "ایتونی"، کا مصداق صرف فاروق اعظم کو بنانا سراسر زیادتی اور ہٹ دھرمی ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اس موقعہ پر "قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ اور حَسْبُنَا كِتَابُ الله"، کے الفاظ کہنا دراصل ان کے عشق و محبت اور نیک مشورہ کے غماز ہیں۔ "قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجَعُ"، میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درد کا احساس جس طرح عیاں ہے وہ ہر صاحبِ ذوقِ سلیم جانتا ہے۔ اور "عندكم القران"، کہنا دراصل "اليوم اكملت لكم دينكم"، کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ تو گویا دبے الفاظ میں حضرت عمر بن خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درد و تکلیف کے پیش نظر ایک عشق بھرا مشورہ دے رہے ہیں۔ کہ اس حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں قلم دوات پیش کرنا اور پھر کچھ لکھنے لکھانے کی تکلیف دینا کوئی آپؐ سے ہمدردی نہیں ہوگی۔

یہی وجہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عمر کے یہ الفاظ سنے۔ اور ان سے کوئی مخالفت نہ سمجھی۔ بلکہ مزاجِ نبوت کی صحیح ترجمانی سے آپ مطمئن ہو گئے۔ تو آپ نے دوبارہ "سامان کتابت"، طلب فرمانے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ جب بعض صحابہ نے دوبارہ پیش کرنے کی اجازت طلب کی۔ تو آپ نے انکار فرمایا۔ تو اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ الفاظ کہنا اس بنا پر ہوتا کہ آپ کے ارشاد پر تعمیل نہ کرنے کا ایک بہانا بنایا جا رہا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کے ان الفاظ پر خاموشی اختیار نہ فرماتے بلکہ سختی سے فرماتے۔ لاؤ سامان کتابت۔ میں جو تمہیں کہہ رہا ہوں۔ ٹال مٹول سے کام کیوں لیتے ہو؟

لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ الفاظ کہنا دراصل عشقِ نبویؐ کی

روشنی میں تھا۔ اور اگر کوئی اسی ضد پر اڑ جائے۔ کہ نہیں جی! حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو رد کیا ہے۔ اور ان کا یہ جرم قابل معافی نہیں۔ تو یہی جرم دوسروں کا بھی سینے گا چلو حضرت عمر نے سامان کتابت لانے کی مخالفت کی۔ لیکن دیگر حاضرین نے بھی تو سامانِ کتابت مہیا نہیں کیا؟ ان سب کے بارے میں تمہارا کیا فتویٰ ہوگا۔

مخالفت تو یہ بھی تھی:۔

صلح حدیبیہ کے وقت جب صلح نامہ لکھنے کا وقت آیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کے لیے اپنی طرف سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مقرر فرمایا۔ حضرت علی نے جب "محمد رسول اللہ" کے الفاظ تحریر کیے۔ تو کفار نے کہا۔ کہ آپ کا "رسول اللہ" ہونا ہی تو باعث نزاع ہے۔ تم مانتے ہو۔ اور ہم نہیں مانتے۔ لہٰذا اس کی بجائے "محمد بن عبداللہ" لکھو۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ کہ "محمد رسول اللہ" کے الفاظ مٹا کر "محمد بن عبد اللہ" ہی لکھ دو۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لفظ "رسول اللہ" مٹانے سے انکار کر دیا۔ اور عرض کی۔ کہ حضور! میں آپ کے نام کے ساتھ اس لفظ کو لکھ کر مٹا نہیں سکتا۔

حیوٰۃ القلوب کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

حیات القلوب:۔

گفت یا علی محو کن آں را و محمد بن عبداللہ بنویس۔ چنانچہ او میگوید حضرت امیر فرمود کہ من نام ترا از پیغمبری ہرگز محو نخواہم کرد پس حضرت رسول بدست مبارک خود آں را محو کرد۔ (حیات القلوب جلد دوم ص۴۵۲ باب سی و ہشتم مطبوعہ نولکشور) ارشاد شیخ مفید ص۶۲ مطبوعہ قم طبع جدید فی غزوہ بنی المصطلق)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا۔ کہ "محمد رسول اللہ" کے الفاظ مٹا کر "محمد بن عبداللہ" لکھ دو جس طرح وہ کہہ رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ کہ میں آپ کے نام مبارک سے پیغمبری کی صفت ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے اس کو مٹایا۔

اگر "سامانِ کتابت" لانے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ انکاری تھے۔ تو "محمد رسول اللہ" کے لکھنے کے بعد مٹانے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی پرزور انکار کر دیا تھا۔ تو جو فتویٰ پہلے انکار پر دیتے ہو۔ وہی فتویٰ دوسرے انکار پر بھی ہوگا۔ اور اگر دوسرے انکار کی توجیہ کر کے اسے محبت و عظمت مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی علامت گردانتے ہو۔ تو ہمارا بھی یہی مدعا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

ایک گستاخانہ حیلہ

بعض شیعہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "ایتونی بقرطاس" فرمایا۔ تو آپ کے اہل بیت اس ارشاد پر عمل کرنے کے لیے تیار تھے۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رویہ دیکھا۔ تو ان سے ڈرتے ہوئے تعمیل نہ کر سکے۔ اور سامانِ کتابت بارگاہ نبوی میں پیش نہ کر سکے۔

جواب:۔

یہ حیلہ دراصل اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حضور انتہائی گستاخی اور بے ادبی کا پلندہ ہے۔ اہل بیت میں اس وقت شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بنفسِ نفیس موجود تھے۔ تو گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ڈر سے سامانِ کتابت پیش نہ کیا۔ اور کسی انسان سے ڈرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی کی تعمیل نہ کر سکے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ مخلوق سے ڈر کر خالق اور اس کے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و ارشادات کی اتباع چھوڑ دیا کرتے تھے۔ تو کیا یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی نہیں۔

حدیث قرطاس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تنہا خدمتِ نبوی میں موجود رہے

اگر یہ فرض کر لیا جائے۔ کہ مذکورہ بالا حیلہ (خوفِ عمر) درست تھا۔ تو پھر بھی شیعہ

لوگ اپنے مدعا میں صداقت سے بہت دور نظر آتے ہیں۔ کیونکہ یہ واقعۂ قرطاس جمعرات کو پیش آیا۔ اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار دن تک اس دارِ فانی میں قیام پذیر رہے سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ اور صرف دو شخص آخری وقت تک بارگاہِ رسالت میں حاضر رہے۔ ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما۔

حیاۃ القلوب:۔

حضرت امیر المومنین وفضل پسر عباس ازایں مرض از حضرت جدائی شدند و پیوستہ درخدمت آنحضرت بودند۔

(۱۔ حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۹۸۳ باب چہل نہم ذکر حجۃ الوداع مطبوعہ نولکشور طبع قدیم)

(۲۔ ارشاد شیخ مفید صفحہ ۹۹ فی طلب رسول اللہ بدوات وکتف، مطبوعہ قم طبع جدید)

(۳۔ اعلام الوری باعلام الہدیٰ صفحہ ۱۴۲ وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ترجمہ:۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیماری کے دوران آپ سے جدا نہیں ہوئے۔ اور لگاتار خدمتِ اقدس میں حاضر رہے۔

ارشاد شیخ مفید:

فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ حُجِبَ النَّاسُ عَنْهُ وَثَقُلَ فِي مَرَضِهِ كَانَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا يُفَارِقُهُ اِلَّا لِضَرُوْرَةٍ۔

(ارشاد شیخ مفید ص ۹۹ مطبوعہ قم طبع جدید
فی طلب رسول اللہ بدواۃ وکتف

اعلام الوریٰ ص ۱۴۲ مطبوعہ بیروت
طبع جدید وفاۃ رسول علیہ السلام)

ترجمہ: جب صبح ہوئی۔ اور تمام لوگ آپ سے جدا ہو گئے۔ اور آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی۔ تو اس دوران حضرت علی کرم اللہ وجہہ متواتر آپ کے پاس موجود رہے۔ مگر بوقت ضرورت کچھ دیر کے لیے غیر حاضر ہو جاتے۔

تو جب یہ ثابت ہے۔ کہ حضرت علی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہم اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمیت کوئی بھی وہاں نہ تھا۔ اب وہ ڈر تو ختم ہو چکا تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایسے تنہائی کے وقت میں بھی سامان کتابت نہ منگوایا گیا۔ اور نہ ہی اس مسئلہ پر دوبارہ بات چیت ہوئی تو معلوم ہوا۔ کہ یہ حیلہ بھی ان کا خود ساختہ ہے۔ اور اس سے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنقیص شان ٹپکتی ہے۔ وہیں اہل بیت کی گستاخی بھی ہے۔ اور بالخصوص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو غیر خدا سے ڈر کر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو پس پشت ڈالنے والا ثابت کیا گیا ہے۔

شور و غل کرنے کا الزام

پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ "لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی" سے مُراد مطلقاً بلند آوازی نہیں ہے۔ جو کہ بطور عادت ہوتی ہے۔ بلکہ وہ بلند آوازی مُراد ہے جو دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ بے تکلفانہ کی جاتی ہو۔ اس پر شیعہ تفسیر سے حوالہ ملاحظہ ہو۔

منہج الصادقین

پس منہی نبودہ باشد از مطلق جہری کہ مستلزم تکلم است بطریق ہمس واخفات بلکہ مراد از جہر منہی جہری باشد کہ نزد محاورہ با ابنای جنس خود آں معتاد بودہ باشد چہ آں موجب تسویہ آنحضرت است بغیر کہ مستلزم عدم حواعات حرمت نبوت وجلالت قدر و مرتبہ او است۔

(منہج الصادقین جلد ۸ ص ۳۹۵ سورۃ حجرات مطبوعہ تہران)

ترجمہ: مذکورہ آیت میں مطلق بلند آوازی سے منع نہیں کیا گیا۔ جو کہ ہر بولنے کو اگرچہ آہستہ آواز سے ہی ہو لازم ہے۔ بلکہ بلند آوازی وہ منع ہے جو اپنے دوستوں کے ساتھ بطورِ محاورہ اور عادت کے کی جاتی ہے اور وہ نبی پاک کے ساتھ برابری کا سبب ہے، جو کہ مستلزم ہے اسی بات کو کہ نبی علیہ السلام کی حرمت اور جلالت و مرتبہ کا پاس رکھا جائے۔

توضیح: مذکورہ حوالہ سے ثابت ہوا۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بلند آوازی کو جو حبطِ اعمال کا سبب کہا گیا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے۔ کہ گفتگو کرنے والا آپ کو اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے برابر سمجھ کر گفتگو کرے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عمر رضی کے "حسبنا کتاب اللہ" کہنے پر جو صحابہ کرام کے مابین بلند آوازی ہوئی وہ بہ نیت برابری نہ تھی۔ ورنہ صحابہ کرام کے دونوں گروہ اس حکم کی زد میں آجائیں گے۔ حالانکہ اللہ رب العزت نے ان کے بارے میں "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" ارشاد فرمایا۔

دوسری بات یہ بھی غور طلب ہے۔ کہ شور و غل کی وجہ سے مجرم صرف اور صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قرار دینا انتہائی زیادتی اور ہٹ دھرمی ہے۔ حدیث پاک کے

الفاظ ور "فَاکۡثَرُوا اللَّغۡوَ اور فَتَنَا زَعُوۡا،، میں ۔جوازروئے لغت عرب فردِ واحد کے لیے نہیں بلکہ جمع کے لیے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے ۔کہ شوروغل اور بلند آوازی ایک آدمی سے واقع ہونا خلاف واقعہ ہے ۔تو معلوم ہوا۔ کہ اس فعل کے ارتکاب میں ایک جماعت شریک تھی۔ اور وہ وہی جماعت تھی۔ جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول ،، "حَسۡبُنَا كِتَابُ اللهِ،، میں اختلاف کیا۔ اور ان کی باتوں کا جواب دیا یا اپنے حق میں دلائل دینے والی دوسری جماعت کی گفتگو سے یہ ماحول پیدا ہوا۔ یعنی کچھ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید اور کچھ تردید کرتے کرتے بلند آوازی کی حد تک پہنچ گئے۔ کیونکہ اگر سبھی متفق ہوتے ۔تو یہ حالت پیدا ہی نہ ہوتی۔ لہذا ایک جماعت کی باہم بلند آوازی کو صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دینا بہت زیادتی ہے۔

علی رض کی خلافتِ بلافصل کی خود نبی علیہ السلام نے تردید کی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس امر سے بخوبی آگاہ تھے۔ کہ میرے انتقال کے بعد لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔ اور تقدیر الٰہی یہ فیصلہ کر چکی ہے۔ کہ یہ منصب میرے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا جائے گا۔ تو پھر یہ کیسے مانا جا سکتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سامانِ کتابت اس لیے طلب فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت تحریر فرما دیں۔ اس سے قبل ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس معاملہ میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو واضح پیش گوئی فرمائی تھی۔ کہ میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔ اور ان کے بعد تمہارے والد عمر بن خطاب خلیفہ بنیں گے۔ اس پیش گوئی کا تذکرہ "واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا،، آیت کے تحت تفسیر صافی اور تفسیر قمی میں موجود ہے۔

"تفسیر فرات کوفی،، میں منقول ہے۔ کہ جب کسی نے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ فما تاویل قولہ (لیس لك من الامر شیٔ) قال ان رسول الله (ص) حرص ان یکون لا مرلا میرالمؤمنین (ع) من بعدہ فابی

اللہ ۔ (تفسیر فرات کوفی ص ۹۱ مطبوعہ حیدریہ نجف)

لیس لك من الامر شیء (آپ کو اس امر میں کوئی اختیار نہیں) کی تفسیر کے سوال کے جواب میں امام باقر رضی اللہ عنہ نے سائل کو تبلایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش تھی۔ کہ آپ کے بعد امر خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ملے۔ لیکن اللہ رب العزت نے اس سے انکار کر دیا۔

دونوں مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا۔ کہ خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ عند اللہ مقدر ہو چکی تھی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ دو خلیفہ بلا فصل، نہیں ہوں گے۔ اسی مضمون کی دو شیخ مفید، نے ان الفاظ سے توثیق کی ہے۔

ارشاد شیخ مفید:۔

وَبَقِیَ عِنْدَہُ الْعَبَّاسُ وَالْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ وَعَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَاَهْلُ بَیْتِهٖ خَاصَّةً (ع) فَقَالَ لَہُ الْعَبَّاسُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ یَّکُنْ هٰذَا الْاَمْرُ فِیْنَا مُسْتَقِرًّا مِنْ بَعْدِكَ فَبَشِّرْنَا وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّا نُغْلَبُ عَلَیْهِ فَاَوْصِ بِنَا فَقَالَ اَنْتُمُ الْمُسْتَضْعَفُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ وَصَمَتَ فَنَهَضَ الْقَوْمُ وَهُمْ یَبْکُوْنَ قَدْ یَئِسُوْا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

(۱۔ الارشاد للشیخ المفید ص ۹۹ فی طلب رسول اللہ بدوات وکتف مطبوعہ قم خیابان ارم)

(۲۔ اعلام الوریٰ ص ۱۴۲ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے سب لوگوں کے چلے جانے کے بعد صرف حضرت عباس، فضل بن عباس، حضرت علی اور آپ کے اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین رہ گئے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! اگر آپ کے انتقال کے بعد معاملہ خلافت ہمارے بارے میں مقدر ہو چکا ہے۔ تو آپ ہمیں اس کی خوشخبری سنائیں۔ اور اگر آپ جانتے ہیں۔ کہ ہم امرِ خلافت کے حصول میں کامیاب نہ ہوں گے۔ اور لوگ ہم پر زبردستی کریں گے۔ تو آپ ابھی اس حق کی وضاحت فرماتے ہوئے قطعی فیصلہ فرما دیجئے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ تم لوگ میرے بعد کمزور ہو جاؤ گے۔ یہ کہہ کر آپ خاموش ہو گئے۔ حاضرین یہ سن کر روتے ہوئے اٹھ گئے۔ اور امرِ خلافت میں اپنے بارے میں قطعی فیصلہ کرنے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ناامید ہو گئے۔

شیخ مفید نے تو بات ہی ختم کر دی:۔

حدیث قرطاس کی وضاحت میں جو الفاظ "شیخ مفید" کے ہم نے ابھی نقل کیے۔ ان سے تو معاملہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد کسی صاحبِ انصاف پر کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ ان کے الفاظ کے مطابق جب سامانِ کتابت لانے کے ارشاد کے وقت لوگوں کا اختلاف ہوا۔ تو سب لوگ کسی قطعی فیصلہ کے بغیر اٹھ کر چلے گئے۔ صرف حضرت عباس ان کے بیٹے فضل، حضرت علی اور اہل بیت رہ گئے تھے۔ اس پرسکون ماحول میں حضرت عباس نے امرِ خلافت کے بارے میں پوچھا۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فیصلہ ہی فرما دیا۔ کہ امرِ خلافت نہ تمہارے مقدر میں ہے۔ اور نہ خلافت بلافصل بوجہ کمزوری تمہیں ملے گی۔ اس صاف صاف ارشاد سے حاضرین نے سمجھ لیا۔ کہ "خلافت بلافصل" ہمارے

مقدر میں نہیں۔ تو مایوس ہو کر گھروں کو واپس آ گئے۔

اگر "ایتونی بقرطاس" سے سامانِ کتابت منگوانے کی غرض یہ ہوتی۔ کہ اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی "خلافت بلا فصل" کو قلمبند کر دیں۔ جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے رکاوٹ کھڑی کر دی۔ تو جب رکاوٹ ڈالنے والوں میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ ایسی پرسکون حالت میں چند حاضرین جو اس منصب کے خواہاں تھے۔ اور ان میں وہ شخصیت بھی تھی۔ جن کی "خلافت بلا فصل" کو قلمبند کروانا مقصود تھا۔ ان کی طرف سے مطالبہ بھی ہوا۔ لیکن پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "خلافت بلا فصل" ان کے مقدر میں ہونے کی نفی کر دی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ "حدیث قرطاس" حضرت علی رضی اللہ عنہ کی "خلافت بلا فصل" کو قلمبند کرنے کے لیے نہیں۔ بلکہ کسی اور غرض سے تھی۔ شائد "شیخ مفید" کی بات تم لوگوں کے لیے "مفید" ہو۔ اور راہِ راست نظر آ جائے۔ اور اس سے تمہیں حقیقتِ حال کا علم ہو اور اُسے قبول کرنے کی توفیق مل جائے۔

الا ما شاء اللہ

طعن دوم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جلا دینے کی دھمکی دینا

علامہ حیدر نقوی نے اپنی کتاب "تاریخ ائمہ"، ص۱۵۲ پر لکھا ہے۔ اور ابوبکر نے جب خلافت پر قبضہ کر لیا۔ تو حضرت علی نے صبر کر لیا۔ مگر اس پر وہ لوگ راضی نہیں ہوئے۔ بلکہ آپ پر بیعت کے لیے نہایت سختی کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھر سے نکالنے کی کوشش کی۔ حضرت عمرؓ نے لکڑی منگائی۔ اور کہا خدا کی قسم! تم نہیں نکلو گے تو گھر اور جو اس گھر میں ہیں۔ سب کو پھونک ڈالوں گا۔ کسی نے کہا۔ عمرؓ۔ تو اس گھر میں فاطمہؓ بھی ہیں۔ کہا ہوا کریں۔

(بحوالہ طبری جلد ۳ ص۱۹۸)

خلاصہ طعن:۔

سنیوں کی معتبر کتاب "تاریخ طبری" جلد ص۱۹۸ پر منقول ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکڑیاں منگوائیں۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر آئے۔ اور کہا۔ اے فاطمہؓ! اگر تم لوگ اس مکان سے باہر نہ نکلے۔ تو میں تمہارے سمیت سب کو

جلا دوں گا۔

تو جو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تک کو جلانے کا ارادہ کر چکا ہو۔ اس کی اہلبیت سے عداوت میں کون شک کر سکتا ہے۔ بلکہ ہر شخص ایسے کو دشمنِ اہلبیت گردانے گا۔ اور جو دشمنِ اہلبیت ہو۔ وہ خلیفۂ رسول کیسے ہو سکتا ہے۔؟

جواب :۔

مذکورہ طعن سراسر لغو اور بے اصل ہے۔ اِسے عوام کو گمراہ کرنے کے لیے شیعہ لوگوں نے اپنی جعلی بھٹی میں تیار کیا ہے۔ جب اس کا کوئی ماخذ اور اصل ہی نہیں۔ تو اِس میں صداقت کہاں سے آ سکتی ہے؟ اس طعن کے جوابات ملاحظہ ہوں۔

جواب ۱ :۔

"علی نقوی" کا یہ کہنا کہ "سنیوں کی معتبر کتاب تاریخ طبری" میں یوں لکھا ہے۔ یہ اُس نے اِس لیے لکھا۔ تاکہ اپنے من گھڑت طعن میں کچھ مضبوطی آ جائے۔ اور پڑھنے والا متاثر ہو جائے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ "تاریخ طبری" ایسی کتاب ہے۔ جس میں رطب و یابس ہر طرح کی روایات اور مضامین موجود ہیں۔

جواب ۲ :۔

"علی حیدر نقوی" نے "تاریخ ائمہ" میں جو یہ طعن نقل کیا۔ اور اس کا اصل "تاریخ طبری" کو قرار دیا۔ اس نقل کرنے میں بھی اُس نے انتہا درجہ کی خیانت اور غداری سے کام لیا ہے۔ کیونکہ مذکورہ "تاریخ طبری" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لکڑیاں منگوانے اور آگ لگانے کا کوئی ذکر نہیں۔ اور اسی طرح اس کتاب میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

کو جلانے کی دھمکی بھی مذکور نہیں۔ آیئے ہم آپ کو "تاریخ طبری" سے پوری عبارت نقل کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

تاریخ طبری:۔

حَدَّثَنَا ابْنُ حُمَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مُغِيْرَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ كُلَيْبٍ قَالَ اَتَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مَنْزِلَ عَلِيٍّ وَفِيْهِ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَرِجَالٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَاُحْرِقَنَّ عَلَيْكُمْ اَوْ لَتَخْرُجُنَّ اِلَى الْبَيْعَةِ فَخَرَجَ عَلَيْهِ الزُّبَيْرُ مُصْلِتًا بِالسَّيْفِ فَعَثَرَ فَسَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَدِهٖ فَوَثَبُوْا عَلَيْهِ فَاَخَذُوْهُ۔

(تاریخ طبری جلد دوم جز ثالث السنۃ الحادی عشر ص ۱۹۸ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:

زیاد بن کلیب نے کہا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر تشریف لائے۔ اس وقت وہاں حضرت طلحہ، زبیر اور مہاجرین کے بہت سے مرد بھی موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں تم پر مکان کو جلا دوں گا۔ یا بیعت کرنے کے لیے نکل آؤ۔ حضرت زبیر برہنہ تلوار لیے باہر نکلے۔ حضرت عمر نے ان پر جست لگائی۔ تو زبیر کے ہاتھوں سے تلوار گر گئی۔ لوگوں نے جھپٹ کر ان کو پکڑ لیا۔

ناظرین کرام! آپ نے تاریخ طبری کی عبارت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا

کیا اس روایت میں کوئی ایسا لفظ موجود ہے۔ جس کا معنی یہ نکلتا ہو۔ ’’حضرت عمر نے آگ اور لکڑیاں منگوائیں اور کہا۔ میں فاطمہ تمہیں بھی جلا دوں گا،، ؟ کہیں نہیں اور ہرگز نہیں تو معلوم ہوا۔ کہ اس روایت کی معنوی تحریف کرکے بھولے بھالے سنیوں کو دھوکہ دینے کی مذموم کوشش کی گئی ہے۔ ورنہ جہاں تک ’’تاریخ طبری،، کے الفاظ کا مفہوم ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ حضرت عمر حضرت علی رض کے گھر تشریف لائے۔ نہ ان کے ہاتھ میں آگ تھی اور نہ لکڑیاں۔ وہاں پہنچ کر آپ نے ان لوگوں کو دھمکی دی۔ جو ان کے مکان میں بیٹھ کر اسلامی مفاد اور تنظیم ملی کے خلاف مشورے کرتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جلانے کی دھمکی کہاں موجود اور کن الفاظ کا ترجمہ ہے؟

ایک حیلہ :۔

اس روایت سے یہ مراد لینا کہ اگر تم بیعت کے لیے نہ نکلے۔ تو میں تمہارے گھر کو جلا دوں گا،، اور جس گھر کو جلانے کا حضرت عمر کہہ رہے تھے۔ اس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ تو بلاواسطہ نہ سہی بالواسطہ تو سیدہ کو جلانے کی دھمکی موجود ہے۔ لہذا حضرت عمر اس سے بری کیسے قرار دیئے جا سکتے ہو؟

جواب حیلہ :۔

یہ حیلہ اور مراد بھی لغو اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ جو لوگ باہمی مشورہ کر رہے تھے۔ وہ تمام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے محرم نہ تھے۔ اور غیر محرم افراد کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا موجود ہونا کون مان سکتا ہے؟ لہذا معلوم یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ سب افراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کسی ایسے مکان میں مشورہ کرتے ہوں گے جہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نہ تھیں۔ اس احتمال کو تقویت خود کتب شیعہ سے

ہوتی ہے۔

"حق الیقین" میں موجود ہے "دیگر شمار بایں خانہ میائید" تو سیدہ نے فرمایا کہ دوبارہ تم اس گھر آنے کی زحمت نہ کرنا۔ تو سیدہ فاطمہ کے انہیں اپنے گھر میں آنے سے منع کر دینے سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ سیدہ ان غیر محرم حضرات کی گفتگو کے وقت مکان کی دوسرے کمرہ میں موجود تھیں۔ اور اس قسم کے مشورہ کو جو ملکی وحدت کے پارہ پارہ کرنے کے بارے میں ہو۔ اچھا نہیں سمجھتی تھیں۔ اسی لیے ان مشورہ کرنے والوں کو آپ نے فرمایا کہ آئندہ دوبارہ میرے گھر میں نہ آنا۔

فاروق اعظم کی خاتون جنت سے عقیدت

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے بے پناہ عقیدت تھی۔ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ہونا بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کب یہ جسارت کر سکتے تھے۔ کہ سیدہ کا مکان بمعہ سیدہ کے جلانے کی دھمکی دیتے؟

حق الیقین:۔

اے دختر رسولِ خدا احدی نزد ما از خلق محبوب تر نیست از پدر تو و بعد از پدر تو احدی نزد ما محبوب تر نیست از تو بخدا سوگند کہ ایں مانع من نیست از آں کہ اگر ایں جماعت در خانہ تو جمعیت کنند آتش بزنم و خانہ رات را بر ایشاں بسوزانم پس چوں عمر بیروں رفت و آنہا آمدند فاطمہ گفت عمر چنیں گفت و میدانم کہ ایں کار را خواہد کرد شما دیگر بایں خانہ میائید ایشاں رفتند و با ابوبکر بیعت کردند۔ (حق الیقین باب پنجم صلا در طعن بر غاصبین خلافت مطبوعہ تہران)

ترجمہ: اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر! ہمارے نزدیک تمہارے والد گرامی سے بڑھ کر کوئی دوسرا محبوب تر نہیں ہے۔ اور ان کے بعد تم سے زیادہ محبوب اور کوئی نہیں۔ خدا کی قسم! تمہارا یہ ادب و احترام اور محبت مجھ کو اس بات سے روک نہیں سکتا۔ کہ اگر یہ لوگ تمہارے گھر میں جمع ہوتے رہیں۔ تو ان پر تمہارے گھر کو جلا دوں گا۔ پس جب عمر باہر نکلے۔ وہ لوگ آئے تو فاطمہ نے کہا۔ عمر نے اس طرح کہا ہے۔ میں جانتی ہوں۔ کہ اگر تم پھر اس مکان میں دوبارہ آئے۔ تو عمر اس دھمکی کو پورا کر دے گا لہٰذا تم دوبارہ اس مکان میں نہ آنا۔ لہٰذا وہ لوگ مکان سے نکلے۔ تو سیدھے ابو بکر صدیق کے پاس آ کر آپ کی بیعت کر لی۔

اس روایت سے بالکل وضاحت سے ثابت ہوا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کس قدر محبت تھی۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بعد کائنات میں محبوب ترین شخصیت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ نے یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ اگر یہ لوگ، ملک و ملت میں انتشار پیدا کرنے کو باہمی مشورہ کرنے کے لیے آپ کے گھر میں جمع ہوئے تو میں ان کو جلا دوں گا۔

"ملا باقر مجلسی" کی اس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہی کہتا پھرے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جلانے کی دھمکی دی تھی۔ تو یہ بات کس قدر خلافِ واقعہ اور کذب پر مبنی ہے۔

(روایت طبری ازروئے سند قابل حجت نہیں۔)

"زیاد ابن کلیب"، کیسا راویِ حدیث تھا؟

مذکورہ روایت سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ملی وحدت اور ملکی تنظیم کے لیے اس کے خلاف مجلس مشاورت قائم کرنے والوں کو جلانے کی دھمکی دی تھی۔ اگرچہ اس حد تک یہ بات قابلِ اعتراض نہیں لیکن اس کے باوجود جب ہم اس روایت کی اسناد دیکھتے ہیں۔ تو "فنِ درایت"، کے اعتبار سے یہ روایت قابل حجت نہیں رہتی۔ کیونکہ اس کا اصل راوی "زیاد ابن کلیب"، ہے۔ جس کے متعلق "میزان الاعتدال"، میں مذکور ہے۔

میزان الاعتدال:۔

"قَالَ اَبُوْحَاتِمٍ لَيْسَ بِالْمَتِيْنِ فِيْ حِفْظِهٖ"

(میزان الاعتدال جلد اول ص۳۵۵)

ترجمہ:۔ ابوحاتم نے کہا۔ کہ زیاد بن کلیب حافظہ کے اعتبار سے مضبوط نہیں۔ یعنی اس کے حافظہ میں کمزوری ہے۔ کہ کوئی چیز محفوظ نہیں رہتی۔

"جریر بن عبد الحمید"، کا روایتِ حدیث میں مقام۔

اسی روایت کا ایک اور راوی "جریر بن عبد الحمید"، ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس کے بارے میں لکھا۔

ش

میزان الاعتدال :۔

قَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ لَمْ يَكُنْ بِالذَّهِنِ فِي الْحَدِيْثِ.........
لٰكِنْ ذَكَرَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ سُنَنِهٖ فِيْ ثَلَاثِيْنَ حَدِيْثًا لِجَرِيْرِ بْنِ
عَبْدِ الْحَمِيْدِ قَالَ قَدْ نُسِبَ فِيْ اٰخِرِ عُمُرِهٖ اِلٰى سُوْءِ الْحِفْظِ
(میزان الاعتدال جلد اول ص ۱۸۲-۱۸۳)

ترجمہ:۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "جریر بن عبد الحمید" حدیث میں ذہین نہ تھا۔ .... لیکن امام بیہقی نے اپنی سنن میں "جریر بن عبد الحمید" کی تیس کے قریب احادیث ذکر کیں۔ اور فرمایا۔ کہ یہ شخص عمر کے آخری حصہ میں "سوء حفظ" کی طرف منسوب ہو گیا تھا۔ یعنی اس کی قوت حافظہ یاد نہ رکھنے کی بنا پر بری ہو چکی تھی۔ اور لوگ اس کی قوت حافظہ کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

"ابن حدید شیعی" کے نزدیک اس حدیث کا درجہ

"ابن حدید شیعی" نے مذکورہ روایت کو صحت کے قابل نہیں سمجھا۔ بلکہ اس نے اسے "خبر واحد غیر موثق" کہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

شرح ابن حدید :۔

وَاَمَّا مَا ذَكَرَهٗ مِنَ الْهُجُوْمِ عَلٰى دَارِ فَاطِمَةَ وَجَمْعِ
الْحَطَبِ لِتَحْرِيْقِهَا فَهُوَ خَبَرٌ وَاحِدٌ غَيْرُ مَوْثُوْقٍ بِهٖ وَلَا

مُعَوَّلَ عَلَیْہِ فِیْ حَقِّ الصَّحَابَۃِ بَلْ وَلَا فِیْ حَقِّ اَحَدِ الْمُسْلِمِیْنَ مِمَّنْ ظَھَرَتْ عَدَالَتُہٗ۔

(ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد چہارم الجزء العشرون ص ۴۶۲ ۔ فی رائی الشارح رد اعلی ما کتبہ الزیدی وفی ترجمۃ عمار بن یاسر مطبوعہ بیروت طبع جدید چار جلدوں میں۔)

ترجمہ:

بہر حال یہ روایت جس میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر ہجوم کرنے اور اسے جلا دینے کا ذکر ہے۔

وہ "خبر واحد غیر موثوق بہ" ہے۔ صحابہ کرام کی شان کی تنقیص کے بارے میں ایسی روایت مردود ہے۔ بلکہ ایسی روایت سے تو کسی عام مسلمان کی تنقیص بھی نہیں ہو سکتی۔ جس کی "عدالت" ظاہر ہو۔

خلاصہ کلام :

یہ ہوا۔ کہ اول تو یہ روایت کے الفاظ ہی ثابت نہیں۔ جن میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جلانے کا ذکر ہو۔ دوسرا یہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف اسلامی مملکت کے تحفظ اور ملی وحدت کے پیش نظر جلانے کی دھمکی

صرف ان لوگوں کو دی تھی۔ جو اس میں ملوث تھے۔ تیسرا یہ کہ اس روایت کے راوی، "فن درایت"، کے معیار پر پورے نہ اترنے کی وجہ سے "قابلِ حجت"، نہ رہے کہ ان کی روایت سے کوئی حجت لی جا سکے۔

ان تمام باتوں سے خلاصہ یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس طعن میں کوئی جان نہیں۔ بلکہ دروغ گوئی کی ایک بہترین مثال ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

باب سوم:-

صدیق و فاروق رض پر کیے گئے مشترکہ مطاعن :-

طعن اول

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے باوجود شیخین جیش اسامہ میں شریک نہ ہوئے

شیعہ حضرات کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں یہ خواہش فرمائی۔ کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو رومیوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے بھیجا جائے۔ اور جس لشکر کو ان کی معیت میں بھیجا جائے۔ ان میں تمام منافقین اور فتنہ پرور لوگوں کو بھرتی کر دیا جائے۔ یہ فتنہ پرور اور منافقین وہی تھے۔ جن کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو "خلیفہ بلافصل" بنانے کی شدید رکاوٹ کا خطرہ تھا یعنی ابوبکر صدیق! اور ان کے رفقاء جب ایسے تمام لوگ محاذ جنگ پر چلے جائیں گے۔ اور رکاوٹ ختم ہو جائے گی۔ تو امر خلافت کسی جھگڑے اور کشمکش کے بغیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر سخت وعیدی الفاظ ارشاد فرمائے۔ الملل والنحل" میں ان الفاظ کو علامہ شہرستانی نے یوں نقل کیا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَهِّزُوْا جَیْشَ اُسَامَۃَ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا۔

ترجمہ:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسامہ کے لشکر کی جلد تیاری کرو۔ جو پیچھے رہے گا۔ اس پر اللہ کی لعنت۔

لہٰذا اس وعید شدید کے ہوتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس لشکر میں نہ تو

ابوبکر صدیق گئے اور نہ ہی عمر بن خطاب جب ان دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کو پسِ پشت ڈال کر لشکر اسامہ میں جانا پسند نہ کیا۔ تو بموجب ارشاد نبوی "اللہ کی لعنت" کے سزاوار ہوئے۔ اور جو شخص اللہ کی لعنت کا مستحق ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل پیرا نہ ہو۔ وہ امت کا امیر اور نبی کا خلیفہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟

مذکورہ طعن کی تقریر شیعہ مجتہد ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب میں یوں نقل کی ہے۔

حیات القلوب:۔

پس اسامہ بن زید را امیر کرد و لشکرے از منافقاں و اہل فتنہ وغیر ایشاں برائے او ترتیب داد۔ و امر کرد او را کہ با اکثر صحابہ بیروں آرد بسوئے بلاد روم آں موضعے کہ پدرش درآنجا شہید شدہ بود و غرض حضرت از فرستادن ایں لشکر آں بود کہ مدینہ از اہل فتنہ و منافقاں خالی شود۔ وکسے با امیر المومنین منازعہ نکند۔ تا امر خلافت برآنحضرت مستقر گردد۔

(۱۔ حیات القلوب ص ۱۱۶۷ جلد دوم
مطبوعہ نولکشور باب شصت و سوم وصیت
حضرت رسول)
(۲۔ تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین
جلد اول صفحہ ۳۲۰ مطبوعہ یوسفی دہلی)

ترجمہ:۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کو امیر لشکر بنایا۔ اور فتنہ پرور لوگوں، منافقوں اور دیگر لوگوں سے ان کے لشکر کی ترتیب دی۔ اور فرمایا کہ صحابہ کرام کی اکثریت کو ساتھ لے کر روم کے شہروں کی طرف چل پڑو۔ اور اس مقام پر پہنچو جہاں تمہارے والد کو شہید کیا گیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لشکر کے بھیجنے میں غرض یہ تھی کہ اس طرح جہاد کے بہانہ سے مدینہ منورہ ان لوگوں سے خالی ہو جائے گا۔ جو منافق اور فتنہ پرور ہیں۔ اور ان کی غیر موجودگی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ کسی کا تنازع باقی نہیں رہے گا۔ اور خلافت کا معاملہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں پختہ ہو جائے گا۔

جواب اوّل:-

پہلی بات تو یہ ہے کہ جس شخصیت کے بارے میں شیعہ حضرات بڑھ چڑھ کر بڑے اہتمام سے یہ طعن پیش کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لشکر اسامہ میں شامل ہونے کا حکم ارشاد فرمایا۔ مگر وہ اس لشکر میں شامل نہ ہوئے تو اس کی تردید خود کتب شیعہ میں مذکور ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لشکرِ اسامہ میں بھیجنے کا حکم دینا متفق علیہ نہیں۔ بلکہ اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں لشکر اسامہ میں شمولیت کا حکم دیا بھی ہے یا نہیں۔

جواب دوم:-

اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ جس طرح شیعہ حضرات نے طعنِ مذکورہ کی تقریر کی ہے تو وہ بھی از اول تا آخر بالکل غلط اور باطل ہے۔ اور ان کی خود ساختہ ہے۔ جس کا ثبوت اہلسنت کی معتبر کتب میں قطعاً موجود نہیں۔ اسامہ بن زید کے امیر بنا کر بھیجنے اور ان کی معیت میں جانے والے لشکر کے واقعہ کو امام اہل سنت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" میں نقل کیا ہے۔ اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے ملاحظہ ہو۔

تحفہ اثنا عشریہ:-

"جمادی الاولیٰ ۸ھ میں جنگ موتہ میں روم و عرب کے مشرکین نے حضرت

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا اِس لیے یوم دوشنبہ ۲۶ ماہ صفر ۱۱ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ رومیوں سے جنگ کرنے اور حضرت زید بن حارثہ کا بدلہ لینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دوسرے روز آپ نے اسامہ بن زید کو بلا کر ارشاد فرمایا۔ کہ میں نے تمہیں اس لشکر کا سردار مقرر کر دیا۔ تم اس کو لے کر اپنے باپ کی قتل گاہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ آپ نے اسامہ کو جنگ کے متعلق پوچھا اور ہدایات بھی دیں۔ چار شنبہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار اور درد شروع ہو گیا۔ پنجشنبہ کی صبح کو آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے اسامہؓ کے لیے جھنڈا تیار کیا۔ اور ان سے فرمایا۔ کہ راہِ خدا میں جہاد کرو۔ اور کافروں سے لڑائی کرو۔ اسامہؓ وہ جھنڈا لے کر نکلے۔ اور بریدہ بن حصیب اسلمی کو علمبردار بنا کر وہ جھنڈا ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور مدینہ منورہ سے تین میل شام کی طرف مقامِ جرف میں قیام کیا۔ تاکہ سپاہ جمع ہو جائے۔ چنانچہ صدیق اکبر و فاروق اعظم و ابوعبیدہ بن جراح و سعد بن ابی وقاص و سعید بن زید و قتادہ بن نعمان و سلمہ بن اسلم وغیرہ اعیان مہاجرین و انصار نے اس لشکر میں شرکت کے لیے تیاری کر لی پنجشنبہ ۸ ربیع الاول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجہ شدت مرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ نماز مقرر کیا۔ چنانچہ وفات شریف تک وہی نماز پڑھاتے رہے۔ جو اصحاب اسامہ کے ساتھ جانے کے لیے متعین ہوئے تھے۔ وہ یوم شنبہ ۱۰ ربیع الاول کو گروہ گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر لشکر گاہ میں پہنچے۔ یک شنبہ کے دن مرض اتنا زیادہ ہو گیا۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بول نہ سکتے تھے۔ اسامہ بقصدِ وداع حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضور کے سر اور ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور اپنا دستِ مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر اسامہ پر رکھتے تھے۔ اسامہ رخصت ہو کر لشکر گاہ میں پہنچے۔ دوسرے

روز صبح کے وقت اسامہ پھر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اس وقت مرض میں تخفیف تھی۔ حضور نے اسامہ کو وداع کرتے ہوئے فرمایا۔ اُغْدُ عَلٰی بَرَکَۃِ۔ اسامہ نے جرف میں پہنچ کر لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ اور خود سوار ہونے کو تھے۔ کہ ان کی والدہ ام ایمن کا قاصد پہنچا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت قریب آگیا ہے۔ لہٰذا اسامہ مع عمر فاروق اور ابو عبیدہ بن جراح کے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ دن ڈھلتے ہی حضور نے وفات پائی۔ یہ سن کر تمام سپاہ جرف سے مدینہ واپس آگئی۔ اور بریدہ نے وہ جھنڈا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے آگے کھڑا کر دیا جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ تو انہوں نے بریدہ کو حکم دیا۔ کہ وہ جھنڈا اسامہ کے گھر پر لے جاؤ۔ تاکہ وہ متعیانِ لشکر کے ساتھ روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ اسامہ مع لشکر جرف میں پہنچے۔ اس اثناء میں خبر لگی۔ کہ حوالی مدینہ میں بعض قبائل عرب مرتد ہو گئے ہیں۔ اور مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے بعض اصحاب نے حضرت صدیق اکبر سے عرض کی۔ کہ اس حالت میں ایسے لشکر جرّار کا دور دراز مہم پر بھیجنا مصلحتِ وقت نہیں۔ صدیق اکبر نے جواب دیا۔ کہ خواہ میری جان جائے۔ میں خلافِ فرمان رسول اللہ نہیں کر سکتا۔ مگر اسامہ سے درخواست کی۔ کہ عمر فاروق کو یہاں چھوڑ جائیں۔ تاکہ محافظتِ مدینہ اور مشورہ وغیرہ میں ان سے مدد لی جائے۔ غرض اسامہ کی اجازت سے فاروق اعظم مدینہ واپس آگئے۔ اور یکم ربیع الثانی ۱۱ھ کو حضرت اسامہ نے کوچ کیا۔ اور بیس روز میں مقام ابنیٰ پہنچے وہاں تاخت و تاراج کے بعد اسامہ نے اپنے والد کے قاتل کو قتل کیا۔ اور مظفر و منصور واپس آگئے۔

(تحفہ اثنا عشریہ (اصل فارسی) ص۲۶۵ طبع جدید مطبعہ پشاور)

خلاصہ کلام:-

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے نقل کردہ حوالہ سے تین امور بطور خلاصہ ثابت ہوئے۔

امر اوّل:-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کسی صحابی نے کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کی۔ بلکہ تعمیل حکم کرتے ہوئے صحابہ کرام مقام "جرف" پر پہنچ گئے۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما تھے۔ پھر ا ربیع الاوّل تک لوگ اس میں شامل ہوتے رہے اور حضرت ام ایمن کے اطلاع پہنچانے کے بعد حضرت اسامہ لشکر کو لے کر واپس آئے۔

امر دوم:-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ۸ ربیع اوّل کو شدید بیمار ہو گئے۔ اس لیے آپ نے خلیفہ نماز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ اور صدیق اکبر آپ کے آخری وقت تک یہ فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ اُدھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ا ربیع الاول کو اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی شدت کی اطلاع ملنے پر مزید روانگی معطل کر دی گئی۔ اور لشکر واپس آگیا۔

امر سوم:-

حضور سرور کائنات کے وصال کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ نے فوراً حضرت اسامہ بن زید کو حکم دیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

کی تعمیل کی جائے۔ اور باوجود اس کے کہ مدینہ کے اردگرد فتنہ ارتداد نے سر اٹھا لیا تھا۔ اور مرتدین اہل مدینہ (مسلمانوں) پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ جس وجہ سے حالات اس لشکر کو رومیوں سے مقابلہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اور مزید برایں صحابہ کرام بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کی مخالفت کر رہے تھے۔ ان تمام حالات کے ہوتے ہوئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صرف ایک بات کو پیش نظر رکھا۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تیار فرمایا ہوا لشکر اپنی منزل مقصود کی طرف ضرور جائے گا۔ خواہ اس کی خاطر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ضرور کروں گا۔

لہٰذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ بن زید سے یہ درخواست کی۔ کہ اپنے لشکر میں سے عمر بن خطاب کو میرے پاس چھوڑ جاؤ۔ کیونکہ آئندہ خطرات میں وہ میرے ممد اور معاون بن سکتے ہیں۔ لہٰذا انہیں چھوڑ دیا گیا۔

مذکورہ امور ثلاثہ سے معلوم ہوا۔ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سرپرستی میں تیاری کرنے کا حکم دیا۔ آپ کے حکم کی نہ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی۔ اور نہ ہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سے منہ موڑا۔ بلکہ پوری مستعدی سے ان دونوں نے اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام نے تعمیل کی۔ اور جو کچھ ہوا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اور آپ کی رضا سے ہوا۔

ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی یہ کہہ دے۔ کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تو تمہارے پیشوا اور عالم ہیں۔ ان کا قول تمہارے لیے تو حجت ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم جب انہیں اپنا پیشوا اور عالم ہی تصور نہیں کرتے۔ ان کے عقائد اور ہمارے عقائد مختلف ہیں۔ ایسے میں ان کا حوالہ ہمارے خلاف بطور دلیل کیسے مقبول ہو سکتا ہے؟ تو لیجئے ہم نے یہ مانا۔ کہ شاہ صاحب مرحوم کے عقائد اور تمہارے عقائد میں فرق ہے۔ اور رد تحفہ اثنا عشریہ

تمہارے لیے حجت نہیں۔ چلو اپنی کتب سے دیکھ لو۔

امور مذکورہ کی تائید کتب شیعہ سے

تائید امر اول:۔ شیخین لشکر اسامہ میں شریک تھے۔

احتجاج طبرسی:۔

ثُمَّ دَعَا اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَقَالَ سِرْ عَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ وَ النَّصْرِ وَ الْعَافِيَةِ حَيْثُ اَمَرْتُكَ عَلَيْهِ وَ كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَدْ اَمَّرَهُ عَلٰى جَمَاعَةٍ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ فِيْهِمْ اَبُوْ بَكْرٍ وَّ عُمَرُ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ اَمَرَهُ اَنْ يُّغِيْرَ عَلٰى مُؤْتَةَ وَادٍ فِيْ فِلَسْطِيْنَ فَقَالَ لَهُ اُسَامَةُ بِاَبِيْ اَنْتَ وَ اُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَاْذَنُ لِيْ فِي الْمَقَامِ اَيَّامًا حَتّٰى يَشْفِيَكَ اللّٰهُ فَاِنِّيْ مَتٰى خَرَجْتُ وَ اَنْتَ عَلٰى هٰذِهِ الْحَالَةِ خَرَجْتُ وَ فِيْ قَلْبِيْ مِنْكَ قَرْحَةٌ فَقَالَ اُنْفُذْ يَا اُسَامَةُ لِمَا اَمَرْتُكَ فَاِنَّ الْقُعُوْدَ عَنِ الْجِهَادِ

لَا یَجِبُ فِیْ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ فَقَالَ فَبَلَغَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّاسَ طَعَنُوْا فِیْ عَمَلِہٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلَغَنِیْ اَنَّکُمْ طَعَنْتُمْ فِیْ عَمَلِ اُسَامَۃَ

وَ فِیْ عَمَلِ اَبِیْہِ مِنْ قَبْلُ وَ اَیْمُ اللّٰہِ اَنَّہٗ لَخَلِیْقٌ لِّلْاِمَارَۃِ وَاِنَّ اَبَاہُ کَانَ خَلِیْقًا لَّھَا وَ اَنَّہٗ وَ اَبَاہُ مِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ فَاُوْصِیْکُمْ بِہٖ خَیْرًا فَلَئِنْ قُلْتُمْ فِیْ اَمَارَتِہٖ لَقَدْ قَالَ قَائِلُکُمْ فِیْ اَمَارَۃِ اَبِیْہِ ثُمَّ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْتَہٗ وَخَرَجَ اُسَامَۃُ مِنْ یَوْمِہٖ حَتّٰی عَسْکَرَ عَلٰی رَاْسِ فَرْسَخٍ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ وَنَادٰی مُنَادِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا یَتَخَلَّفَ مِنْ اُسَامَۃَ اَحَدٌ مِّمَّنْ اَمَّرْتُہٗ عَلَیْہِ فَلَحِقَ النَّاسُ بِہٖ وَکَانَ اَوَّلَ مَنْ سَارَعَ اِلَیْہِ اَبُوْ بَکْرٍ وَّ عُمَرُ وَ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَنَزَلُوْا فِیْ رِفَاقٍ وَّاحِدٍ مَّعَ جُمْلَۃِ اَھْلِ الْعَسْکَرِ قَالَ وَ ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فَجَعَلَ النَّاسُ مِمَّنْ لَمْ يَكُنْ فِي بَعْثِ أُسَامَةَ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِ إِرْسَالًا وَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ يَوْمَئِذٍ شَاكٍ وَ كَانَ لَا يَدْخُلُ أَحَدٌ مِنَ الْأَنْصَارِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا انْصَرَفَ إِلَى سَعْدٍ يَعُودُهُ قَالَ وَ قُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتَ الضُّحٰى مِنْ يَوْمِ الْإِثْنَيْنِ بَعْدَ خُرُوجِ أُسَامَةَ عَلَى مُعَسْكَرِهِ بِيَوْمَيْنِ خَرَجَ أَهْلُ الْعَسْكَرِ وَالْمَدِينَةُ قَدْ رَجَفَتْ بِأَهْلِهَا فَأَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى نَاقَتِهٖ حَتّٰى وَقَفَ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ مَا لَكُمْ تَمْرُجُونَ إِنْ كَانَ مُحَمَّدٌ قَدْ مَاتَ فَرَبُّ مُحَمَّدٍ لَمْ يَمُتْ وَ مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللهَ شَيْئًا۔

(۱۔ احتجاج طبرسی جلد اول ص ۹۰۔۹۱ مطبوعہ نجف اشرف طبع جدید ۱۳۸۲ھ سن طباعت ذکر طرف مماجری بعد وفاة رسول اللہ من اللجاج والحجاج فی امر الخلافۃ الخ)

(۲۔ احتجاج طبرسی ص ۷۴ مطبوعہ نجف اشرف طبع جدید)

ترجمہ:۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید کو بلایا۔ اور فرمایا۔ اللہ کی برکت، مدد اور عافیت کے ساتھ ان لوگوں کو ساتھ لے کر کوچ کرو۔ جس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کو مہاجرین اور انصار کی جماعت کا امیر مقرر کیا تھا۔ جن میں ابوبکر اور عمر بھی تھے۔ اور مہاجرین اولین بھی انہی کے زیر سیادت تھے۔ آپ نے فرمایا۔ کوادی موتہ پر حملہ آور ہو جاؤ۔ جو ارض فلسطین میں واقع ہے۔ حضرت اسامہ نے عرض کی حضور! میرے ماں باپ قربان! آپ مجھے کیا چند دن کی مہلت نہیں عطا فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفایاب کر دیا۔ تو میں کوچ کر جاؤں گا۔ کیونکہ آپ کی ایسی حالت میں اگر میں چلا گیا۔ تو میرا دل آپ کی وجہ سے مغموم رہے گا۔ تو یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنگ سے رکنا کسی حال میں درست نہیں ہے راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی۔ کہ کچھ لوگ میرے اس فیصلہ سے راضی نہیں۔ (یعنی اسامہ کو امیر لشکر بنانے سے) آپ نے فرمایا۔ لوگو! مجھے پتہ چلا ہے۔ کہ تم اسامہ کے بارے میں مجھ سے متفق نہیں ہو۔ اور اس سے قبل اس کے باپ کے بارے میں بھی تمہارا یہی خیال تھا خدا کی قسم! اسامہ پیدا ہی امیر بننے کے لیے ہوا۔ اور بے شک اس کا باپ بھی اسی کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ وہ اور اس کا باپ مجھے اور لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ میں تمہیں اس کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ پس خبردار! جو تم نے اسامہ کی امارت میں کچھ ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ تم میں سے اعتراض کرنے والوں نے اس کے والد کے بارے میں بھی اعتراض کیا تھا۔

یہ کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ تشریف لے گئے۔ اور اسامہ اسی دن لشکر لے کر چل پڑے۔ حتی کہ مدینہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر پڑاؤ

کیا۔ ایک منادی کرنے والے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ منادی کی۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔ کوئی شخص ان لوگوں میں سے پیچھے نہ رہے۔ جن پر میں نے اسامہ کو امیر مقرر کیا۔ تو تمام لوگ اس لشکر میں جا ملے۔ ان میں سے سب سے جلدی جانے والے ابوبکر، عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح تھے۔ یہ سب لوگ لشکر اسامہ کے ساتھ ایک ہموار زمین پر اترے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض بڑھ گیا۔ اور اُدھر لوگ جوق در جوق حضرت اسامہ کے لشکر میں داخل ہونے کے لیے جا رہے تھے۔ جو ابھی تک وہاں نہیں پہنچے تھے۔ سعد بن عبادہ ان دنوں بیمار تھے۔ اور انصار میں سے جو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمار پرسی کرنے جاتا۔ وہ واپسی پر سعد بن عبادہ کی تیمارداری بھی کرتا۔ راوی کہتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوموار کو بوقت چاشت انتقال ہو گیا۔ اس وقت اسامہ اپنی فوجی چھاؤنی کی طرف نکل چکے تھے۔ اور انہیں گئے ہوئے دو دن ہو چکے تھے۔

(جب لشکر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر پہنچی) تو وہ واپس پلٹ آیا۔ ادھر مدینہ منورہ لوگوں سے کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ اور مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ اور لوگوں کو (تسلی دینے کے لیے) خطاب فرمایا۔ لوگو! تم کیوں پریشان ہو؟ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) انتقال فرما گئے ہیں۔ تو "رب محمد" تو زندہ ہے۔ اور پھر یہ آیت پڑھی۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الخ۔ ترجمہ۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہی ہیں۔ ان سے قبل بہت سے پیغمبر گزر چکے۔ کیا اگر آپ فوت ہو جائیں۔ یا شہید کر دیئے جائیں۔ تو تم ایمان چھوڑ دو گے؟ یاد رکھو!

جو بھی ایمان سے پھرا۔ وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

جیسا کہ علی بن حسین مسعودی شیعی نے اپنی معتبر تاریخ التنبیہ والاشراف میں اس اختلاف کی توثیق یوں کی ہے۔

التنبیہ والاشراف:۔

وَكَانَ فِي بَعْثِهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَالزُّبَيْرُ وَأَبُوعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَتَنَوَّزِعَ فِي أَبِي بَكْرٍ أَكَانَ فِي هٰذَا الْبَعْثِ أَمْ لَا

(التنبیہ والاشراف ص نمبر ۲۴۱ مطبوعہ قاہرہ طبع جدید)

ترجمہ:۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکرِ اسامہ میں عمر فاروق اور زبیر اور عبیدہ بن الجراح کو بھیجا مگر ابوبکر صدیق کے متعلق اختلاف ہے کہ آپ کو بھی لشکر اسامہ میں بھیجنے کا حضور علیہ السلام نے حکم فرمایا ہے یا نہیں۔

الحاصل:۔

شیعہ مورخ مسعودی نے ثابت کر دیا کہ لشکر اسامہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بعثت کو معرض طعن بنانا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے لہٰذا شیعہ مصنف کی اس عبارت کے بعد کسی شیعہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس مسئلہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر زبان طعن دراز کرے کیونکہ یہ مسئلہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لشکر اسامہ میں شامل ہونے کا حکم ارشاد نہیں فرمایا کیونکہ انہیں حضور علیہ السلام نے اپنے زمانہ علالت

میں ہی۔ مروا ابابکر فلیصل بالناس (یعنی ابوبکر صدیق کو کہہ دو کہ وہ نماز پڑھائیں) کے ساتھ حکم فرما کر اپنے پاس امامت کے لیے رکھ لیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

ابن حدید:- فَخَرَجَ اُسَامَةُ وَ اللِّوَآءُ عَلٰی رَاسِهٖ وَ الصَّحَابَةُ بَیْنَ یَدَیْهِ حَتّٰی اِذَا كَانَ بِالْجُرُفِ نَزَلَ وَ مَعَهٗ اَبُوْبَكْرٍ وَّ عُمَرُ وَ اَكْثَرُ الْمُهَاجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ اُسَیْدُ بْنُ حُضَیْرٍ وَ بَشِیْرُ بْنُ سَعْدٍ وَ غَیْرُهُمْ مِّنَ الْوُجُوْهِ فَجَآءَ رَسُوْلُ اُمِّ اَیْمَنَ یَقُوْلُ لَهٗ اُدْخُلْ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَمُوْتُ فَقَامَ مِنْ مَّقَامِهٖ فَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ وَ اللِّوَآءُ مَعَهٗ فَجَآءَ بِهٖ حَتّٰی رَكَزَهٗ بِبَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَدْ مَاتَ فِیْ تِلْكَ السَّاعَةِ قَالَ فَمَا كَانَ اَبُوْبَكْرٍ وَّ عُمَرُ یُخَاطِبَانِ اُسَامَةَ اِلٰی اَنْ مَاتَا اِلَّا بِالْاَمِیْرِ۔

(ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص۲۱ مطبوعہ بیروت طبع جدید بڑا سائز)

فی تعبث جیش اسامة ونسب محمد بن ابی بکر الخ۔

ترجمہ:- اسامہ اس حالت میں چل پڑے۔ کہ جھنڈا ان کے سر پر تھا۔ اور صحابہ کی جماعت ان کے آگے آگے تھی۔ یہاں تک کہ مقام جرف پر اترے۔

اسامہ کے ساتھ ابوبکر، عمر اور مہاجرین کی بہت بڑی مقدار تھی۔ اور انصار میں سے اسید بن حضیر اور بشیر بن سعد وغیرہ اکابر بھی تھے۔ اتنے میں ام ایمن کی طرف سے ایک ایلچی آیا۔ اور آ کر کہا۔ مدینہ چلیے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہی چاہتا ہے۔ تو حضرت اسامہ واپس مدینہ آ گئے۔ اور جھنڈا بھی ساتھ لے آئے۔ اور اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر نصب کر دیا۔ اتنے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اپنی آخری سانس تک حضرت اسامہ کو جب بھی بلاتے۔ انہیں ''امیر'' کہہ کر بلاتے تھے۔

حضرت اسامہ کے لشکر میں دوڑ کر شرکت فرمانے والے شیخین بھی تھے

✵

علامہ طبرسی شیعی نے اپنی اس تحریر میں اس مسئلہ کو واضح کر دیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حضرات کو حضرت اسامہ بن زید کے لشکر میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ اور ان شرکت کرنے والوں میں حضرت ابوبکر صدیق اور عمر بن خطاب تو سب سے پہلے دوڑ کر گئے۔ اس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی ہٹ دھرم یہی کہے۔ کہ صدیق اکبر اور عمر بن خطاب نے حضرت اسامہ کے لشکر سے تخلف کیا تھا۔ تو اسے اپنی معلومات پر پیٹنا چاہیے۔ اور ہٹ دھرمی پر نوحہ خوانی کرنی چاہیے۔

✵

تائید امر دوم:۔

درہ نجفیہ:۔

فَلَمَّا اشْتَدَّ بِهِ الْمَرَضُ اَمَرَ اَبَا بَكْرٍ اَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ وَقَدْ اُخْتُلِفَ فِيْ صَلٰوتِهِ بِهِمْ فَالشِّيْعَةُ تَزْعَمُ اَنَّهُ لَمْ يُصَلِّ بِهِمْ اِلَّا صَلٰوةً وَّاحِدَةً وَهِيَ الصَّلٰوةُ الَّتِيْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا يَتَهَادٰى بَيْنَ عَلِيٍّ وَالْفَضْلِ فَقَامَ فِي الْمِحْرَابِ مَقَامَهُ وَتَاَخَّرَ اَبُوْ بَكْرٍ وَالصَّحِيْحُ عِنْدِيْ وَهُوَ الْاَكْثَرُ الْاَشْهَرُ اَنَّهَا لَمْ تَكُنْ اٰخِرَ الصَّلٰوةِ فِيْ حَيٰوتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ جَمَاعَةً وَّاَنَّ اَبَا بَكْرٍ صَلّٰى بِالنَّاسِ بَعْدَ ذٰلِكَ يَوْمَيْنِ ثُمَّ مَاتَ۔ (درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ ص ۲۲۵)

ترجمہ:۔ جب آپ کا مرض بڑھ گیا۔ تو آپ نے ابوبکر کو حکم دیا۔ کہ لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔ ابوبکر نے کتنی نمازیں پڑھائیں۔ اس میں اختلاف ہے شیعہ گمان کرتے ہیں۔ کہ فقط ایک ہی نماز پڑھائی۔ اور وہ بھی وہ نماز تھی۔ کہ جس کی ادائیگی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی اور فضل بن عباس کے کندھوں کا سہارا لیے ہوئے تشریف لائے تھے۔ تو آپ محراب میں کھڑے ہو گئے۔ اور ابوبکر صدیق پیچھے ہٹ گئے۔

میرے نزدیک صحیح یہ ہے۔ اور یہی مشہور اور اکثریت کا قول بھی ہے۔ کہ یہ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی آخری نماز نہ تھی۔ جو کہ آپ نے لوگوں کے ساتھ ادا فرمائی۔ بلکہ اس نماز کے بعد ابوبکر صدیق نے دو دن متواتر نمازیں پڑھائیں۔ بجبر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا۔

الحاصل:

حاصل کلام یہ ہے۔ کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے دوران عازم سفر ہو گئے تھے۔ اور پھر ام ایمن کی طرف سے ایلچی نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید بیمار ہونے کی اطلاع پہنچائی۔ تو یہ لشکر واپس مدینہ آ گیا اس لشکر میں شرکت کرنے کے لیے دوڑ کر جانے والوں میں شیخین بھی تھے۔ اس کے بعد دوسرے حکم کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نماز مقرر کیا۔ "صاحب درۂ نجفیہ" کی عبارت سے یہ واضح ہوا۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں کی امامت کے لیے مقرر فرمایا جس کی وجہ سے آپ آخر وقت امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

دونوں صورتوں میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی۔ جب لشکرِ اسامہ میں جانے کا فرمایا۔ تو دوڑ کر چلے گئے۔ اور جب خلیفہ نماز مقرر فرمایا۔ تو اس کی تعمیل کی۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی مرضی سے پیچھے نہیں رہے۔ لہذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا۔ وہ حکم مصطفوی سے کیا تھا۔ اور آپ کے ارشاد پر عمل پیرا ہونے میں سرمو بھی مخالفت نہ کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلے حکم کو دوسرے حکم کے ذریعہ منسوخ کر کے انہیں ساری امت کا امام مقرر فرما دیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

تائیدِ امرِ سوم:۔ خلیفہ مقرر ہونے پر صدیق اکبر نے مذکورہ لشکر سختی سے روانہ کیا۔

روضۃ الصفاء:۔

چوں امر خلافت بر صدیق اکبر قرار گرفت۔ فرمود تا در مدینہ ندا کردند کہ ہیچ کس از لشکریانِ اسامہ تخلف ننماید۔ وہر کرا رسول اللہ نامزد فرمود کہ با اسامہ برود۔ باید کہ درآں امر تاخیر و تسویف جائز ندارد۔ بعضے اصحاب رائے و کیاست معروض صدیق گردانید ند کہ معظم لشکر اسلام ایں جماعت اند کہ می فرمائی کہ ہمراہِ اسامہ بغزا بروند۔ اکنوں چوں مسموع مے شود۔ کہ قبائل عرب و فرق یہود کہ در حوالیِ مدینہ اند در مقام ارتداد و مخالفت اند۔ مبادا کہ از رفتن اسامہ خللے بملک و ملت راہ یابد۔ اگر روزے چند ایں مہم در تاخیر و تعویق ماند بصواب نزدیک تر باشد صدیق در جواب گفت کہ اگر سباع ضارہ در غیبتِ اسامہ مرا پارہ پارہ سازند من او را خواہم فرستاد.........

القصہ صدیق فرمان داد تا اسامہ بمقصد شتابد۔ اسامہ بموجب فرمودہ براحلہ نشست و روئے توجہ بدیار شام آورد..........نقل است کہ بعد از انتقال حضرت مقدس نبوی ارباب شقاق و عناد را تصور آں بود کہ اہل اسلام را قوت و شوکتے نماندہ کہ لشکر کشندہ آسان بدفع ایشاں می تواں پرداخت چوں بسامع آں جماعت رسید کہ اسامہ با لشکرے چناں قوی از مدینہ بیروں رفت رعب و خوف بر خاطر ہمہ استیلاء یافت و از مسلمانان حساب ہا بر گرفتند۔ بصحت پیوستہ کہ از لشکر اسامہ ہیچ کس تخلف ننمود، مگر فاروق و ایں صورت بواسطہ آں بود کہ در حین وداع صدیق با او گفت کہ در سوانح مہمات بحضور عمر احتیاج است۔ اگر رائے تو اقتضاء فرمائید او را رخصت

دہ تا باز گردد۔ اسامہ ملتمس ابوبکر مبذول داشتہ عمر بمدینہ مراجعت نمود۔

(۱) :تاریخ روضۃ الصفاء جلد دوم ص۲۳۴
طبع قدیم مطبوعہ نولکشور۔
ذکر خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

(۲)۔ ناسخ التواریخ جلد اول تاریخ خلفاء
ص۱۸۷ گسیل شدن اسامہ بن زید بجانب
شام مطبوعہ تہران طبع جدید۔

ترجمہ:۔ جب ابوبکر صدیق خلیفہ مقرر ہو گئے۔ تو انہوں نے حکم دیا کہ مدینہ میں ڈھنڈورا کر دیا جائے۔ کہ اسامہ کے فوجیوں میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے۔ اور جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نامزد فرما دیا۔ کہ وہ اسامہ کے ساتھ جائے گا۔ تو وہ ضرور جائے۔ اور اسے جانے میں قطعًا لیت ولعل نہیں کرنی چاہیئے۔ بعض صاحب الرائے اور سمجھدار حضرات نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی۔ کہ اسلام کا عظیم لشکر تو یہی ہے۔ جو آپ حضرت اسامہ کے ساتھ بھیج رہے ہیں۔ اب سننے میں آرہا ہے۔ کہ عرب قبائل اور یہودیوں کے ٹولے جو مدینہ کے گرد و نواح میں آباد ہیں۔ مرتد ہو گئے ہیں۔ اور مسلمانوں کی مخالفت پر اتر آئے ہیں۔ ایسا نہ ہو۔ کہ حضرت اسامہ کی روانگی کے بعد ان کی وجہ سے ملک وملت کسی خرابی سے دوچار ہو جائے۔ لہٰذا اگر چند دنوں کے لیے آپ اس مہم کو موخر کر دیں۔ تو بہت بہتر ہو گا۔ صدیق اکبر نے جواب دیا۔ اگر انتہائی نقصان پہنچانے والے درندے۔ اسامہ کی عدم موجودگی میں میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ تو بھی میں اُسے ضرور بھیجوں گا۔

قصہ کوتاہ یہ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ کو اپنے

مقصد کی طرف بڑھنے کا فرمایا۔ حضرت اسامہ بموجب حکم سوار ہو کر متوجہ بشام ہو گئے۔ نقل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد کچھ بدبختوں اور دشمنوں نے یہ خیال کر لیا کہ اب مسلمانوں کی قوت و شوکت ختم ہو چکی ہے۔ اور وہ کسی مقابل کو آسانی سے پیچھے نہیں ہٹا سکیں گے۔ جب اس قسم کے لوگوں کو یہ اطلاع ہوئی۔ کہ حضرت اسامہ ایک لشکر عظیم لے کر مدینہ سے باہر نکل پڑے ہیں۔ تو اُن مفسدوں کے دل رعب و خوف سے لرزاں ہو گئے۔ اور مسلمانوں سے ڈرنے لگے۔ یہ بات درجہ صحت کو پہنچی ہے۔ کہ حضرت اسامہ کے لشکر سے بجز فاروق اعظم کوئی پیچھے نہ رہا۔ ان کے پیچھے رہ جانے کا یہ سبب تھا۔ کہ صدیق اکبر نے حضرت اسامہ سے کہا۔ کہ مہمات کے رونما ہونے کی صورت میں مجھے حضرت عمر کی ضرورت پڑے گی۔ اگر تمہاری رائے یہ فیصلہ کرے۔ کہ اُسے یہاں ہی رہنا چاہیے۔ تو پھر انہیں واپسی کی اجازت دے دیں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر کی التماس کو منظور کرتے ہوئے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اجازت دیدی اور وہ واپس مدینہ آ گئے انتہیٰ بلکہ یہاں تک کتب شیعہ سے ہم دکھا سکتے ہیں کہ باوجود اس بات کے کہ ابوبکر صدیق خلیفہ وقت اور مختار تھے آپ نے صرف عمر کے لیے ہی نہیں بلکہ اپنے لیے بھی اسامہ سے اجازت طلب کی تو اسامہ نے ان دونوں کو اجازت دے دی۔ ملاحظہ ہو۔

اعلام الوریٰ :۔

فَقَالَ اُسَامَۃُ لِاَبِیْ بَکْرٍ مَا تَقُوْلُ فِیْ نَفْسِکَ اَنْتَ

قَالَ قَدْ تَرٰی مَا صَنَعَ النَّاسُ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ تَاْذَنَ لِیْ وَ لِعُمَرَ۔

(اعلام الورٰی مصنفہ فضل ابن حسن طبرسی
ص ۱۴۵ ذکر وفات رسول مطبوعہ بیروت
طبع جدید)

ترجمہ:۔ اسامہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہارا اپنے متعلق کیا خیال ہے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ لوگوں نے مجھ پر خلافت کا بوجھ ڈال دیا ہے لہذا (وقت کی نزاکت کے پیش نظر) اگر آپ مجھے اور عمر کو اجازت دے دیں تو اچھا ہوگا لہذا اسامہ نے اجازت دے دی۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے "جیش اسامہ" کی جو صورت اپنی تصنیف "تحفہ اثنا عشریہ" میں تحریر فرمائی۔ اور اس واقعہ کی جو حقیقت انہوں نے ذکر کی۔ اس کی بعینہٖ تائید و تصدیق شیعہ حضرات کی اپنی کتب نے بھی کر دی۔ جس کا آپ ابھی مطالعہ فرما چکے ہیں۔ تو جو شخص شاہ صاحب مرحوم کی تحریر کے مطابق اور شیعہ کتب کی تصدیق کے ساتھ اس واقعہ کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ وہ لازماً اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا۔ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس لشکر سے تخلف نہیں کیا تھا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی ہر صورت میں تعمیل کی لہذا یہ طعن بھی بے اصل اور غلط ثابت ہوا۔ کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے "جیش اسامہ" میں شرکت نہ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد

کو نہ مانا۔ اور اس طرح حکم عدولی کی وجہ سے وہ خلافت کے مستحق نہ رہے۔

صاحبِ حیات القلوب "ملا باقر مجلسی" کی اختراع

جیسا کہ آپ "حیات القلوب" کی عبارت پڑھ چکے ہیں۔ اس میں "ملا باقر مجلسی" نے ایک عجیب و غریب ذہنی اختراع سے کام لیا۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کے لشکر میں مدینہ کے منافقین اور سازشیوں کو اس لیے بھرتی کیا۔ تاکہ ان کی عدم موجودگی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی "خلافت و امارت" کا معاملہ بخوبی سرانجام پائے۔ اور اس میں کسی قسم کی روکاوٹ باقی نہ رہے۔ اِس من گھڑت وجہ کو "ملا مجلسی" نے ڈھٹائی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیّت قرار دیا۔ عجیب بات ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی بات کا علم اسے کس طرح ہوا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جن کے خطرے کے پیشِ نظر یہ ڈرامہ گھڑا گیا۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنے پاس بُلا لیا۔ اور "خلیفہ نماز" کا منصب بھی عطا فرمایا۔ اگر واقعی بقول "مجلسی" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت یہی تھی۔ تو پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دور دراز کسی سفر پہ بھیج دیتے۔ اور انہیں منصب امامت صلوٰۃ کا حکم نہ دیتے؟

"جیش اسامہ" میں شرکت نہ کرنے والوں پر لعنت کی تحقیق

صاحبِ کتاب "الملل والنحل" نے جیش اسامہ میں شرکت نہ کرنے والوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول نقل کیا "لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا" جو لشکر سے پیچھے رہا۔ اس پر اللہ کی لعنت۔ حدیث پاک کا اتنا حصہ

بالکل بے اصل ہے۔ کیونکہ اہل سنت کی کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں۔ بلکہ حاجی مرزا ابوالفضل، جو شیعہ لوگوں کے نزدیک محققین میں شمار ہوتا ہے۔ نے اپنی کتاب "شفاء الصدور فی شرح زیارۃ العاشور" میں اس جملہ کے بارے میں لکھا ہے۔

شفاء الصدور:۔

محمد بن عبدالکریم شہرستانی در کتاب ملل ونحل نقل کردہ کہ پیغمبر فرمود جھزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عنہا۔ وصدر ایں حدیث اگرچہ متواتر است و لے ذیل آں کہ مشتمل بر لعن است از طرق عامہ من بندہ در غیر ملل ونحل ندیدہ ام۔

(شفاء الصدور فی شرح زیارۃ العاشور
مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۰ھ ص ۲۶۷)

ترجمہ:۔ محمد بن عبدالکریم شہرستانی نے کتاب ملل ونحل میں نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسامۃ بن زید کے لشکر کو تیار کرو۔ جو اس سے پیچھے رہا اس پر اللہ کی لعنت" اس حدیث کا ابتدائی حصہ اگرچہ متواتر ہے لیکن اس کا آخری حصہ جو لعنت پر مشتمل ہے۔ میں نے اہل سنت کے طریقوں میں ماسوائے ملل ونحل کے کسی دوسری کتاب میں نہیں دیکھا۔

صاحب "الملل والنحل" خود اسماعیلی تھا۔

شیخ الاسلام تاج الدین سبکی۔ (متوفی ۷۷۱ھ) نے شہرستانی کے حال میں لکھا ہے۔

طبقات شافعیۃ الکبریٰ:۔

فِي تَارِيخِ شَيْخِنَا الذَّهَبِيِّ أَنَّ ابْنَ السَّمْعَانِيِّ ذَكَرَ أَنَّهُ كَانَ مُتَّهَمًا بِالْمَيْلِ إِلَى أَهْلِ الْقِلَاعِ يَعْنِي الْإِسْمَاعِيلِيَّةَ وَالدَّعْوَةِ إِلَيْهِمْ وَالنُّصْرَةِ لِطَامَاتِهِمْ وَأَنَّهُ قَالَ فِي التَّحْبِيرِ أَنَّهُ مُتَّهَمٌ بِالْإِلْحَادِ وَالْمَيْلِ إِلَيْهِمْ غَالٍ فِي التَّشَيُّعِ۔

(طبقات شافعیۃ الکبریٰ جز رابع ص ۷۹)

ترجمہ:۔ ہمارے شیخ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) کی تاریخ میں ہے۔ کہ ابن سمعانی نے ذکر کیا۔ کہ شہرستانی فرقہ اسماعیلیہ کی طرف میلان رکھنے اور ان کے مذہب کی طرف دعوت دینے اور ان کے بے اصل اقوال کی تائید کرنے کے ساتھ متہم تھا۔ اور "ابن سمعانی" نے اپنی کتاب "تحبیر" میں کہا۔ کہ شہرستانی الحاد اور ملحدوں کی طرف میلان رکھنے میں متہم تھا۔ اور کٹر غالی شیعہ تھا۔

تو جو شخص خود شیعہ کی ایک قسم کا "اسماعیلی" ہو۔ اور اس کے ساتھ الحاد و بے دینی کی بھی اس پر تہمت ہو۔ تو ایسے شخص کی عقائد کے مسائل کے بارے میں بات کون قبول کرے گا۔ پھر خصوصاً تنقید صحابہ اور طعن صحابہ کے بارے میں ایسے مطعون اور متہم آدمی کی بات تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہی یہی ہے۔ جسے انہوں نے توڑ موڑ کر ہر طرح ثابت کرنا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

طعن دوم

حضرت علی رضی اللہ عنہ شیخین کو خائن اور دھوکہ باز سمجھتے تھے

(معاذ اللہ)

اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دوستی اور مودت تھی۔ یہ حضرات "رحماء بینھم" کی زندہ تصویر تھے۔ بالکل غلط اور بے اصل عقیدہ ہے۔ کیونکہ اہل سنت کی مستند کتاب حدیث "مسلم شریف" میں موجود ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان دونوں کو خائن، آثم اور غادر سمجھتے تھے۔ روایت ملاحظہ ہو۔

روایت مسلم شریف:۔

فَلَمَّا تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَنَا وَلِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجِئْتُمَا تَطْلُبُ مِیْرَاثَکَ مِنِ ابْنِ اَخِیْکَ وَ یَطْلُبُ ھٰذَا مِیْرَاثَ امْرَاَتِہٖ مِنْ اَبِیْھَا فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ فَرَاَیْتُمَاہُ کَاذِبًا اٰثِمًا غَادِرًا خَائِنًا وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اَنَّہٗ لَصَادِقٌ بَارٌّ۔

رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ثُمَّ تُوُفِّيَ اَبُوْ بَكْرٍ فَكُنْتُ اَنَا وَلِيَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ وَلِيَّ اَبِيْ بَكْرٍ فَرَاَيْتُمَانِيْ كَاذِبًا اٰثِمًا غَادِرًا خَائِنًا۔

(صحیح مسلم شریف جلد دوم ص ۹۱ مطبوعہ اصح المطابع رشیدیہ دہلی) باب حکم الفئی۔

ترجمہ: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا "ولی" ہوں۔ تو تم دونوں (عباس علی) میرے پاس آئے۔ اور اے عباس! تم اپنے بھتیجے کی میراث ان سے طلب کرنے لگے۔ اور یہ (علی) اپنی بیوی کا حصہ میراث پدری سے طلب کرنے لگے۔ تو ابوبکر صدیق نے کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ ہماری وراثت نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمارا ترکہ، صدقہ ہوتا ہے۔ تو اس فیصلہ کے بعد تم دونوں نے ابوبکر صدیق کو کاذب، آثم، غادر اور خائن سمجھا۔ خدا خوب جانتا ہے۔ کہ وہ صادق، نیک، امین اور حق کے تابع ہیں۔

ان کے بعد جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وفات فرما گئے۔ تو میں "ولی رسول" صلی اللہ علیہ وسلم بنا۔ اور ابوبکر کا "ولی" بھی بنا۔ تم دونوں نے اسی فیصلہ کے برقرار رکھنے کی وجہ سے مجھے بھی کاذب، آثم، غادر اور خائن سمجھا۔

اس حدیث کے الفاظ "فرأیتمانی کاذبا، آثما، غادرا، خائنا" سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خائن، دھوکہ باز اور جھوٹا سمجھتے تھے۔ لہٰذا ان کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت کے تمام واقعات محض افسانہ نظر آتے ہیں۔ اور ان کے اتحاد کی باتیں ایک سراب سے کم نہیں۔

جواب اوّل :-

شیعہ حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور شیخین کے درمیان جو بداعتقادی ثابت کرنے کے لیے مسلم شریف کی روایت پیش کی ہے۔ وہ صرف اتنی ہے جس سے ان کا مقصد پورا ہوتا نظر آتا ہے۔ ورنہ اگر پوری روایت ذکر کرتے۔ تو ان کے اس دعویٰ کی کہ ان حضرات میں اتحاد نہیں تھا۔ اور باہم شیر و شکر نہ تھے۔ بلکہ ایک دوسرے سے شاکی تھے قلعی کھل جاتی۔ لیجئے مسلم شریف کی مکمل روایت ملاحظہ فرمائیے۔ اور پھر اس کے مفہوم کو سامنے رکھ کر فیصلہ فرمایئے۔ کہ شیعہ حضرات نے جو کچھ سمجھا۔ وہ کہاں تک درست ہے؟

مسلم شریف :-

حَدَّثَنِيْ عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ اَسْمَآءَ الضُّبَعِيُّ قَالَ نَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ اَنَّ مَالِكَ بْنَ اَوْسٍ حَدَّثَهٗ قَالَ اَرْسَلَ اِلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَجِئْتُهٗ حِيْنَ تَعَالَى النَّهَارُ قَالَ فَوَجَدْتُّهٗ فِيْ بَيْتِهٖ جَالِسًا عَلٰى سَرِيْرٍ مُفْضِيًا اِلٰى رُمَالِهٖ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِّنْ اَدَمٍ فَقَالَ لِيْ يَا مَالِ اِنَّهٗ قَدْ دَفَّ اَهْلُ اَبْيَاتٍ مِّنْ قَوْمِكَ وَقَدْ اَمَرْتُ فِيْهِمْ بِرَضْخٍ فَخُذْهُ فَاقْسِمْهُ بَيْنَهُمْ قَالَ فَقُلْتُ لَوْ اَمَرْتَ بِهٰذَا غَيْرِيْ قَالَ فَخُذْ يَا مَالِ قَالَ فَجَآءَهٗ يَرْفَا فَقَالَ هَلْ لَّكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

فِيْ عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدٍ
فَقَالَ عُمَرُ نَعَمْ فَاَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوْا ثُمَّ جَاءَ
فَقَالَ هَلْ لَكَ فِيْ عَبَّاسٍ وَعَلِيٍّ قَالَ نَعَمْ فَاَذِنَ
لَهُمَا فَقَالَ عَبَّاسٌ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِقْضِ بَيْنِيْ
وَبَيْنَ هٰذَا الْكَاذِبِ الْاٰثِمِ الْغَادِرِ الْخَائِنِ قَالَ
فَقَالَ الْقَوْمُ اَجَلْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاقْضِ
بَيْنَهُمْ وَاَرِحْهُمْ فَقَالَ مَالِكُ بْنُ اَوْسٍ يُخَيَّلُ
اِلَيَّ اَنَّهُمْ قَدْ كَانُوْا قَدَّمُوْهُمْ لِذٰلِكَ فَقَالَ عُمَرُ
اتَّئِدَا اَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِيْ بِاِذْنِهٖ تَقُوْمُ
السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ
قَالُوْا نَعَمْ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى الْعَبَّاسِ وَعَلِيٍّ فَقَالَ
اَنْشُدُكُمَا بِالَّذِيْ بِاِذْنِهٖ تَقُوْمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ
اَتَعْلَمَانِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ قَالَا نَعَمْ فَقَالَ
عُمَرُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كَانَ خَصَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَاصَّةٍ لَمْ يَخُصَّ بِهَا اَحَدًا غَيْرَهٗ
قَالَ مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ
لِلرَّسُوْلِ مَا اَدْرِيْ اَهَلْ قَرَءَ الْاٰيَةَ الَّتِيْ قَبْلَهَا اَمْ لَا قَالَ
فَقَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَكُمْ اَمْوَالَ
بَنِي النَّضِيْرِ فَوَاللّٰهِ مَا اسْتَاْثَرَ عَلَيْكُمْ وَلَا اَخَذَهَا

دُوْنَکُمْ حَتّٰی بَقِیَ هٰذَا الْمَالُ فَکَانَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْخُذُ مِنْهُ نَفَقَتَهٗ
سَنَةً ثُمَّ یَجْعَلُ مَا بَقِیَ اُسْوَةَ الْمَالِ ثُمَّ
قَالَ اَنْشُدُکُمْ بِاللّٰهِ الَّذِیْ بِاِذْنِهٖ تَقُوْمُ السَّمَآءُ
وَ الْاَرْضُ اَتَعْلَمُوْنَ ذٰلِکَ قَالُوْا نَعَمْ ثُمَّ
نَشَدَ عَبَّاسًا وَّ عَلِیًّا بِمِثْلِ مَا نَشَدَ بِهِ
الْقَوْمُ اَتَعْلَمَانِ ذٰلِکَ قَالَا نَعَمْ قَالَ فَلَمَّا
تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ اَنَا وَلِیُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ فَجِئْتُمَا تَطْلُبُ مِیْرَاثَکَ مِنَ ابْنِ اَخِیْکَ
وَ یَطْلُبُ هٰذَا مِیْرَاثَ امْرَاَتِهٖ مِنْ اَبِیْهَا فَقَالَ
اَبُوْ بَکْرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
مَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَةٌ فَرَاَیْتُمَاهُ کَاذِبًا
اٰثِمًا غَادِرًا خَائِنًا وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اَنَّهٗ لَصَادِقٌ
بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ثُمَّ تُوُفِّیَ اَبُوْ بَکْرٍ
وَاَنَا وَلِیُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
وَ وَلِیُّ اَبِیْ بَکْرٍ فَرَاَیْتُمَانِیْ کَاذِبًا اٰثِمًا غَادِرًا
خَائِنًا وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَنِّیْ لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ
تَابِعٌ لِلْحَقِّ فَوَلَّیْتُهَا ثُمَّ جِئْتَنِیْ اَنْتَ
وَهٰذَا وَاَنْتُمَا جَمِیْعٌ وَ اَمْرُکُمَا وَاحِدٌ
فَقُلْتُمْ ادْفَعْهَا اِلَیْنَا فَقُلْتُ اِنْ شِئْتُمْ

دَفَعْتُهَا اِلَيْكُمْ عَلٰى اَنَّ عَلَيْكُمَا عَهْدَ اللّٰهِ اَنْ تَعْمَلَا فِيْهَا بِالَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذْتُمَاهَا بِذٰلِكَ قَالَ اَكَذٰلِكَ قَالَا نَعَمْ قَالَ ثُمَّ جِئْتُمَانِيْ لِاَقْضِيَ بَيْنَكُمَا وَلَا وَاللّٰهِ لَا اَقْضِيْ بَيْنَكُمَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ فَاِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَرُدَّاهَا اِلَيَّ۔

(مسلم شریف جلد دوم ص ۹۰-۹۱ مطبوعہ اصح المطابع کتب خانہ رشیدیہ دہلی) باب حکم الفئ

ترجمہ:۔

مالک بن اوس کہتے ہیں۔ کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلوایا۔ میں دن چڑھے ان کے پاس گیا۔ اس وقت آپ خرما کے پتوں سے بنی چٹائی (تخت) پر تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے مجھے فرمایا۔ اے مالک! تیرے ہم قوم بہت سے افراد دوڑے ہوئے میرے پاس آئے۔ میں نے ان کے لیے عطیہ قلیل کا حکم دیا ہے۔ تم ان میں تقسیم کر دینا۔ میں نے عرض کی۔ اگر یہ حکم مجھے چھوڑ کر کسی اور کو دیتے تو بہت بہتر ہوتا۔ فرمایا۔ اے مالک! اس کو لے لو۔ اتنے میں دربان آیا اور کہا۔ حضرت عثمان، عبدالرحمن بن عوف، زبیر اور سعد اندر آنا چاہتے ہیں۔ اجازت ہے؟ فرمایا۔ ہاں آ جائیں۔ وہ آ گئے۔ پھر دربان آ گیا۔ اور حضرت عباس و علی رضی اللہ عنہما کے لیے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر یہ بھی اندر تشریف لے آئے۔ حضرت عباس نے کہا۔ یا امیر المومنین! میرے اور اس جھوٹے، گنہگار، خیانت کرنے والے اور بے وفا کے درمیان

فیصلہ فرما دیجئے ۔حاضرین نے کہا۔ہاں امیر المومنین فیصلہ فرما کر ان کو راحت عطا فرمائیں ۔مالک بن اوس کہتے ہیں ۔کہ مجھے خیال گزرا۔کہ اس تائید کرنے والی قوم نے ہی ان دونوں (علی و عباس) کو یہاں بھیجا ہوگا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ٹھہرو۔تمہیں اللہ کی قسم دلاتا ہوں۔جس اللہ کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں۔تم بتلاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا"ہم میراث نہیں چھوڑتے۔بلکہ ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے،،انہوں نے کہا ہاں۔فرمایا تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے۔اور فرمایا۔تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں۔جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں۔کیا تم دونوں جانتے ہو۔کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "ہماری میراث نہیں ہوتی۔بلکہ ہمارا سب کچھ چھوڑا ہوا صدقہ ہوتا ہے،،دونوں نے ہاں میں جواب دیا۔پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسی خصوصیت سے نوازا ہے جو کسی دوسرے کو عطا نہیں ہوئی۔پھر یہ آیت پڑھی۔

"مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى الخ،،راوی کہتے ہیں۔میں نہیں جانتا۔کہ اس آیت سے پہلی آیت بھی حضرت عمر نے تلاوت فرمائی۔یا نہیں۔آیت پڑھنے کے بعد فرمایا۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "بنی نضیر،،کا مال تم میں تقسیم فرمایا۔اللہ کی قسم! آپ نے تم سے بڑھ کر اپنی ذات کو اس معاملہ میں مقدم نہ رکھا اور نہ ہی تمہیں محروم کرکے آپ لیا۔ یہاں تک کہ یہ مال باقی رہ گیا۔اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ایک سال کا خرچہ لے لیا کرتے تھے۔بقیہ اس کے مصارف میں خرچ فرماتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر ان لوگوں سے کہا۔تمہیں اس ذات کی قسم!

جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں۔کیا تمہیں جو کچھ میں نے کہا معلوم ہے
سب نے ہاں میں جواب دیا۔ پھر یہی قسم جو سب کو دی تھی حضرت عباس
وعلی رضی اللہ عنہما کو دی کہ کیا تم یہ سب کچھ جانتے ہو؟ دونوں نے کہا ہاں۔
حضرت عمر پھر بولے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ابو بکر
صدیق نے کہا۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی ہوں۔ تم دونوں ان کے
پاس گئے۔ تم (عباس) اپنے بھتیجے کی میراث کا مطالبہ کر رہے تھے اور یہ (علیؓ)
اپنی بیوی (فاطمہ) کے حصہ کا تقاضہ کر رہے تھے۔ تو ابو بکر صدیق
نے تمہیں جواب دیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ہماری میراث
نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمارا سب کچھ چھوڑا ہوا صدقہ ہوتا ہے۔" تو تم دونوں نے
ان کو (اس فیصلہ کی بنا پر) خائن، غادر اور گناہگار سمجھا۔ حالانکہ اللہ جانتا
ہے۔ وہ صادق، نیک، راہِ ہدایت پر اور تابعِ حق تھے۔ پھر ابو بکر صدیق
رضی اللہ عنہ کی فوتیدگی کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر کا ولی
مقرر ہوا۔ تم دونوں نے مجھے بھی کاذب، خائن، غادر اور آثم کہا۔ حالانکہ
اللہ جانتا ہے۔ میں بھی صادق، بار، راشد اور تابع حق ہوں۔ میں اس مال کا
متصرف ہو گیا۔ پھر تم اور یہ دونوں میرے پاس آئے۔ تمہارا معاملہ بھی ایک
ہی جیسا ہے۔ تم نے کہا۔ وہ مال ہمیں دے دو۔ میں نے کہا۔ اس وعدہ
پر تمہیں دینے کو تیار ہوں۔ کہ تم اسے انہی مصارف پر خرچ کرو گے۔ جن
پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فرمایا کرتے تھے۔ تم دونوں نے اس شرط
پر اس مال کو لے لیا۔ پوچھا۔ ایسا ہی ہوا؟ دونوں نے کہا۔ ہاں۔ فرمایا۔ اب
تم پھر دونوں میرے پاس آئے ہو۔ تاکہ میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں
خدا کی قسم! اس فیصلہ کے بغیر کوئی دوسرا فیصلہ تا قیامت میں نہیں کروں گا۔
اگر تم اسے انہی مصارف پر خرچ کر

خلاصہ کلام :-

مکمل حدیث پہ نظر ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو یہ الفاظ فرمائے ہیں۔ کہ تم ہمیں کاذب، خائن اور غادر سمجھتے ہو۔ یہ الفاظ دراصل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تائید وحمایت میں ارشاد فرمائے تھے۔ کیونکہ واقعہ یہ تھا۔ کہ بنی نضیر کے "مال فی" کو جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما کی تولیت میں دیا تھا۔ اس "مال فی" کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا خیال تھا۔ کہ ہم تقسیم کرلیں تفصیل اس کی یہ تھی۔ کہ اس آمدنی کی تقسیم میں کمی بیشی پر حضرت عباس معترض تھے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی تقسیم کے خلاف تھے۔ کیونکہ آپ جانتے تھے۔ کہ یہ مال "مال وقف" ہے۔ اس کی تقسیم ناجائز ہے یہ تو محض ہماری تولیت میں اس لیے دی گئی ہے۔ کہ ہم اس کی آمدنی سے اپنی ضروریات پوری کریں۔ اس اختلاف کی بنا پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کاذب، خائن اور غادر کہا۔

لیکن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دونوں (عباس، علی) حضرات کو خطاب کرکے جو فرمایا۔ تو اس سے مراد صرف حضرت عباس کو سمجھانا تھا۔ کہ تم نے عباس! حضرت علی کو اس کی تقسیم نہ کرنے کی بنا پر ان الفاظ سے یاد کیا۔ تو شائد اسی وجہ سے میں اور ابو بکر صدیق بھی انہی الفاظ کے مستحق ہوئے۔ کیونکہ ہم نے بھی اس مال کو تقسیم نہیں کیا۔ اور نہ کرنے دیا۔ حالانکہ خدا جانتا ہے۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور میں اس معاملہ میں صادق راشد اور حق کی اتباع کرنے والے ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو تمہاری مخالفت کی۔ اس میں وہ حق بجانب ہیں۔ لہٰذا ہمارا اس معاملہ میں ان کے ساتھ اتفاق ہے۔ جس کو تم جانتے ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا۔ کہ اے عباس! تمہیں اس بارے میں حضرت علی رضی

کے ساتھ جھگڑنا نہیں چاہیئے۔ تو اس سے صاف صاف ظاہر ہے۔ کہ نہ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرات شیخین کو کاذب، خائن اور غادر سمجھتے تھے۔ اور نہ ہی حضرات شیخین واقع میں ایسے تھے۔ اگر حضرت عباس واقعہ ہی انہیں ایسا سمجھتے۔ تو پھر اپنا فیصلہ ان کی بجائے کسی اور سے کرواتے۔

اگر کوئی کوباطن پھر بھی اہل سنت پر یہ الزام دھرے۔ کہ حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے یہ ثابت ہے۔ کہ حضرات شیخین ان کے نزدیک واقعی ایسے ہی تھے۔ اور آپ نے اُن کی حقیقت بیان فرمائی۔ تو ہم اس کور باطن سے گزارش کرتے ہیں۔ کہ جب یہی الفاظ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں کہے۔ تو تم پر لازم ہے۔ کہ (معاذ اللہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حقیقت میں ایسا ہی سمجھو۔ تو اگر تمہارے نزدیک ان الفاظ سے خطاب کرنے کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے نہیں تھے۔ تو پھر حضرات شیخین بھی اسی زمرے میں نہیں آتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ حضرت عباس کو بطور تہدید کہے تھے۔ اپنے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے ایسا نہیں فرمایا تھا۔

قاعدۂ لغت عرب، خطاب دو یا زیادہ افراد سے لیکن مراد ان میں صرف ایک

لغتِ عرب میں بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ کبھی دو یا اس سے زیادہ شخصیات کو ایک کام میں شریک کرتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے مدِ نظر اور مقصود صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ اس لیے اس مقام پر یہ اعتراض اگر کسی کے ذہن میں آتا ہو۔ "فرأیتماہ، فرأیتمانی" دونوں تثنیہ کے صیغے ہیں۔ جن سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سے مراد حضرت علی اور

عباس رضی اللہ عنہما دونوں ہیں۔ اور تم اس سے مراد صرف حضرت عباس لیتے ہو۔ یہ لغتِ عرب کے خلاف ہے۔ تو یہ سوال بے موقعہ ہے۔ کیونکہ اوپر گزرے قاعدے کے مطابق قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ یٰمعشر الجن و الانس الم یاتکم رسل منکم۔ اسے گروہ جنات اور انسان! کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے۔ حالانکہ، رسول آنا،، صرف انسانوں سے مراد ہے۔ اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے۔ یخرج منھما اللؤلؤ و المرجان،، ان دونوں (پانیوں) سے لؤلؤ اور مرجان نکلتے ہیں۔ حالانکہ مرجان و مروارید دریائے شور سے نکلتے ہیں۔ دریائے شیریں سے نہیں۔ اسی طرح تمہاری مستند کتاب "ابن حدید،، میں ہے۔ فَاسْتَبَّ عَلِیٌّ وَ الْعَبَّاسُ عِنْدَ عُمَرَ،، علی و عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر کے پاس سخت کلامی کی۔ حالانکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ کہ جنہوں نے سخت الفاظ استعمال فرمائے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں شریک نہ تھے۔ لیکن صیغہ دونوں کے لیے استعمال کیا گیا۔ اسی طرح یہاں بھی مراد صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگرچہ صیغہ تثنیہ کا مستعمل ہوا۔

جواب دوم :-

اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے "فرا یتما انی غادرًا آثما،، کے الفاظ جو حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما کو فرمائے۔ یہ جلالی انداز میں تھے۔ جس سے حقیقی معنی مقصود و مراد نہیں تھے۔ کیونکہ اگر حقیقی معنی مراد ہوتے۔ تو جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تسمیہ فرمایا۔ کریں اور ابوبکر صدیق اس معاملہ میں حق بجانب اور صادق و راشد ہیں۔ تو ان الفاظ کے سننے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموشی اختیار نہ فرماتے۔ بلکہ فرماتے۔ تم حق پر نہیں۔ بلکہ حق تو یوں ہے۔ اور تم اپنی پاکدامنی غلط طور پر ثابت کر رہے ہو۔ لیکن واقعات اور حالات اس کے بالکل عکس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ جب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ فرمایا۔ کہ تم ہمیں غادر، آثم اور خائن سمجھتے ہو۔ اور پھر اپنی پاکدامنی کی قسم اٹھائی۔ اور حقیقت حال بیان کی۔ تو دونوں مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کلام سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ کسی کی تردید نہ کی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے۔ کہ پہلے الفاظ صرف ناراضگی کے اظہار کے لیے تھے۔ اور دوسرے حقیقت حال پر مبنی تھے۔ کیونکہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ واقعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خائن اور غادر وغیرہ سمجھتے تو ان کے پاس فیصلے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور انہیں قاضی کیوں بناتے۔

جواب سوم:۔

ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم، شیخین رضی اللہ عنہما کو امام عادل کہتے تھے

مندرجہ بالا اعتراض کے بارے میں شیعہ حضرات اگر اپنی کتب کا مطالعہ ہی کر لیتے تو اتنی بے باکی اور جسارت سے یہ اعتراض نہ کرتے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کو خائن اور غادر سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کی کتب اس کی تصدیق کرتی ہیں۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ دونوں حضرات عادل اور امام وقت تھے۔ اور "قیم" تھے۔

احقاق حق:۔

هُمَا اِمَامَانِ عَادِلَانِ قَاسِطَانِ كَانَ عَلَى الْحَقِّ وَ مَاتَا عَلَيْهِ فَعَلَيْهِمَا رَحْمَةُ اللهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(۱۔ احقاق حق ص ۱۶ (۲۔ انوار نعمانیہ جلد اول ص ۹۹ طبع جدید تبریز طبع قدیم ص ۳۱)

ترجمہ:۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما دونوں عادل اور انصاف کرنے والے امام تھے۔ دونوں حق پر زندہ رہے۔ اور حق پر ہی دونوں کا خاتمہ ہوا۔ ان دونوں پر تاقیامت اللہ کی رحمت نازل ہو۔

نہج البلاغہ:۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے خطبات میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شان یوں بیان کیا کرتے تھے۔

"لِلّٰہِ بِلَادُ فُلَانٍ فَلَقَدْ قَوَّمَ الْاَوَدَ وَدَاوَی الْعَمَدَ وَاَقَامَ السُّنَّۃَ وَخَلَفَ الْفِتْنَۃَ ذَهَبَ نَقِیَّ الثَّوْبِ۔"

(نہج البلاغہ خطبہ ۲۲۸ صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ بیروت سائز چھوٹا۔) طبع جدید (ایک جلد میں)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ عمر فاروق کے شہروں کو برکت دے۔ کیونکہ انہوں نے ٹیڑھی کو سیدھا کیا۔ مرض کا علاج کیا اور فتنوں کو پیچھے چھوڑا۔ اور صاف ستھرے لباس کے ساتھ (پاک دامن ہو کر) دنیا سے تشریف لے گئے۔

اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان اقدس سے شان شیخین کو "ابن میثم" نے یوں نقل کیا۔

ابن میثم :-

وَلَعُمْرِیْ اِنَّ مَکَانَهُمَا فِی الْاِسْلَامِ لَعَظِیْمٌ وَّ اِنَّ الْمُصَابَ بِهِمَا لَجَرْحٌ فِی الْاِسْلَامِ شَدِیْدٌ یَرْحَمُهُمَا اللّٰهُ وَجَزَاهُمَا بِاَحْسَنِ مَا عَمِلَا ۔

(۱۔ ابن میثم شرح نہج البلاغہ جلد چہارم ۔
ص ۴۶۲ کتاب ع۹ مطبوعہ تہران ۔)
طبع جدید (پانچ جلدوں میں)
(۲۔ وقعۃ الصفین ص ۶۳
(طبع بیروت) قدیم ۔

ترجمہ :- مجھے اپنی عمر کی قسم! کہ ان دونوں حضرات کا اسلام میں عظیم مرتبہ تھا۔ بیشک ان کی موت سے اسلام کو شدید زخم لگا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور ان کے اچھے اعمال کی ان کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

ان تمام دلائل نے ثابت کر دیا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خائن اور غادر سمجھتے تھے۔ اور نہ ہی ان کے وہم و خیال میں کبھی یہ بات گزری۔ اور نہ ہی خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو خائن اور غادر وغیرہ سمجھتے تھے۔ بلکہ انہیں اس معاملہ میں یہ کہنے کا حق تھا۔ کہ وہ اس میں صادق، راشد اور تابع الحق ہیں۔ اور اسی لیے آپ نے اپنے بارے میں یہی الفاظ قسمیہ بیان فرمائے۔ ان تمام باتوں سے نتیجہ یہ نکلا۔ کہ یہ حضرات ایک دوسرے کو حقیقتاً ان الفاظ کا مصداق نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ محض تہدید کے طور پر یا جلالی انداز میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ کہے۔ اس لیے معلوم ہوا۔ کہ ان الفاظ سے حقیقی مفہوم لینا سراسر باطل ہے۔ اور اس باطل مفہوم کا مصداق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بنانا بنائے باطل بر باطل ہے۔

جواب چہارم :-

اعتراض کرنے والوں میں اگر واقعی ہمت ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہمارے اعتراض میں وزن ہے۔ تو میں انہیں دعوٰی سے کہتا ہوں۔ کوئی ایک معتبر حدیث ایسی دکھا دو۔ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صاف صاف فرمایا ہو۔

"یَا عُمَرُ اَنْتَ اٰثِمٌ وَّغَادِرٌ وَّخَائِنٌ وَّکَاذِبٌ"، یعنی اے عمر! تو گنہگار، دھوکہ باز اور خائن وغیرہ ہے۔ لیکن آج تک تو کوئی حدیث نہیں پیش کر سکے۔ شائد اب کہیں مبیٹھ کر وضع کر لیں۔ کیونکہ ایسا کرنا ان سے بعید نہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان اقدس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام عادل، پاکدامن اور راستباز کے الفاظ تو مل سکتے ہیں۔ مگر اس کے خلاف خائن، غادر اور کاذب کے الفاظ نہ مل سکیں گے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

طعن سوم

شیخین اگر واقعۃً لائق خلافت ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

انہیں عمر بن العاص کی ماتحتی میں جہاد پر نہ بھیجتے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاص کے ماتحت اور دوسری مرتبہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ماتحت ایک لشکر بھیجا۔ تو ان دونوں کی سپہ سالاری میں جانے والے لشکر میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک عام لشکری کی حیثیت سے ان کے ماتحت گئے۔ دونوں واقعے "در تاریخ روضۃ الصفار" میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ دونوں واقعات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں خلافت و امامت کے اہل ہوتے۔ تو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک معمولی صحابی کی ماتحتی میں نہ بھیجتے۔ لہذا معلوم ہوا کہ شیخین خلافت اور امامت کے قابل نہیں تھے۔ بلکہ خلافت و امامت کا منصب انہوں نے زبردستی سے لیا۔ اہلیت کی بنیاد پر یہ اسکے مستحق نہ تھے۔

اس طعن کے چار جوابات ہم کتب شیعہ سے ہی پیش کیئے دیتے ہیں۔

اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

ٹ

جواب اول :-

شیعہ حضرات نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ انہیں حضرت عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ماتحت کیا گیا تھا۔ لہٰذا ماتحت شخص خلافت و امامت کے منصب کا اہل نہیں ہو سکتا۔ چلو ہم چند لمحوں کے لیے تمہارا یہ قاعدہ تسلیم کئے لیتے ہیں۔ تو اسی قاعدہ کے مطابق شیخین نہ سہی عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما تو خلافت و امامت کے مستحق ہوئے۔ کیونکہ سب ان کی ماتحتی میں تھے۔ اور یہ کسی کے ماتحت نہ تھے۔ حالانکہ شیعہ حضرات، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر بھی (معاذ اللہ) لعن طعن کرتے ہیں۔

شیعہ حضرات کو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو اپنے لعن طعن کا نشانہ بنانے کے لیے کوئی اور بہانہ نہ ملا۔ تو اپنے مقصد کی برآری کے لیے سربراہ اور ماتحت کا فرق سامنے رکھ کر اپنے سیاہ دل کی بھڑاس نکالی۔ حقیقت اور اصل پر عمل کرنا ان کے مقدر میں نہیں۔

جواب دوم :-

عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید کو سپہ سالار بنانے میں جزوی مصلحت تھی

حقیقت میں بات یہ ہے۔ کہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی امارت و سیادت ایک مخصوص مصلحت کی بنا پر معرض وجود میں آئی۔

وہ یہ کہ رومیوں نے "جنگ موتہ" میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد "زید" کو قتل کر دیا تھا۔ تو رومیوں کے ساتھ مقابلہ میں بھیجے جانے والے لشکر کی سپہ سالاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔ تاکہ ان میں دو طرح سے تقویت آجائے۔ ایک تو جذبہ کامل تھا۔ کہ غیر مسلموں سے جہاد کرنے کے فضائل ان کے پیش نظر تھے۔ اور دوسرا تقاضائے بشریت اپنے والد کے قاتلوں سے لڑنا تھا۔ تو دونوں طرح مکمل تیاری اور انتقام کے اسباب مہیا ہو گئے۔ جس کی بنا پر شجاعت ایمانی اور قوتِ جسمانی سے سرشار ہو کر انہوں نے رومیوں سے جنگ لڑی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جن کفار کے مقابلہ کے لیے بھیجا جا رہا تھا وہ انتہائی مکار اور حیلہ گر لوگ تھے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ لڑنے کے لیے سپہ سالاری اُسے ہی سونپنی چاہیئے۔ جو ان کے مکر و فریب سے واقف اور ان کی حیلہ گری اور شعبدہ بازی سے واقف ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو کچھ ایسا ذہن اور طبیعت عطا فرمائی تھی۔ کہ وہ اس خداداد ذہانت سے ان مکاروں کی ہر چال سمجھ جاتے تھے۔ تو آپ نے انہیں سپہ سالاری کی ذمہ داریاں سونپیں۔ یہ جزوی مصلحت تھی۔ جس کی بنا پر ان دونوں کی سپہ سالاری کارگر ہوئی۔ اور اس کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو منتخب فرمایا۔

اس جزوی اور وقتی مصلحت سے نہ تو عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کی شیخین پر مطلقاً فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور نہ ہی اس سے شیخین کے خلیفہ یا امام بننے کی اہلیت میں کچھ فرق آتا ہے۔ لہٰذا اسے بہانہ بنا کر شیخین کو مورد طعن ٹھہرانا بالکل لغو ہے۔

صاحب "روضۃ الصفا" نے اسی واقعہ کو نقل کرتے ہوئے "حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

کا ایک اور سوال بھی نقل کیا۔" وہ یہ کہ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فتح یاب ہونے کے بعد واپس لوٹے۔ تو ان کے دل میں خیال آیا۔ کہ اس امارت اور سپہ سالاری کی بدولت شائد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یقیناً تمام صحابہ سے افضل اور محبوب ترین ہو گیا ہوں۔ اپنے اس خیال کے مطابق انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

روضۃ الصفاء

یا رسول اللہ! محبوب ترین خلائق نزد تو کیست؟ فرمود کہ عائشہ عمرو گفت سوال من از رجال است فرمود کہ پدر او باز پرسید کہ بعد از وی کیست فرمود کہ عمر۔

(تاریخ روضۃ الصفاء جلد دوم صفحہ ۳۸۰
ذکر احوال خاتم الانبیاء
صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ
ایران طبع قدیم۔

ترجمہ:۔

اے اللہ کے رسول! آپ تمام لوگوں میں زیادہ دوست اپنے نزدیک کسے سمجھتے ہیں؟ فرمایا۔ عائشہ کو۔ عمرو بن العاص نے پھر پوچھا حضور! میرا سوال مردوں کے متعلق تھا۔ کہ مردوں میں سے آپ کے نزدیک محبوب ترین کون ہے؟ فرمایا عائشہ کا باپ (ابوبکر صدیق) پھر پوچھا۔ ان کے بعد کون ہے؟ فرمایا۔ عمر بن خطاب۔ رضی اللہ عنہم۔

☆

جواب سوم :-

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ماتحتی بھی بعض مواقع میں ثابت ہے

اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے۔ کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سپہ سالار نہ تھے۔ بلکہ عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید امیر و سپہ سالار تھے۔ تو اس ماتحتی کی وجہ سے شیخین، خلافت اور امامت کے اہل نہ رہے۔ تو بعینہٖ یہی معاملہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی ثابت ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ۹ھ میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحجاج بنا کر بھیجا تو ان کے زیر امارت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حج کیا۔ (مجمع البیان جلد ۳ جزء ۵ ص۳) تو اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خلافت و امامت کے اہل نہ رہے (معاذ اللہ) کیونکہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت و امامت کے اہل ہوتے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو امیر الحجاج بنا کر بھیجتے۔ حالانکہ ایسا نہیں کیا گیا۔ تو جو جواب اس موقعہ پر تمہارا وہی جواب ہمارا۔

حاصل کلام :-

یہاں تک گفتگو کا حاصل یہ نکلا۔ کہ یہ طعن بھی دوسرے مطاعن کی طرح جہالت ہٹ دھرمی اور تعصب پر مبنی ہے۔ اور اسی جہالت نے یہ رنگ دکھلایا۔ کہ ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی

امامت و خلافت کا اہل نہ رہا۔ کیونکہ یہ سب حضرات کسی نہ کسی موقعہ پر ماتحت رہے ہیں۔ ان کو خلافت و امامت کا نااہل قرار دینا دراصل بنائے فاسد علی الفاسد کا نتیجہ ہے لہٰذا اے شیعو! تمہیں ہوش سے کام لینا چاہیئے۔ اور عقل دشمنی سے باز آجانا چاہیئے۔ تم خود سوچو۔ کہ اس طعن سے تمہیں کیا حاصل ہوا۔ کیا اس سے شیخین پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت ہوئی۔ یا اس سے شیخین کی شان میں کمی آگئی۔؟ ان دونوں باتوں میں سے تمہارے پلے کچھ بھی پڑا؟ ہاں گستاخی اور بے ادبی ضرور سمیٹ لی۔

جواب چہارم:۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خوشنودی

روضۃ الصفاء:۔

طائفہ از علماء احبار رحمہم اللہ واز اسلم مولای عمر چنیں روایت کنند کہ عثمان بن عفان در زمان اشتداد مرض ابوبکر باشارت او ایں کلمہ قلم آورد کہ خلیفہ بعد از ابوبکر و دوران حین ابوبکر از ہوش رفتہ و عثمان لمحہ توقف کردہ نوشت کہ عمر خواہد بود و چوں ابوبکر بہوش آمد صحیفہ را طلب داشتہ نام عمر دراں ثبت دید پرسید کہ ایں نام را کہ نوشت، عثمان جواب داد کہ من در قلم آوردم ابوبکر فرمود رحمک اللہ و جزاک اللہ خیراً"، اگر نام خود را نیز می نوشتی محل مضائقہ نبود

امیر المومنین علی فرمود کہ ما بغیر عمر راضی نمی شویم کہ خلیفہ باشد ابو بکر در بارہ مرتضیٰ علی دعائی خیر بر زبان آورد۔

(روضۃ الصفا، جلد دوم ذکر خلافت
ابو بکر صدیق ص ۴۴۲)

ترجمہ: علماء احبار کی ایک جماعت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اسلم، سے یہ روایت ہے۔ کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرض کی شدت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کے ایماء پر صرف اتنا حکم لکھا تھا۔ "خلیفہ بعد از ابو بکر،" اور اس کے ساتھ ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کچھ دیر کے لیے ٹھہرے۔ پھر لکھا۔ کہ ابو بکر صدیق کے بعد خلیفہ "عمر" ہو گا۔ پھر جب صدیق اکبر ہوش میں آئے۔ تو وصیت نامہ طلب فرمایا۔ تاکہ وصیت پوری کر دی جائے۔ اس میں نظر دوڑائی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھا دیکھ کر پوچھا۔ کہ یہ نام کس نے لکھا۔ حضرت عثمان ؓ نے کہا میں نے لکھا ہے تو ابو بکر صدیق ؓ نے فرمایا۔ اللہ تجھ پر رحم کرے اور تجھے جزائے خیر عطا فرمادے۔ اگر "عمر" کی بجائے اپنا نام لکھ لیتا تو بھی کوئی حرج نہ تھا۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ ہم عمر کے علاوہ کسی کے خلیفہ ہونے پر راضی نہ ہوں گے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی زبان اقدس سے دعائے خیر سے یاد فرمایا۔

اصل واقعہ کچھ اس طرح ہے:۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جب وقت وصال قریب آیا۔ تو تمام صحابہ کرام سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ میری زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ میں چاہتا

ہوں۔ کہ اپنے بعد خلافت کا مسئلہ حل کرتا جاؤں۔ لہذا میں تم میں سے کسی ایک کا نام لکھ کر لفافے میں بند کر دیتا ہوں۔ میرے انتقال کے بعد تم اُسے کھولنا۔ اور جس کا نام لکھا ہوا ہو۔ اُسے خلیفہ بنا لینا۔ تمام صحابہ کرام نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کی حمایت کی۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی معاملہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو علیحدگی میں بلوایا۔ اور تحریر لکھوانا شروع کی۔ ابھی "میرے بعد خلیفہ" کے الفاظ ہی لکھے گئے تھے۔ کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ کچھ توقف فرما کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس جملہ کو یوں مکمل کر دیا۔ "میرے بعد خلیفہ عمر ہو گا۔"

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب ہوش میں آئے۔ تو آپ نے لفافہ منگوایا۔ دیکھا کہ اس میں حضرت عمر کا نام بطور خلیفہ لکھا ہوا ہے۔ دریافت کرنے پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کہ میں نے تحریر کیا ہے۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق خوش ہوئے۔ اور حضرت عثمان کے بارے میں دعائے خیر فرمائی۔

پھر اس لفافہ کو جب عام صحابہ کرام کے سامنے کھولنے کا معاملہ آیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر اس لفافہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کا نام ہوا۔ تو میں قطعاً راضی نہ ہوں گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان کلمات سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

لہذا معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق کو لائق خلافت سمجھتے تھے۔ اب تم چاہو سمجھو یا نہ سمجھو۔

اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعوے دار ہے۔ اُسے یہ بات تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہو گا۔ اور وہ یہ بات کہنے پر مجبور ہو گا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک،

(صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رحلت کے بعد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی دوسرا منصب امامت وخلافت کا مستحق نہ تھا۔

اسی لیے آپ نے مستحق کو حق ملنے پر خوشی اور رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے دعائیں لیں۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

باب چہارم۔ عثمان غنی پر کیئے گئے مطاعن

طعن اوّل

مروان بن الحکم کو رسول خدا نے مدینہ سے نکالا مگر عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں واپس بلالیا

سنیوں کی کتابوں میں موجود ہے۔ کہ مروان اور اس کے والد حکم ابن ابی العاص دونوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خطا کاریوں کی وجہ سے مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا۔ لیکن جب ان کے چچا زاد بھائی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ تو انہوں نے ان باپ بیٹے دونوں کو واپس ہی نہیں بلایا۔ بلکہ مروان کو اپنا کاتب اور مشیر خاص بھی مقرر کر لیا۔ جس سے یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم وعمل کی مخالفت کی ہے۔ اور جس کو آپ نے جلاوطن کیا۔ اُسے اُمت مسلمہ کے لیے مشیر کا درجہ دے دیا۔ حالانکہ یہ دونوں باپ بیٹا سخت قسم کے خطا کار انسان تھے۔ تو جو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی کھلم کھلا مخالفت کرے۔ وہ "خلیفہ رسول" کیسے ہو سکتا ہے۔

جواب اول:۔

مروان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ بہت بڑا خطا کار آدمی تھا۔ جس کی خطا کاری کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے جلا وطنی کی سزا دی۔ یہ طعن دراصل جہالت اور لاعلمی کی پیداوار ہے۔ ہمارے نہ سہی معترض اگر اپنی ہی کتب میں اس "مروان" کے بارے

میں پوری تحقیق کر لیتا۔ کہ یہ کیسا انسان تھا؟ تو اعتراض نہ کرتا۔ لیجئے ہم تمہیں کتاب و حوالہ بتلائے دیتے ہیں۔ پڑھ لیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت مروان کی عمر ۸، ۹ سال کی تھی

منتخب التواریخ:۔

ہفتم مروان بن حکم بن ابی العاص بود و ایں پسر عم عثمان ابن عفان ابن ابی عاص بود وزیر و دبیر و کاتب عثمان بود و مادر مروان امیہ بنت علقمہ بن صفوان بن امیہ است و مروان در سال دوم ہجری متولد شد۔

(منتخب التواریخ ص ۱۴۵ مصنفہ محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی باب سوم در ذکر بعضی از منافقین کہ عداوت داشتند با حضرت امیر (ع) مطبوعہ تہران ۱۳۴۷ھ)

ترجمہ:۔

ساتواں مروان بن حکم بن ابی العاص،، تھا۔ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا ابن ابی العاص کا بیٹا تھا۔ اور آپ کا وزیر، منشی اور کاتب تھا۔ اور مروان کی ماں ردا میہ بنت علقمہ بن صفوان،، تھی۔ سن دو ہجری میں مروان پیدا ہوا۔

صاحب منتخب التواریخ نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے۔ کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت مروان کی عمر زیادہ سے زیادہ ۹ سال تھی۔ اگرچہ معتبر روایات کے مطابق اس وقت مروان کی عمر آٹھ سال کی تھی جیسا کہ طبقات کبریٰ، میں "ابن سعد" نے لکھا ہے۔

ابن طبقات:۔

قَالُوا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ ابْنُ ثَمَانِ سِنِيْنَ فَلَمْ يَزَلْ مَعَ اَبِيْهِ بِالْمَدِيْنَةِ حَتّٰى مَاتَ اَبُوْهُ الْحَكَمُ بْنُ اَبِى الْعَاصِ فِىْ خِلَافَةِ عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ۔

(طبقات ابن سعد جلد پنجم ص ۳۶
مطبوعہ بیروت ذکر مروان۔)

ترجمہ:۔

تاریخ دان کہتے ہیں۔ کہ مروان کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت آٹھ برس تھی۔ یہ اپنے باپ کے ساتھ مدینہ میں رہا۔ حتی کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کے والد کا انتقال خلافت عثمانی میں ہوا تھا

خلاصہ کلام:۔

شیعہ اور سنی کتب کی روایات سے ثابت ہوا۔ کہ "مروان" کی عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت بمشکل آٹھ نو برس تھی۔ اور یہ عمر شیعہ سنی کسی کے نزدیک بلوغت کی عمر نہیں۔ تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت ایک بچہ عمر کے اس حصہ میں ہو۔ جو مرفوع القلم ہوتا ہے اس سے قبل جب کہ

اس کی عمر اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ اس پر احکاماتِ شرعیہ کا نفاذ کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جلاوطنی کے لیے اسے خطا کار اور برائیوں کا مرتکب قرار دینا بے بنیاد الزام ہے۔ کیونکہ خطا اور برائی کے ارتکاب کے لیے بالغ ہونا ضروری ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کہ آپ نے بوجہ خطا کاریوں کے ''مروان'' کو مدینہ سے جلاوطن کیا تھا۔ کس قدر بہتان عظیم ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں پر رحم کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ ان پر غضب کرنے اور ملک بدر کرنے کا۔

جواب دوم:-

جب یہ الزام بے بنیاد ثابت ہوا۔ کہ ''مروان'' کو جلاوطن کیا گیا۔ اور حضرت عثمان نے اس کو واپس بلا کر اپنا کاتب اور مشیر خاص مقرر کیا۔ تو ان کے والد ''حکم بن ابی العاص'' کے بارے میں اعتراض باقی رہا۔ کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جلاوطن کیا تھا۔ تو حضور کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ واپس کیوں بلایا؟

حکم بن ابی العاص کی جلاوطنی:-

''حکم بن ابی العاص'' کی جلاوطنی کا واقعہ اہل سنت کی معتبر کتب میں پہلے تو سرے سے ہی موجود نہیں۔ اور جن کتب میں مذکور بھی ہے۔ اس میں کچھ راوی ایسے ہیں۔ جو ناقابلِ اعتبار اور مجروح ہیں۔ مثلاً ''ہشام کلبی'' اور ''واقدی'' اور کئی کتب میں اس واقعہ کو بلا سند ذکر کیا گیا ہے۔ تو جن روایات میں اس کی سند موجود نہیں ان کے ذریعہ اس کا درست یا غلط ہونا معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور جن میں اس کی اسناد مذکور ہیں ان پر فن رجال کے ناقدین کی زبردست تنقید موجود ہے۔

"حافظ ذہبی"، نے ان روایات پر تنقید کرتے ہوئے ان کی عدم صحت کا حکم لگایا۔ اپنی مشہور کتاب "المنتقی"، میں تحریر کرتے ہیں۔

المنتقی :-

وَقِصَّةُ نَفْيِ الْحَكَمِ لَيْسَتْ فِي الصِّحَاحِ وَ لَا لَهَا اَسْنَادٌ يُعْرَفُ بِهٖ اَمْرُهَا۔

(المنتقی فصل ثالث ص ۳۹۵۔ بحث نفی الحکم۔)

ترجمہ:۔ اور "حکم بن ابی العاص"، کی جلاوطنی کا قصہ صحاح میں موجود نہیں ہے۔ اور نہ اس کی کوئی اسناد ہیں۔ جن کے ذریعہ اس قصہ کے بارے میں حقیقت حال معلوم ہوسکے۔

"حکم بن ابی العاص"، کی جلاوطنی کے قصہ کی عدم صحت کی تائید "طبقات ابن سعد"، کی ایک روایت سے ہوتی ہے۔

طبقات ابن سعد :-

اَلْحَكَمُ بْنُ اَبِي الْعَاصِ ابْنِ اُمَيَّةَ بْنِ عَبْدِ الشَّمْسِ وَ اُمُّهٗ رُقَيَّةُ بِنْتُ الْحَارِثِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَرَ بْنِ مَخْزُوْمٍ اَسْلَمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَلَمْ يَزَلْ بِهَا حَتّٰى كَانَتْ خِلَافَةُ عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَذِنَ لَهٗ فَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ فَمَاتَ بِهَا فِيْ خِلَافَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ اَبُوْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ

وَعَمُّ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ۔

(طبقات ابن سعد جلد پنجم ص ۴۴۷ مطبوعہ بیروت طبع جدید۔ ذکر الحکم بن ابی العاص)

ترجمہ:۔ حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس اور اس کی والدہ رقیہ بنت الحارث بن علیہ بن عمر بن مخزوم تھی۔ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا۔ اور خلافت عثمانی تک وہیں رہا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دوران مدینہ میں آنے کی اجازت دے دی۔ تو یہ مدینہ آ گیا۔ اور انہی کی خلافت میں اس کا انتقال ہوا۔ اور یہ "مروان" کا والد اور "عثمان بن عفان" کا چچا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا۔ کہ "حکم بن ابی العاص" کی جلاوطنی کا قصہ غلط ہے۔ کیونکہ فتح مکہ کے دن یہ شخص مسلمان ہوا۔ اور اسلام لانے کے بعد وہیں ٹھہرا رہا۔ حتیٰ کہ خلافت عثمانی تک مکہ میں رہا۔ تو جب یہ مدینہ میں آیا ہی نہیں۔ اور نہ ہی وہاں سکونت اختیار کی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے اس کو جلاوطن کیسے کیا۔ جو مدینہ میں رہتا ہی نہیں؟ یہ جلاوطنی کیسی ہوئی؟ اور پھر آپ حضرات یہ بھی پڑھ چکے ہیں۔ کہ "حکم بن ابی العاص" کا بیٹا "مروان" مدینہ میں اپنے باپ کے انتقال تک مقیم رہا۔ اور اس کے باپ "الحکم بن ابی العاص" کا انتقال خلافت عثمانی میں ہوا جس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ "حکم بن ابی العاص" یوم فتح مکہ مسلمان ہوا۔ اور وہیں مقیم رہا۔ مکہ میں ہی اس کے ہاں "مروان" نامی بچہ پیدا ہوا۔ یہ باپ بیٹا دونوں حضرت عثمان کی خلافت کے دور تک مکہ میں رہے۔ اور جب خلافتِ عثمانی کا دور آیا۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں مدینہ میں بلوا لیا۔ اور پھر یہ مدینہ میں ہی رہے۔ حتیٰ کہ ان کا انتقال بھی وہیں

ہوا۔ تو جب فتح مکہ سے لے کر خلافت عثمانیہ تک ایک شخص مکہ میں رہ رہا ہے۔ وہ مدینہ میں آیا ہی نہیں۔ تو اس کی مدینہ سے جلاوطنی کیونکر ممکن؟ لہذا معلوم ہوا۔ کہ جس طرح بیٹے "مروان" کی جلاوطنی بے اصل و بے بنیاد ہے۔ اسی طرح اس کے باپ "الحکم بن ابی العاص" کی جلاوطنی بھی سراسر بے اصل اور من گھڑت ہے۔ جس کی کوئی اصل نہیں

جواب سوم:۔

اگر بطریق تنزل یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ "حکم بن ابی العاص" کو جلاوطن کیا گیا تھا۔ تو جن روایات میں ہے کہ یہ جلاوطنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہوئی۔ انہی روایات میں یہ بھی موجود ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر کے واپس بلا لیا۔ اور آپ نے اس حکم کو واپس لے لیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا۔ تو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو (معاذ اللہ) منسوخ کر دیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کے وقت محاصرہ کرنے والوں کو جو خطاب فرمایا تھا۔ اور ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے تھے۔ ان واقعات کو، "تاریخ طبری" میں ابن جریر طبری نے یوں نقل کیا ہے۔

تاریخ طبری:۔

بَلَغَنِیْ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا اَحْدَثَ التَّسْیِیْرُ اِلَّا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَیَّرَ الْحَکَمَ بْنَ اَبِی الْعَاصِ فَقَالَ اِنَّ الْحَکَمَ کَانَ مَکِّیًّا فَسَیَّرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا اِلَی الطَّائِفِ ثُمَّ رَدَّهٗ اِلٰی بَلَدِهٖ فَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَیَّرَهٗ

بِدَنِيَّةٍ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَدَّهٗ بِعَفْوِهٖ۔

(تاریخ الطبری جلد سوم جزء پنجم ص ۱۲۵ تحت ۳۵ھ مطبوعہ بیروت۔)

ترجمہ:۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ مخالفین کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بن ابی العاص کو جلاوطن کر دیا تھا۔ (اور عثمان غنی نے اُس حکم کو واپس لے کر جلاوطنی ختم کر دی) تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ "حکم بن ابی العاص"، مکہ کا رہنے والا تھا۔ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے طائف میں جلاوطن کر کے بھیج دیا۔ پھر اس کو اپنے شہر واپس بلا لیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی کسی غلطی کی وجہ سے اُسے جلاوطن کیا۔ اور آپ نے ہی معاف فرما کر اُس کی جلاوطنی ختم کر دی، اور اُسے اپنے شہر واپس بُلا لیا۔ (تو پھر مجھ پر اعتراض کیسا؟)

تاریخ طبری:۔

وَقَالُوْا اِنِّيْ رَدَدْتُ الْحَكَمَ وَقَدْ سَيَّرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَّكَّةَ اِلَى الطَّائِفِ ثُمَّ رَدَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَّرَهٗ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَدَّهٗ اَكَذٰلِكَ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ۔

(تاریخ ابن جریر طبری ص ۱۰۲-۱۰۳ جلد سوم جزء پنجم مطبوعہ بیروت تحت ۳۵ھ)

ترجمہ:۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ میں نے کس طرح حکم بن ابی العاص کو واپس بلا لیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے مکہ سے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ تو اس جلاوطنی کی یہ حقیقت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس جلاوطن بھی کیا اور آپ نے ہی بذاتِ خود جلاوطنی معاف بھی فرمائی۔ کیا اسی طرح نہیں ہوا؟ سب نے کہا۔ ہاں ایسے ہی ہوا۔

البدایہ والنہایہ:۔

وَعَتَبُوْا عَلَيْهِ فِي إِيْوَائِهِ الْحَكَمَ بْنَ أَبِي الْعَاصِ وَقَدْ نَفَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الطَّائِفِ فَذَكَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ قَدْ نَفَاهُ إِلَى الطَّائِفِ ثُمَّ رَدَّهُ ثُمَّ نَفَاهُ إِلَيْهَا۔ قَالَ فَقَدْ نَفَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَدَّهُ۔

(البدایہ والنہایہ جلد ہفتم ص۱۷۱ مطبوعہ بیروت، الریاض۔ تحت ذکر سنہ خمس وثلاثین فیہا مقتل عثمان۔)

ترجمہ:۔ جب لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سخت الفاظ میں یہ اعتراض کیا کہ انہوں نے حکم بن ابی العاص کو واپس بلا لیا۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے طائف کی طرف جلاوطن کیا تھا۔ پس ذکر کیا گیا کہ ہاں واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کی طرف جلاوطن کیا تھا۔ پھر واپس بلا لیا۔ پھر جلاوطن کیا۔ پھر واپس بلا لیا۔ تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ

نے فرمایا۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی جلاوطن کیا تھا۔ اور آپ نے ہی واپس بلایا تھا۔

مذکورہ تین روایات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ "حکم بن ابی العاص"، کو نہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلاوطن کیا۔ اور نہ ہی واپس بلایا۔ بلکہ اس کی جلاوطنی اور واپسی دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ہوئی تھیں۔

۲۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں (معترضین) سے پوچھا۔ کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بن ابی العاص کو جلاوطن نہ کیا تھا۔ اور اس کی واپسی کا حکم بھی کیا آپ نے ہی نہ دیا تھا؟ تو انہوں نے لاجواب ہو کر مجبوراً تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد ان معترضین میں سے کوئی بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو "حکم بن ابی العاص" کے بارے میں مطعون نہ کر سکا۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بن ابی العاص کو جس جرم کی پاداش میں طائف کی طرف جلاوطن کیا تھا۔ آپ نے بعد میں وہ جرم معاف فرما کر واپس مکہ بلوالیا تھا۔

خلاصۂ کلام:۔

گزشتہ اوراق میں دونوں قسم کی روایات جن میں جلاوطنی ہونے اور نہ ہونے کا ذکر ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ ان روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ "حکم بن ابی العاص"، کی جلاوطنی کا واقعہ ہماری اہل سنت کی کسی معتبر مرفوع حدیث میں نہیں پایا گیا۔ اور جن روایات میں یہ واقعہ ملتا ہے۔ وہاں جلاوطنی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

معاف فرما دینے کے بعد واپسی کا بھی ذکر ہے۔ اور ان روایات میں سے کسی کے اندر یہ مذکور نہیں۔ کہ "حکم بن ابی العاص"، کو جلا وطن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ اور یہ جلاوطنی آپ نے منسوخ نہ فرمائی۔ حتی کہ خلافت عثمانی میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی جلاوطنی منسوخ فرما کر واپس بلا لیا۔ اب بھی اگر کوئی یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مجرم کو جلاوطن کیا عثمان نے اسے پھر واپس بلا لیا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے روگردانی کی اور اس طرح وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کیچڑ اچھالے۔ تو یہ اس کی کور باطنی کی دلیل ہی بن سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاف کر دینا شیعوں کو منظور نہیں

مجھے انتہائی حیرت ہوتی ہے۔ کہ اگر مان بھی لیا جائے۔ کہ "حکم بن ابی العاص" کو جلاوطن کیا گیا تھا۔ جن جرائم کی وجہ سے یہ جلاوطنی واقع ہوئی۔ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیئے۔ اور واپس بلا لیا۔ تو پھر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں کس طرح مورد الزام قرار پائے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجرم کو اگر معافی دینا چاہیں۔ تو تم سے پہلے خوشنودی حاصل کریں۔ (معاذ اللہ) کیونکہ اس مجرم کو معافی دینا تم ایسے مانتے ہی نہیں۔ تو تمہارا اعتراض درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ہوا۔ بلکہ آپ کے معاف کر دینے کے باوجود تم مذکورہ مجرم کو معاف نہیں کرتے۔ تو تمہارا اعتراض نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ ہوا۔ وہ معاف کر دیں۔

لیکن تم آپ کی معافی کو قبول نہیں کرتے۔ اور جس مجرم کو آپ واپس بلا لیں۔ تم اس کی واپسی پر اعتراض کرتے ہو۔ خدارا۔ عقل سے کام لو۔ اور بار بار غور کرو

توتمہیں اس واقعہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بالکل بری الذمہ نظر آئیں گے۔ اور اس طعن سے آپ کی ذات بالکل مبرا نظر آئے گی۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

جواب چہارم الزامی:-

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مروان بن حکم کو معاف کر دینا

شیعہ حضرات "مروان بن حکم" اور اس کے باپ "حکم بن ابی العاص" کے معاملہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مطعون کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے انہیں معاف کیوں کیا؟ تو ہم پوچھتے ہیں۔ کہ اگر یہ دونوں باپ بیٹا ایسے مجرم تھے۔ جن کی معافی نہیں۔ اور کوئی بھی انہیں معاف نہیں کر سکتا؟ تو جب "جنگ جمل" میں اسی مروان بن حکم کو پکڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ جیسا کہ معتبر کتب شیعہ میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ تو اس وقت حسنین کریمین نے اس مروان کی معافی کی سفارش کی۔ جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے معاف کر دیا۔ اور رہائی دے دی۔

نہج البلاغہ:-

أُخِذَ مَرْوَانُ بْنُ حَكَمٍ اَسِيْرًا يَوْمَ الْجَمَلِ فَاسْتَشْفَعَ الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ اِلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَكَلَّمَاهُ فِيْهِ فَخَلّٰى سَبِيْلَهُ۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۷۳ ص ۱۲۳ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:۔ جنگ جمل میں جب مروان بن حکم قید کیا گیا۔ تو امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے اس نے سفارش کی۔ کہ اپنے پدر بزرگوار سے اس کی معافی کی سفارش کیجئے۔ حسنین کریمین نے اس کی درخواست قبول فرماتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں سفارش کی۔ آپ نے سن سنا کر اسے قبول فرما لیا۔ اور مروان کو معاف کر دیا۔

ترجمہ شیعہ:۔

جنگ جمل میں جب مروان بن حکم اسیر ہوا۔ تو اس نے حسنین علیہما السلام سے استدعا کی۔ کہ اپنے پدر بزرگوار کی بارگاہ میں میری شفاعت کیجئے شاہزادوں نے اس کی درخواست کو قبول کیا۔ اور حضرت کی خدمت میں گزارش کی۔ آپ نے اسے رہا کر دیا۔ (ترجمہ نیرنگ فصاحت ص۹۳ مطبوعہ یوسفی دہلی)

مروج الذھب:۔

وَتَكَلَّمَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ فِيْ مَرْوَانَ فَأَمَّنَهُ وَ أَمَّنَ الْوَلِيْدَ بْنَ عُقْبَةَ۔

(مروج الذھب جلد دوم ص ۳۷۶ تحت وقعة الجمل کلام بین عباس وعائشہ)

ترجمہ:۔

امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما نے مروان کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سفارش کی۔ تو آپ نے مروان اور ولید بن عقبہ کو رہا کر دیا۔

اب ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر بتلائیے۔ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرم کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ معاف کریں۔ (جو ثابت بھی نہیں) تو جناب عثمان مطعون ٹھہریں۔ اور اگر اسی مجرم کی حسنین کریمین معافی کی سفارش کریں۔ اور ان کی سفارش پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو معاف کر دیں۔ تو ان حضرات (حسن وحسین، علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا کہو گے؟ جو ان حضرات کے بارے میں تمہارا جواب وہی حضرت عثمان کے بارے میں ہمارا جواب۔ کیونکہ مجرم بھی وہی اور اسی ہی کی معافی کا مسئلہ دونوں صورتوں میں موجود ہے

جواب پنجم الزامی:

حسنین کریمین کا "مروان" کے پیچھے نمازیں ادا کرنا۔

شیعہ لوگوں کی معتبر کتب میں یہ روایت موجود ہے کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے "مروان بن حکم" کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں۔

بحار الانوار:۔

عَنْ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يُصَلِّيَانِ خَلْفَ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَقَالُوْا لِاَحَدِهِمَا مَا كَانَ اَبُوْكَ يُصَلِّيْ اِذَا رَجَعَ اِلَى الْبَيْتِ فَقَالَ لَا وَاللهِ مَا كَانَ يَزِيْدُ عَلٰى صَلٰوتِهٖ۔

(کتاب بحار الانوار جلد دہم صفحہ ۱۴۱ باب احوال اہل زمانہ وما جری بینہم وبین معاویہ۔ طبع قدیم)

ترجمہ: امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنے والد بزرگوار (امام باقر رضی اللہ عنہ) سے روایت کی ہے۔ کہ امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما "مروان بن حکم" کے پیچھے اس کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے رہے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا۔ کہ آپ کے باپ دادا جب مروان کے پیچھے نماز پڑھ کر واپس گھر تشریف لاتے۔ تو کیا گھر آ کر نماز (دوبارہ) پڑھتے۔ فرمایا۔ نہیں۔ اللہ کی قسم! وہ اس نماز (جو وہ ان کی اقتداء میں پڑھتے) پر زیادتی نہ کرتے تھے۔

اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے تین ائمہ کرام نے اس بات کی تصدیق کر دی۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو خلفائے ثلاثہ کی اقتداء میں نمازیں ادا کیں۔ اور حسنین کریمین نے جو مروان بن حکم کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات نے گھر واپس آ کر ان نمازوں کو لوٹایا نہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ نمازیں ان حضرات کی صحیح تھیں۔ اور نمازوں کی صحت ان حضرات کی طرف سے اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے امام (نماز کے امام) حق اور منصب کے اہل تھے۔

تو اب میں شیعہ حضرات سے دریافت کرتا ہوں۔ کہ ایسے مجرم (مروان بن حکم) کہ جس کی معافی نہ ہو سکتی ہو۔ کے پیچھے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے جو نمازیں پڑھیں۔ (اور پھر ان نمازوں کو لوٹایا بھی نہیں) ان کے متعلق تمہارا کیا فتویٰ ہے؟ اور کیا حسنین کریمین رضی اللہ عنہما بھی تمہارے مذکورہ طعن کی زد میں آتے ہیں یا نہیں۔

شیعو! غور کرو۔ اور ہوش سے کام لو۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ذات پر اعتراض و طعن کی دھن میں ایسے بدمست ہو رہے ہو۔ کہ آئمہ اہل بیت اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت مول لے رہے ہو۔ اور یہ مخالفت ایسی ہے۔ کہ "مروان بن حکم" کو تو معافی مل گئی۔ لیکن تمہیں کون معافی دلائے گا۔

کون تمہاری سفارش کرے گا؟

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

جواب ششم الزامی:-

اسی "مروان بن حکم" نے "ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا" کی نماز جنازہ پڑھائی

کتب معتبرہ اہل تشیع میں یہ روایت بھی موجود ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹی "ام کلثوم" رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ "مروان بن حکم" نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرمان پر پڑھائی۔ ملاحظہ ہو۔

کتاب الجعفریات:-

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ لَمَّا تُوُفِّیَتْ اُمُّ کُلْثُوْمِ بِنْتُ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ خَرَجَ مَرْوَانُ ابْنُ الْحَکَمِ وَهُوَ اَمِیْرُ یَوْمَئِذٍ عَلَی الْمَدِیْنَةِ فَقَالَ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَوْلَا السُّنَّةُ مَا تَرَکْتُهُ یُصَلِّیْ عَلَیْهَا۔

(۱۔ کتاب الجعفریات ص۲۱۰ باب مَنْ اَحَقُّ بِالصَّلٰوةِ عَلَی الْمَیِّتِ۔ طبع ایران مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲۔ قرب الاسناد ص۱۰۲ جلد دوم باب من احق بالصلوٰة علی المیت۔ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا۔ تو "مروان بن حکم" جو ان دنوں مدینہ کا گورنر تھا۔ نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آگے نکلا۔

(اور اس نے نماز جنازہ پڑھائی) پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اگر طریقہ مسنونہ یہ نہ ہوتا۔ تو میں اُسے (مروان بن حکم کو) ام کلثوم کی نماز جنازہ نہ پڑھانے دیتا۔

اس ناقابل معافی مجرم "مروان بن حکم" نے جب سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی۔ تو شیعہ حضرات سے پوچھا جا سکتا ہے۔ کہ تمہارے نزدیک یہ نماز درست تھی یا نہیں! اگر یہ نماز درست نہیں تھی۔ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اس نماز کو کیوں نہ ادا فرمایا؟

اپنی کسی کتاب سے ثابت کر دکھاؤ۔ کہ امام عالی مقام نے نماز جنازہ دوبارہ پڑھی تھی۔ تو منہ مانگا انعام حاصل کرو۔ معلوم ہوا۔ کہ "مروان بن حکم" امام حسین رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں اتنا مجرم نہ تھا۔ جتنا ان شیعہ لوگوں نے اُسے سمجھ رکھا ہے۔

لہذا ثابت ہوا۔ کہ جس "مجرم" کو امام حسین رضی اللہ عنہ اپنی ہمشیرہ کی نماز جنازہ میں امام بنا سکتے ہیں۔ اس کو اگر حضرت عثمان نے اپنا کاتب (منشی) مقرر کر لیا۔ تو کونسا آسمان گر گیا؟ اور حضرت عثمان سے اتنا بڑا کونسا قصور ہو گیا جو آج تک معاف نہیں کر رہے ہو۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

باب پنجم

حضرت عائشہ صدیقہؓ پر کیے گئے شیعہ مطاعن

طعن اول

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کی آیات کی مخالفت کی

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

(پارہ نمبر ۲۲ رکوع نمبر ۴)

ترجمہ:۔ اے نبی محترم! آپ اپنی ازواج مطہرات کو اپنی بیٹیوں کو اور مومنین کی عورتوں کو فرما دیں۔ کہ وہ اپنے اوپر چادر ڈال رکھیں۔ یہ حکم اس لیے ہے۔ تاکہ وہ پہچانی نہ جا سکیں۔ کہ حرہ ہیں ایذا سے۔ بچ جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ انتہیٰ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بے پردگی کی ممانعت فرما دی۔ لیکن ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حکم کی صاف مخالفت کی اپنے گھر کو چھوڑ کر بصرہ گئیں۔ اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی۔

اسی طرح دوسری آیت کریمہ کی بھی انہوں نے صراحتہً مخالفت کی۔

"وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی۔"

ترجمہ:۔ اور اپنے گھروں میں عزت ووقار سے بیٹھی رہو۔ اور قدیم جاہلیت کا بناؤ سنگھار کرکے باہر نہ نکلو۔

(ترجمہ مقبول احمد)

اس آیت میں بھی پہلی آیت کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں عزت ووقار سے بیٹھی رہیں۔ اور جاہلیت کی رسم ورواج ترک کردیں۔ خلاصہ طعن یہ ہے۔ کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اللہ رب العزت کے احکام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی مخالفت کی۔ اور اپنے گھر سے نکل کر بصرہ پہنچیں۔ وہاں پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ لڑی۔ جس کی بنا پر ان پر یہ الزام ہے۔ کہ انہوں نے حدود شرعیہ کی پرواہ نہیں کی۔ اور ان کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول کے احکام کوئی وقعت نہ رکھتے تھے۔

جواب اول:۔

مذکورہ طعن کے ہم ایک سے زائد جواب دیں گے۔ لیکن ان جوابات سے پہلے ہم گزارش کیے دیتے ہیں کہ اگر ناظرین کرام نے نظر انصاف سے ہمارے جوابات کو پڑھا تو یقیناً ان کا ضمیر اس بات کی تصدیق کرے گا۔ کہ یہ طعن بھی شیعہ حضرات کی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حسد وبغض کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

قرآن کریم نے عورتوں کو گھروں سے مطلقاً نہیں بلکہ بے پردہ نکلنے سے روکا ہے

مذکورہ طعن کو قرآن مجید کی آیت سے ثابت کرنے میں معترض نے انتہائی جانبداری اور خیانت و تحریف سے کام لیا ہے۔ کیونکہ معترض نے اپنے طعن کو مضبوط کرنے کے لیے آیاتِ حجاب سے جو مفہوم اخذ کیا ہے وہ بالکل ان سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ وہ مفہوم فاسد ہے۔ کیونکہ آیت میں کوئی ایک جملہ موجود نہیں۔ جس کا معنی یہ ہو۔ کہ اسے نبی کی بی بیو! اپنے گھروں سے باہر مت نکلو،، بلکہ اس آیتِ حجاب کا ترجمہ جو پہلے آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کا واضح مفہوم یہی ہے۔ کہ اسے پیغمبر کی بیویو! تم جب بھی گھروں سے باہر نکلو۔ تو بے حجابانہ نہ نکلو۔ بلکہ اپنے اوپر چادر ڈال کر باپردہ ہو کر نکلو۔ اور اپنے چہرہ اور جسم کو ڈھانپ کر نکلو۔

”تفسیر منہج الصادقین،، میں ”ملا فتح اللہ کاشانی، نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اسی مفہوم کی تائید کی ہے۔

منہج الصادقین:۔

(یا ایھا النبی) اے پیغمبر برگزیدہ۔ (قل لازواجک) بگو مر زنانِ خود را۔ (و بناتک) و مر دختران خود را۔ (و نساء المومنین۔) و زنان مومنان را کہ بوقت بیروں رفتن از خانہ۔ (یدنین) نزدیک گردانند و فرو گذارند (علیھن) بر روو پہلو ہائی خود (من جلا بیبھن) چادر ہائی خود را یعنی وجوہ و ابدان را بداں بپوشند۔

ترجمہ:

اے برگزیدہ پیغمبر! اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو اور مومنوں کی عورتوں کو فرما دو۔ کہ گھر سے باہر نکلتے وقت اپنے چہروں اور پہلوؤں پر اپنی چادریں ڈال لیا کریں۔ یعنی چادروں سے اپنا جسم اور چہرہ چھپا لیا کریں "منہج الصادقین" نے آیت کے مفہوم میں یہ بیان کر دیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج و بنات اور دیگر مومنوں کی عورتوں کو مطلقاً باہر نکلنے سے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ بے پردہ اور بے حجاب نکلنے سے روکا ہے۔ گویا ازواج مطہرات سمیت تمام مسلمان عورتوں کو اس شرط پر باہر نکلنے کی اجازت ہے۔ کہ وہ اپنے چہرے۔ اور بدن کو ستر میں رکھ کر نکلیں۔

اسی طرح دوسری آیت سے جو معترض نے استدلال کیا ہے۔ وہ بھی غلط ہے کیونکہ "وقرن فی بیوتکن" میں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو ہر حالت میں گھر سے نکلنے کی ممانعت کر دی ہے۔ بلکہ آیت مذکورہ کا واضح مفہوم یہ ہے۔ کہ اپنے گھروں میں عزت و وقار سے بیٹھی رہو۔ اور جب کہیں باہر نکلنا پڑے۔ تو زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنے محاسن اور بناؤ سنگھار کر دکھانے کی خاطر باہر نہ نکلو۔ کیونکہ یہ طریقہ مسلمان عورتوں کے شایان شان نہیں۔

"ملا فتح اللہ کاشانی" نے اس کی تائید یوں کی ہے۔

"و در نزد قتادہ و مجاہد تبرج بمعنی تبختر است در مشی یعنی بخرامیدن در رفتن، مانند خرامیدن اہل جاہلیت اولیٰ"

ترجمہ: حضرت قتادہ اور مجاہد رضی اللہ عنہما نے "تبرج" کا معنی "تبختر" کیا ہے۔ (یعنی چلنے میں اپنے وجود کو دائیں بائیں حرکت دے کر مٹک مٹک

کر چلنا۔) کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں اسی طرح ٹہل ٹہل کر اور مٹک مٹک کر چلتی تھی۔

دو کاشانی،، مفسر نے اس آیت کریمہ کے مفہوم کے ضمن میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اپنے گھروں سے نکلنے کی ہر صورت ممانعت نہیں فرمائی۔ بلکہ ممانعت اس چیز کی ہے۔ کہ باہر نکلیں تو زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح چال ڈھال نہیں ہونی چاہیئے۔ اور خراماں خراماں نہ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روانگی سفر کے وقت اپنی ازواج میں قرعہ ڈالنا

جواب نمبر ۲:۔

اگر تمہارے اعتراض کو تسلیم کر لیا جائے۔ کہ قرآن پاک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حکم دیا۔ کہ آپ اپنی بیویوں کو کسی حالت میں بھی باہر نہ نکلنے دیں۔ تو اس سے لازم آئے گا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس حکم خداوندی کی مخالفت کی۔ اور معاذ اللہ آپ نے بھی قرآن کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ کیونکہ سیرت کی کتب اس بات کی شاہد ہیں۔ کہ آپ نے سفر و جہاد میں اپنی ازواج مطہرات میں سے بعض کو ساتھ رکھا۔ بلکہ یہ امر متفق علیہ ہے۔ کہ آپ جب کہیں سفر کا ارادہ فرماتے۔ تو اپنی ازواج مطہرات میں سے ساتھ جانے کے لیے ،،قرعہ،، فرماتے۔ جس کا نام نکل آتا۔ وہ ساتھ ہو جاتیں۔ اگر تمہارا اعتراض مان لیا جائے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ تو یہ لازم آئے گا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی فرمانا ناجائز ہو۔

اور پھر اس ناجائز حربے سے کسی بیوی کو ساتھ لینا دوہرا گناہ اور نافرمانی متصور ہو گی۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول وفعل ورگناہ ونافرمانی،، نہیں۔ بلکہ سراسر دین اور شریعت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں اپنی بعض ازواج کو ساتھ لیا۔ اور یہ بات بھی مسلم ہے۔ کہ آپ کے انتقال کے بعد ،، خلافت فاروقی ،، میں بھی امہات المومنین نے حج کیے اس سفر حج میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جن کا شیعہ حضرات بھی ،، احترام ،، کرتے ہیں۔ تو جیسے باہر نکلنا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قابلِ اعتراض ہوا۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھی باہر سفر حج پر جانا قابلِ اعتراض ٹھہرا۔

اس لیے ہم کہتے ہیں۔ کہ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ کو اپنے ہمراہ سفر میں لے کر اللہ کے حکم کی مخالفت کی۔ اور نہ ہی کسی ،، ام المومنین ،، نے اللہ کے احکام کو پس پشت ڈالا۔ بلکہ قرآن مجید کی حدود کی ہر طرح حفاظت کی۔ اور اللہ کی نافرمانی قطعاً نہ کی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بصرہ جانا

حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو مکہ سے بصرہ کا سفر کیا۔ یہ بھی بلا ضرورت نہ تھا۔ بلکہ مسلمانوں کی اصلاح اور امام عادل کے انصاف کی خاطر تھا۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے۔ کہ جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ سفر اپنے محارم کے ساتھ فرمایا۔ آپ کے ساتھ آپ کا بھانجا ،، ابو عبداللہ بن زبیر،، اور ان کے والد ،، حضرت زبیر ،، بھی تھے۔ لہذا جب سفر کی شرعی ضرورت بھی ہو۔ اور محرم بھی ساتھ ہو۔ تو ایسے سفر پر جانے میں لعن طعن کرنا انتہائی بے ادبی اور گستاخی بلکہ بے ایمانی ہے۔ خدا محفوظ رکھے۔

جواب نمبر ۲:۔

شیعہ روایات کے مطابق حضرت خاتون جنّت کو

در بدر پھرایا گیا۔ معاذ اللہ

ان دو جوابات سے جو ہم نے تحقیق کے ساتھ ذکر کئے۔ اگر شیعہ حضرات کی تسلی نہ ہوتی ہو۔ تو ہم ان کی کتب سے ایک اور جواب پیش کرتے ہیں۔ جو ایک طرح "الزامی جواب" بنتا ہے۔ نقل کفر کفر نہ باشد۔ شاید اُسے پڑھ کر ان کی تسلی ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت کے لیے ان کے سینہ کو کھول دے۔

احتجاج طبرسی:۔

فَقَالَ سُلَيْمَانُ فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ حَمَلَ عَلِيٌّ فَاطِمَةَ عَلٰى حِمَارٍ وَاَخَذَ بِيَدِ اِبْنَيْهِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ فَلَمْ يَدَعْ اَحَدًا مِّنْ اَهْلِ بَدْرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَلَا مِنَ الْاَنْصَارِ اِلَّا اَتٰى مَنْزِلَهٗ وَذَكَرَ حَقَّهٗ وَدَعَا اِلٰى نُصْرَتِهٖ فَمَا اسْتَجَابَ لَهٗ مِنْ جَمِيْعِهِمْ اِلَّا اَرْبَعَةٌ وَّ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا فَاَمَرَهُمْ اَنْ يُّصْبِحُوْا بُكْرَةً مُّحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَهُمْ مَعَهُمْ سِلَاحُهُمْ وَقَدْ بَايَعُوْهُ عَلَى الْمَوْتِ فَاَصْبَحَ وَلَمْ يُوَافِقْهُ مِنْهُمْ

اَحَدٌ غَیْرَ اَرْبَعَۃٍ قُلْتُ لِسُلَیْمَانَ مَنِ الْاَرْبَعَۃُ؟ قَالَ اَنَا وَاَبُوْذَرٍّ وَ الْمِقْدَادُ وَالزُّبَیْرُ بْنُ الْعَوَّامِ ثُمَّ اَتَاھُمْ مِنَ اللَّیْلَۃِ الثَّانِیَۃِ فَنَاشَدَھُمُ اللّٰہَ فَقَالُوْا نُصْبِحُكَ بُكْرَۃً فَمَا مِنْھُمْ اَحَدٌ وَّفٰی غَیْرُنَا ثُمَّ اللَّیْلَۃِ الثَّالِثَۃِ فَمَا وَفٰی اَحَدٌ غَیْرُنَا۔

(۱۔ احتجاج طبرسی جلد اول ص۱۰۷ مطبوعہ قم خیابان طبع جدید)

(۲۔ ناسخ التواریخ تاریخ خلفاء جلد اول ص۵۹/ص۸۰ (طبع ایران)

(۳۔ بیت الاحزان ص۸۷ (قمی) طبع قدیم فی ما رواہ سلیم بن قیس الھلالی عن سلیمان)

(۴۔ انوار نعمانیہ جلد اول ص۱۰۶ تذکرہ نور مرتضوی)۔ (طبع) ص۳۴ طبع قدیم۔)

(۵۔ کتاب سلیم بن قیس الھلالی ص۸۲ (طبع جدید بیروت)

ترجمہ:۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب رات ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ کو گدھے پر سوار کیا۔ اور حسنین کریمین کے ہاتھ پکڑے۔ اور اہل بدر میں سے مہاجرو انصار میں سے ایک ایک کے گھر جا کر اپنا "حق خلافت،، بتلایا۔ اور اس سلسلہ میں امداد کی درخواست کی۔ ان میں سے صرف چوالیس مردوں نے مدد کی حامی بھری۔ آپ نے انہیں فرمایا۔ صبح سروں کو منڈوا کر مسلح ہو کر آجانا۔ لیکن صبح ان میں سے صرف

چار نے موافقت کی۔ حالانکہ سب نے مرنے مارنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی۔ میں نے سلمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ وہ چار کون تھے؟ کہا۔ میں، ابوذر، مقداد اور زبیر بن عوام۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ دوسری رات پھر ان کے گھروں کو تشریف لے گئے۔ انہوں نے اب قسمیہ کہا۔ کہ صبح ضرور آئیں گے۔ لیکن صبح کے وقت پھر وہی چار ہی آئے۔ اسی طرح تیسری رات بھی ہوا۔ لیکن ہم چاروں کے علاوہ کسی نے وعدہ وفا نہ کیا۔

تھذیب المتین :-

منقول ہے۔ کہ جس روز ابوبکر کے ساتھ بیعت ہوئی۔ اسی رات کو آنحضرت نے جناب فاطمہ کو پشتِ حمار پر سوار کیا۔ اور حسن وحسین اپنے دو نور چشموں کو ہمراہ لیا۔ اور جملہ مہاجر و انصار شرکاء بدر کے گھروں پر جا کر اپنی نصرت و حمایت کی طرف ان کو دعوت دی۔ اور حدیث غدیر کو یاد دلایا۔ یعنی اتمام حجت بااکمل وجوہ فرمایا۔ کل چوالیس اشخاص نے حضرت کی دعوت قبول کی۔ آپ نے اُن کو امر کیا۔ کہ کل صبح سر منڈوا کر اور ہتھیار لگا کر ہمارے پاس آئیں۔ اور سر جان کی شرط پر بیعت بجا لائیں۔ مگر خوف و ہراس نے اُن پر غلبہ کیا۔ اور اپنے عہد پر قائم نہ رہے۔ چنانچہ دن ہوا۔ تو سوائے چار اشخاص سلمان فارسیؓ ابوذر غفاریؓ، مقداد اسودؓ، عمار یاسر د بروایت زبیر بن عوام کے کوئی نہ آیا۔ آپ نے دوسرے اور پھر تیسرے روز ایسا ہی کیا۔ رات کو وعدہ کرتے تھے۔ مگر صبح کو کوئی، اسے وفا نہ کرتا تھا۔ الا وہی چار اشخاص۔ حضرت ابو عبداللہ جعفر صادق کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام خلقت مرتد ہو گئی تھی۔ الا تین اشخاص سلمان ابوذر، مقداد۔

(تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین ص ۲۶۷ جلد اول مطبوعہ یوسفی دہلی)

لمحۂ فکریہ:۔

سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو روایات ہم نے شیعہ کتب سے نقل کی ہیں۔یہ روایات ان حضرات کے نزدیک مشہور بلکہ درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔جس سے یہ ثابت ہوا۔کہ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کو گدھے پر سوار کر کے تمام مہاجرین اور انصار کے دروازے پر پھرایا گیا۔اور یہ سب کچھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بقولِ شیعہ صرف اپنے مفاد کے لیے کیا۔کہ خلافت کا حق میرا بنتا ہے۔اور تم جانتے ہو۔کہ، ''مقام غدیر'' پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت بھی فرمائی تھی۔ایک طرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا گھر سے باہر نکلنا اور دوسری طرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے پر ان کے قصاص کے لیے سفر کرنا۔دونوں میں بہت فرق ہے۔

۱۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سفر محض اپنے خاوند کے حق کی خاطر تھا۔جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سفر پوری امت کے مفاد کے لیے تھا۔

۲۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گدھے کی پشت پر بٹھا کر مہاجرین و انصار کے دروازوں پر پھرانا ایک طرف اور دوسری طرف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا گھر سے نکل کر خیمہ میں تشریف لے جانا۔

ان دونوں امتیازات کو پیش نظر رکھیے۔اور بتلائیے۔کہ ان دونوں میں سے کس کا نکلنا درست اور کس کا غلط تھا۔سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تمہارے بڑے یہ گستاخی کریں۔کہ انہیں گدھے کی پشت پر بٹھا کر در بدر خلافت کے لیے بھیک مانگتا ظاہر کریں۔اور پھر سیدہ کے ''محب اور وفادار'' اپنے بڑوں کی گستاخی کو چوم کر آنکھوں سے لگائیں۔اور ان کی عبارت کو عین ایمان قرار دیں۔کیا یہ عقل و ایمان کا ماتم نہیں ہے؟۔

اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا در بدر پھرنا (جو صرف تمہاری کتابیں تبلاتی ہیں۔) آیت حجاب اور "وقرن فی بیوتکن"، کی مخالفت نہیں۔ بلکہ اس پر عمل ہے۔ تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا امت کی اصلاح اور حدود شرعیہ کے تحفظ کی خاطر عازم بصرہ، ہونا کیونکر احکام پردہ کے خلاف ہوا؟

شیعو! غور کرو۔ اور خوب سوچو! سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر طعن کرنا تو تم نے شیوہ بنا لیا۔ لیکن وہی طعن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر کرنا تم بے ایمانی سمجھتے ہو۔ کیا تمہارا نقطۂ نظر ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ ہے؟ ماننا پڑے گا۔ کہ جس طرح سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا احکام قرآنی سے روگرداں نہیں ہیں۔ اسی طرح سیدہ عائشہ بھی قرآن کے احکام کی پابند ہیں دونوں مقدس ہیں۔ اور امت کی پیشوا ہیں۔ (رضی اللہ عنہما)

طعن دوم

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خلیفہ برحق سے بغاوت کی

ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کے اُن احکامات کی صریح مخالفت کی۔ جن میں عورت کو پردے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ مکہ مکرمہ سے بصرہ گئیں اور وہ بھی غیر محرم لوگوں کے ساتھ اور پھر وہاں لوگوں کو اکٹھا کرکے حضرت علی المرتضیٰ سے جنگ لڑی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ پردہ کے احکام کی پابند بھی نہ تھیں۔ اور انہیں حضرت علی المرتضیٰ سے ذاتی عناد تھا۔ ورنہ یہ سب کچھ نہ ہوتا۔

جواب:

شریعتِ مطہرہ میں عورت کو گھر سے نکلنا مطلقاً منع نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُسے حکم یہ ہے۔ کہ بلا پردہ وہ گھر سے باہر نہ نکلے۔ ضروریات زندگی اور شرعی کے لیے باپردہ ہوکر عورت کے لیے باہر نکلنا جائز ہے۔ اور احکامِ قرآنیہ کے خلاف نہیں۔ جیسا کہ خاتونِ جنّت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے جب غزوۂ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کی مرہم پٹی وغیرہ کی۔ جب عورت اپنی ذاتی ضروریات کی خاطر گھر سے نکل سکتی ہے اور شرعًا اس پر کوئی قدغن نہیں۔ تو اُمت کی مجموعی ضروریات کی خاطر نکلنا کب ناجائز ٹھہرے گا۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا گھر سے نکلنا بھی اسی دوسری نوعیت کا تھا۔ کیونکہ آپ کا عازمِ بصرہ ہونا دو وجوہ کی بنا پر تھا۔ ایک وجہ یہ کہ حضرت عثمان کا خون ضائع نہ جائے۔ دوسری وجہ یہ کہ اُمت کا فتنہ ختم ہوجائے۔ ان دو وجوہات میں سے کوئی بھی ایسی وجہ نہیں۔ کہ جس کے ارتکاب سے دائرہ اسلام سے خارج ہونا واقع

ہو جائے یہی وجہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو کبھی کافرہ وغیرہ نہیں کہا۔ بلکہ ان کی عزت کی۔ ان کا احترام کیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ کہ مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو مجھ سے کوئی ذاتی عناد نہیں۔ صرف اجتہادی غلطی تھی۔ ان کی نیت بالکل صاف اور وہ خود مخلص تھیں۔ جس کی تفصیل آپ اگلے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا باہم حسن سلوک از کتب شیعہ

مروج الذہب :۔

وَخَرَجَتْ عَائِشَةُ مِنَ الْبَصْرَةِ وَقَدْ بَعَثَ مَعَهَا عَلِيٌّ اَخَاهَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ وَثَلَاثِيْنَ رَجُلًا وَعِشْرِيْنَ اِمْرَاَةً مِنْ ذَوَاتِ الدِّيْنِ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ وَهَمْدَانَ وَغَيْرِهِمَا اَلْبَسَهُنَّ الْعَمَائِمَ وَقَلَّدَهُنَّ السُّيُوْفَ وَقَالَ لَهُنَّ لَا تُعْلِمْنَ عَائِشَةَ اَنَّكُنَّ نِسْوَةٌ وَتَلَثَّمْنَ كَاَنَّكُنَّ رِجَالٌ وَكُنَّ اللَّاتِيْ تَلِيْنَ خِدْمَتَهَا وَحَمْلَهَا فَلَمَّا اَتَتِ الْمَدِيْنَةَ قِيْلَ لَهَا كَيْفَ رَاَيْتِ مَسِيْرَكِ قَالَتْ كُنْتُ بِخَيْرٍ وَاللّٰهِ لَقَدْ اَعْطٰى عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ فَاَكْثَرَ وَلٰكِنَّهٗ بَعَثَ مَعِيَ رِجَالًا اَنْكَرْتُهُمْ فَعَرَّفَهَا النِّسْوَةُ اَمْرَهُنَّ فَسَجَدَتْ وَقَالَتْ مَا ازْدَدْتَ وَاللّٰهِ يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ اِلَّا كَرَمًا

وَوَدِدْتُ اَنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ وَاِنْ اَصَابَتْنِیْ كَيْتَ وَكَيْتَ مِنْ اُمُوْرٍ ذَكَرَتْهَا شَاقَّةً وَاِنَّمَا قِيْلَ لِیْ تَخْرُجِيْنَ فَتُصْلِحِيْنَ بَيْنَ النَّاسِ فَكَانَ مَا كَانَ۔

(مروج الذہب للمسعودی جلد دوم ص ۳۷۰ خروج عائشہ من البصرۃ۔ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔ جنگ جمل کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ حضرت علی نے ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر، تیس مرد اور بیس دیندار عورتیں مدینہ کی طرف بھیجیں۔ وہ عورتیں عبدالقیس اور ہمدان کے قبائل سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان میں عورتوں کو حضرت علی کی ہدایت پر پگڑیاں باندھی گئیں۔ اور تلواروں سے مسلح کی گئیں۔ حضرت علی المرتضیٰ نے انہیں تاکید کی تھی۔ کہ اپنا عورت ہونا، حضرت عائشہ پر قطعاً ظاہر نہ کرنا۔ اور مردوں کی طرح منہ پر کپڑا لپیٹے رکھنا۔ اور سیدہ رضی اللہ عنہا کی حتی المقدور خدمت کرنا۔ اور انہیں سواری پر اتارنے بٹھلانے کی خدمات سرانجام دینا۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ تشریف لائیں۔ تو آپ سے پوچھا گیا۔ آپ کا سفر کیسے گزرا؟ فرمایا۔ بخیر و عافیت۔ خدا کی قسم ابوطالب کے بیٹے نے بہت کچھ دیا۔ لیکن ایک بات انہوں کی۔ وہ یہ کہ میرے ساتھ نا واقف مردوں کو بھیجا۔ اس پر ان عورتوں نے اپنی شناخت کروائی۔ تو یہ دیکھ کر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سجدۂ شکر بجالائیں۔ اور فرمانے لگیں۔ خدا کی قسم! ابوطالب کے بیٹے نے میری انتہائی عزت کی ہے۔ میں تو چاہتی تھی۔ کہ مکہ سے بصرہ کی طرف نہ جاؤں۔ اگرچہ مجھے فلاں فلاں مصائب کیوں نہ برداشت کرنے

پڑیں۔ ان مصائب میں کچھ شدید مصائب کا آپ نے ذکر بھی فرمایا لیکن مجھے یہ کہہ کر نکلنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ آپ کے نکلنے سے لوگوں کے درمیان صلح و آشتی ہو جائے گی۔ پھر میں چل پڑی۔ اور ہوا جو ہوا۔

روضۃ الصفاء:

آنحضرت فرمود کہ محمد بن ابی بکر در آں سفر مرافقت کند۔ وجمعی از عورات بصرہ را گفت۔ کہ ملبس بلباس مرداں گشتہ مرداں را بخدمت صدیقہ قیام نمایند و خود بنفس نفیس بقولی سہ میل راہ عائشہ را مشایعت فرمود ببصرہ بازگشت وچوں آں نسواں مرنزول وارتحال بمددگاری مینمودند عائشہ ازیں معنی ملول و دل تنگ شدہ می گفت کہ علی حرمت رسول اللہ را نگاہ داشتہ و مرا بملازمت ایں طائفہ مبتلا و محتاج ساخت وچوں در مدینہ بلباس اصل خود درآمدند صدیقہ از امیر المومنین علی راضی و زبان بحمدت و ثناشاہ مرداں و شیر یزداں بکشاد۔

(تاریخ روضۃ الصفاء جلد دوم ص ۴۸۸-۴۸۹
ذکر خلافت امیر المومنین علیہ السلام۔ مطبوعہ
نولکشور طبع قدیم)

ترجمہ:

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ محمد بن ابی بکر اس سفر کے دوران حضرت عائشہ کے ساتھ جائیں گے۔ اور بصرہ کی عورتوں کی ایک جماعت کو آپ نے حکم دیا۔ کہ مردانہ لباس پہن کر تمام راستہ میں تم نے صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت سرانجام دینی ہے۔ اور خود بنفس نفیس ایک قول

کے مطابق حضرت علی تین میل تک حضرت عائشہ کو رخصت کر کے واپس بصرہ مڑ گئے۔ راستہ میں جب وہ مردانہ لباس میں ملبوس عورتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سواری پر بٹھانے اور اتر نے میں مدد کرتیں۔ تو حضرت عائشہ اس سے کچھ پریشان اور دل تنگ ہوتیں۔ اور کہتیں۔ کہ حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اور عزت کا خیال تو رکھا۔ لیکن مجھے اس مردانہ گروہ کا محتاج بنا کر، مصیبت میں ڈال دیا۔ جب مدینہ منورہ پہنچ کر وہ عورتیں اپنے اصلی لباس میں آئیں۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئیں۔ اس عظیم مرد اور اللہ کے شیر کی تعریف بیان فرمائی۔

کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ :۔

وَنَدِمَتْ عَائِشَةُ عَلٰى مَا وَقَعَ مِنْهَا وَ كَانَتْ لَا تَذْكُرُ يَوْمَ الْجَمَلِ اِلَّا اَظْهَرَتْ اَسَفًا وَاَبْدَتْ نَدِمًا وَبَكَتْ . وَنُقِلَتْ مِنْ رَبِيعِ الْاَبْرَارِ لِلزَّمَخْشَرِيِّ قَالَ جَمِيعُ بْنُ عُمَيْرٍ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ مَنْ كَانَ اَحَبَّ النَّاسِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَاطِمَةُ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهَا قُلْتُ لَهَا اِنَّمَا اَسْئَلُكِ عَنِ الرِّجَالِ قَالَتْ زَوْجُهَا وَمَا يَمْنَعُهُ فَوَاللّٰهِ اِنَّهُ كَانَ لَصَوَّامًا قَوَّامًا وَلَقَدْ سَالَتْ نَفْسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَدِهٖ فَرَدَّهَا اِلٰى فِيْهِ قُلْتُ فَمَا حَمَلَكِ عَلٰى مَا كَانَ فَاَرْسَلَتْ خِمَارَهَا عَلٰى وَجْهِهَا وَبَكَتْ وَقَالَتْ

اَمْرٌ قُضِیَ عَلَیَّ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول ص۲۴۴ فی شبی عنبہ۔ طبع جدید)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جنگ جمل کے واقعہ پر ندامت کرتی تھیں۔ اور یوم الجمل کا جب بھی ذکر کرتیں۔ تو ندامت اور افسوس کا اظہار کرتیں۔ اور رو پڑتیں۔ زمخشری سے منقول ہے کہ جمیع بن عمیر نے کہا۔ میں حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس حاضر ہوا۔ اور پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا۔ فرمانے لگیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ میں نے پھر پوچھا۔ میرا سوال مردوں کے بارے میں ہے۔ فرمایا۔ ان کے خاوند۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) ان کے محبوب ہونے میں کیا روکاوٹ ہے۔ وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والے اور رات کو کھڑے ہو کر یادِ خدا کرنے والے تھے۔ اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون مبارک ان کے ہاتھ پر گرا۔ تو انہوں نے اُسے اپنے مُنہ میں ڈال لیا۔ جمیع بن عمیر کہتا ہے۔ پھر میں نے مائی صاحبہ سے پوچھا۔ اگر ان کی فضیلت آپ ایسی بیان کرتی ہیں۔ تو پھر ان کے ساتھ مقابلہ کی کیوں سُوجھی۔ یہ سُن کر حضرت صدیقہ نے اپنی اوڑھنی منہ پر ڈال لی۔ اور رو کر کہا۔ اللہ کی تقدیر میرے بارے میں ایسی ہی لکھی گئی تھی۔

ابن شہر آشوب:۔

قَالَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اَفَتَسُبُّوْنَ اُمَّکُمْ عَائِشَۃَ ثُمَّ تَسْتَحِلُّوْنَ مِنْهَا مَا یَسْتَحِلُّ مِنْ غَیْرِهَا

فَلَئِنْ فَعَلْتُمْ لَقَدْ كَفَرْتُمْ وَهِيَ أُمُّكُمْ وَإِنْ قُلْتُمْ لَيْسَتْ بِأُمِّنَا فَقَدْ كَذَّبْتُمْ لِقَوْلِهِ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُكُمْ۔

(مناقب آل ابی طالب لابن شہر آشوب جلد ۲

ص۱۴۲ مطبوعہ ایران طبع قدیم)

ترجمہ:۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کیا تم اپنی ماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو قید کرنا چاہتے ہو۔ یا گالی دیتے ہو۔ پھر تم حلال سمجھتے ہو ان کے بارے میں جو تم دیگر عورتوں کے بارے حلال سمجھتے ہو۔ اگر تم نے ایسا کیا۔ تو تم یقیناً کافر ہو گئے۔ کیونکہ وہ تمہاری ماں ہیں۔ اور اگر تم یہ کہتے ہو۔ کہ وہ تمہاری ماں نہیں ہیں۔ تو پھر تم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو جھٹلایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں"

تاریخ یعقوبی:۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ستر عورتوں کی معیت میں جو کہ قبیلہ عبدالقیس سے تھیں۔ اور مردانہ لباس میں ملبوس تھیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو روانہ کیا۔

(تاریخ یعقوبی جلد دوم ص۱۸۳ مطبوعہ بیروت

طبع جدید)

مروج الذہب، روضۃ الصفا، کشف الغمہ، ابن شہر آشوب اور تاریخ یعقوبی سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے

شایان شانِ عزت وتکریم کی۔ کہ ستّر عورتوں کی معیت میں بصرہ سے کوفہ روانہ کیا۔ اور خود بھی تین میل تک الوداع کہنے بصرہ سے باہر تشریف لائے جس سے معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی کے نزدیک سیدہ عائشہ کی حیثیت ایک عام عورت کی سی نہ تھی۔

۲۔ ادھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حد درجہ احترام کرتی تھیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین سمجھتی تھیں۔ حضرت علی المرتضیٰ کے فضائل واحسانات کی شکر گذار تھیں۔ اس کا اظہار سجدۂ شکر سے ادا کرتی تھیں۔

۳۔ جنگ جمل میں آپ کی شمولیت ایک اجتہادی خطار کی بنا پر تھی۔ آپ نے خود فرمایا۔ کہ میں تو کسی صورت بھی اس جنگ میں شامل نہ ہوتی۔ لیکن لوگوں کے اس کہنے کی بنا پر کہ آپ کے تشریف لانے سے امت انتشار سے بچ جائے گی اور عظیم فتنہ دب جائے گا۔ میں نے شمولیت کی۔ لیکن پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور ندامت کرتی رہیں حتیٰ کہ واقعہ جنگ جمل کو یاد کر کے آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے۔

۴۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک کافر ہے۔ کیونکہ آپ، سیدہ عائشہ کو ام المومنین سمجھتے تھے۔ اور فرمایا۔ جو انہیں، اُمّ المومنین نہیں مانتا۔ وہ قرآن کا جھٹلانے والا ہے۔

الحاصل:۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مابین ہونے والی جنگ ان کے باہمی ذاتی عناد کی بنا پر تھی۔ ان کا یہ خیال لغو اور بے ہودہ ہے۔ اسی باطل خیال کے پیش نظر یہ لوگ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی

ذات پر لعن طعن کرتے ہیں۔ اور معاذ اللہ تبرا بازی سے بھی نہیں چوکتے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں۔ کہ جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔ وہ مذکورہ حوالہ جات کے بعد پختہ عہد کرے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے پچھلے گناہوں کی معافی دے۔ میں آئندہ ہرگز مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں زبان درازی نہیں کروں گا۔ کیونکہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تبرا بازی اور زبان درازی کرنے والا حضرت علی المرتضیٰ کے نزدیک کافر ہے لہٰذا شیعو! ہوش کے ناخن لو۔ اور جن کے محب کہلاتے ہو۔ ان کے قول کے مطابق اپنے آپ کو کافر بنانے سے بچو۔ جس کا طریقہ یہی ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو وہی مقام و مرتبہ دو۔ جو حضرت علی نے دیا تھا۔

جنگِ جمل کے مقتولین کے متعلق حضرت علی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اظہار خیال از کتب شیعہ

مروج الذہب :۔

وَ وَقَفَ عَلِیٌّ عَلٰی عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَتَّابِ بْنِ اُسَیْدِ ابْنِ اَبِی الْعَیْصِ بْنِ اُمَیَّةَ وَ هُوَ قَتِیْلٌ یَوْمَ الْجَمَلِ فَقَالَ لَهْفِیْ عَلَیْكَ یَعْسُوْبَ قُرَیْشٍ قَتَلْتَ الْغَطَارِیْفَ مِنْ بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ شَفَیْتُ نَفْسِیْ وَجَدَعْتُ اَنْفِیْ فَقَالَ لَهُ الْاَشْتَرُ مَا اَشَدَّ جَزَعَكَ عَلَیْهِمْ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَقَدْ اَرَادُوْا بِكَ مَا نَزَلَ بِهِمْ فَقَالَ اِنَّهٗ قَامَتْ عَنِّیْ وَعَنْهُمْ نِسْوَةٌ لَمْ یَقُمْنَ عَنْكَ وَقَدْ كَانَ قَتَلَهٗ فِیْ ذٰلِكَ الْیَوْمِ الْاَشْتَرُ النَّخْعِیُّ

(مروج الذہب للمسعودی جلد دوم ص۳۷۱ ذکر موقعۃ الجمل
مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔ (جنگ جمل کے اختتام کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اس جنگ میں کام آنے والے مسلمانوں پر سے گذرے) تو عبدالرحمٰن بن عتاب بن اسید بن ابی العیص بن امیہ کے لاشہ پر کھڑے ہوئے۔ جمل کے دن انہیں مارا گیا تھا۔ فرمایا۔ اے قریشی سردار! مجھے تیرے مرنے کا بہت افسوس ہے۔ تو نے بنی عبد مناف کے بڑے بڑے ناموروں کو قتل کیا۔ میرا دل چھلنی کر دیا۔ میری ناک کاٹ دی۔ تو اشتر نخعی نے کہا۔ آپ ان پر کتنا افسوس فرما رہے ہیں حالانکہ جو کچھ ہوا انہیں کی وجہ سے ہوا۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشتر سے کہا آج کے دن میرے قبیلہ اور ان کے قبیلہ کی عورتیں روئیں گی۔ تجھے کوئی نہ روئے گی۔ یہ اشتر ہی تھا جس نے عبدالرحمٰن بن عتاب مذکور کو جنگ جمل میں قتل کیا تھا۔

قرب الاسناد:۔

عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ عَلِیًّا عَلَیْهِ السَّلَامُ کَانَ یَقُوْلُ لِاَهْلِ حَرْبِهٖ اِنَّا لَمْ نُقَاتِلْهُمْ عَلَی التَّکْفِیْرِ لَهُمْ وَلَمْ نُقَاتِلْهُمْ عَلَی التَّکْفِیْرِ لَنَا وَلٰکِنَّا رَاَیْنَا اَنَّا عَلَی الْحَقِّ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ عَلٰی حَقٍّ۔

(قرب الاسناد جلد اول ص۴۵ مطبوعہ تہران
طبع جدید)

ترجمہ:۔ امام جعفر صادق اپنے والد امام باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل کے شرکاء کے بارے میں فرمایا کرتے

تھے۔ کہ ہم نے انہیں از روئے کفر نہ مارا۔ اور نہ ہی انہوں نے بوجہ کفر ہمارا مقابلہ کیا۔ لیکن بات یہ تھی۔ کہ ہم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔ اور وہ اپنے آپ کو حق پر جانتے تھے۔

قرب الاسناد :-

عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكُنْ يَنْسِبُ اَحَدًا مِنْ اَهْلِ حَرْبِهٖ اِلَى الشِّرْكِ وَلَا اِلَى النِّفَاقِ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ هُمْ اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَيْنَا ۔

(قرب الاسناد فی روایات جعفر جلد اول ص۴۵ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:- حضرت امام جعفر صادق اپنے والد حضرت امام باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں شریک کسی کو بھی شرک اور نفاق کی طرف منسوب نہ کرتے تھے (یعنی کسی کو مشرک یا منافق نہ سمجھتے تھے) بلکہ آپ فرماتے تھے۔ ہمارے بھائیوں نے ہی ہمارے خلاف بغاوت کردی تھی۔

روضۃ الصفاء :-

درروزے کہ آں واقعہ روئے نمود خلقی کثیر بقتل آمدند۔ عائشہ از وی پرسید کہ طلحہ کجا است۔ جواب داد کہ مقتول گشت باز پرسید کہ حال زبیر چوں است۔ گفت دراول نہار از لشکر گاہ بیروں رفت۔ و در آخر روز خبر قتل او شیوع یافت۔ و دیگرے از اصحاب را پرسید۔ جواب

شنید۔ کہ او نیز با یاران ملحق گردید صدیقہ گفت خدائی تعالیٰ بر ایشاں رحمت کند۔ خالد گفت از یاراں و ہواداراں علی زید بن صوحان نیز کشتہ گشت۔ عائشہ گفت او نیز از جملہ مرحومان است۔ خالد پرسید کہ آیا خدائی تقدس و تعالیٰ ایں دو طائفہ را کہ خلاف یکدیگر ورزیدہ و شمشیر بروی ہم کشیدہ اند دریک مکان جمع کند عائشہ فرمود کہ رحمت باری سبحانہ و تعالیٰ از ہرچہ دربیان آید وسیع تر است۔ و ہیچکس را در افعال او مجال چون و چرا نیست۔

(روضۃ الصفاء جلد دوم ذکر خلافت امیر المومنین
صفحہ ۴۸۹۔ مطبوعہ نولکشور طبع قدیم)

ترجمہ:۔ (خالد ابن واشمہ، حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک علم و فضل کی وجہ سے منفرد و ممتاز مقام رکھتا تھا۔) اس دن کہ جب جنگ جمل ہوئی۔ خالد، مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا۔ بہت سے لوگ مارے جا چکے تھے۔ سیدہ صدیقہ نے خالد سے پوچھا۔ طلحہؓ کہاں ہیں؟ جواب دیا۔ قتل ہو گئے۔ پھر پوچھا۔ زبیر کا حال کیسا ہے؟ کہا۔ جنگ کے شروع میں لشکر گاہ سے وہ آ گئے۔ اور دن ڈھلے ان کے قتل کی خبر پھیل گئی۔ بعض اور ساتھیوں کے بارے میں پوچھا۔ تو کہا۔ وہ بھی اپنے دوستوں سے مل چکے ہیں۔ (یعنی قتل ہو چکے ہیں) سیدہ صدیقہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرے۔ خالد نے پوچھا۔ حضرت علی کے نام لیواؤں اور خیر خواہوں میں سے زید بن صوحان بھی قتل ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ وہ بھی اللہ کی رحمت میں ہے۔ خالد نے پوچھا۔ کہ کیا اللہ تعالیٰ ان دونوں لشکروں کو جنہوں نے ایک دوسرے کے خلاف

تلواریں چلائیں۔ایک ہی جگہ اکٹھا کرے گا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔ اور کسی شخص کو اس (اللہ) کے افعال میں چون وچرا کرنے کی مجال نہیں ہے۔

مروج الذہب، قرب الاسناد اور روضۃ الصفاء سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدِ مقابل کے شہداء کے بارے میں فرمایا کہ مجھے ان کی شہادت پر بہت افسوس ہے۔ یہاں تک کہ اپنے خاص سپہ سالاروں سے فرمایا۔ کہ "میں نے اپنی ناک خود کاٹ لی ہے" کیونکہ جو لوگ قتل ہو گئے۔ وہ نہ تو میرے دشمن تھے۔ اور نہ ہی ہم میں بیگانگی تھی۔ لہٰذا ان کا قتل ہو جانا گویا اپنا ہی نقصان ہوا ہے۔

۲۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بالکل واضح الفاظ میں فرمایا۔ کہ جنگ جمل میں میرے مدِ مقابل نہ تو کافر و مشرک تھے۔ اور نہ ہی منافق۔ ہماری لڑائی ان وجوہات کی بنا پر نہیں ہوئی۔ بلکہ ہم میں سے ہر ایک اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر لڑ رہا تھا۔ یعنی میں اور میرے ساتھی یہ سمجھتے تھے۔ کہ میری خلافت برحق ہے اور اس کی مخالفت، بغاوت کے مترادف ہے۔ اور میرے مدِ مقابل اس نظریہ پر لڑے تھے۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص نہ لینے والے اسلام کے خیر خواہ نہیں۔

۳۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خالد ابن واشمہ کے استفسار میں فرمایا۔ کہ جنگ جمل میں دونوں طرف کے کام آنے والے مسلمان شہید ہیں۔ اور وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہیں۔

الحاصل :-

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ارشادات مقتولین جنگ جمل کے بارے میں آپ نے پڑھے۔ ان سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان دونوں حضرات کو مقتولین جمل کا گہرا صدمہ ہوا۔ اور حسن اعتقاد کی یہ نشانی تھی۔ کہ اس جنگ میں دونوں طرف سے کام آنے والے مسلمانوں کو یہ دونوں حضرات اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق اور جنتی قرار دیتے ہیں۔ بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تو بات ہی صاف کر دی فرمایا۔ ان مقتولین میں سے کوئی کافر، مشرک یا منافق نہ تھا۔ وہ تو میرے اپنے ہی تھے ان کی موت سے میرا اپنا نقصان ہوا۔ گویا میں نے اپنی ناک کاٹ لی۔ ان واضح ارشادات کے بعد بھی اگر کوئی بدذات جنگ جمل میں دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کو یا سب کو کافر یا منافق کہے۔ تو قارئین کرام! آپ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کہ اس کا قول اور حضرت علی المرتضیٰ کا واضح ارشاد ان دونوں میں سے کونسا قابل قبول ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ یقیناً سچے ہیں۔ لہٰذا ان کی بات ہی قابل قبول ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مقتولین جمل کا انتہائی صدمہ ہوا۔ جو آپ کی زندگی کے آخری لمحات تک بھی نہ گیا۔ شیعہ مصنف حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس افسوس کو یوں نقل کرتا ہے۔

قَالَتْ وَاللّٰهِ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا الْيَوْمِ بِعِشْرِيْنَ سَنَةً۔ وَخَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا فَاَتٰى عَلِيًّا فَقَالَ لَهٗ عَلِيٌّ وَاللّٰهِ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ مِتُّ مِنْ قَبْلِ الْيَوْمِ بِعِشْرِيْنَ سَنَةً۔

(کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۵۴ ذکر مسیر علی الی البصرۃ۔

مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔ (قعقاع ابن عمر جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا۔ تو دوران گفتگو آپ نے ازراہ افسوس فرمایا) کہ ۔خدا کی قسم! میں اگر اس دن (جنگ جمل کے دن) سے بیس سال پہلے دُنیا سے رخصت ہو چکی ہوتی (تو بہت اچھا تھا۔ تاکہ میں یہ واقعہ نہ دیکھ پاتی) پھر قعقاع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ تو اسی موضوع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُسے فرمایا۔ میں تمنا کرتا تھا کہ اس دن کے آنے سے بیس برس پہلے مجھے موت آجاتی۔ (تو بہت اچھا ہوتا)

کامل ابن اثیر میں اسی مقام پر یہاں تک مذکور ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کسی مقتول کے پاس کھڑے ہوتے۔ تو بڑے دُکھ درد کا اظہار فرماتے۔ حتیٰ کہ جب آپ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی میت پر تشریف لائے۔ تو ازراہِ افسوس "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ اور حلفیہ فرمایا۔ اے ابومحمد! تمھارا ارادہ ہمارے ساتھ لڑنے کا نہ تھا۔ (یعنی قاتلانِ عثمان کے مکرو فریب نے ہمارے درمیان جنگ کروادی۔ ورنہ ہماری کوئی ذاتی دُشمنی نہ تھی)۔

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بصری اور کوفی مقتولین کو جمع کروایا۔ اپنے اور مخالف فریق دونوں کے مقتولین کی آپ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وَصَلّٰی عَلٰی قَتْلٰی اَهْلِ الْبَصْرَةِ وَالْكُوْفَةِ وَ صَلّٰی عَلٰی قُرَيْشٍ مِّنْ هٰؤُلَاۗءِ وَ هٰؤُلَاۗءِ۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بصری اور کوفی مقتولین کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اِدھر اُدھر دونوں طرف کے قریشی مقتولین کی بھی آپ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے۔ کہ نماز جنازہ دراصل میت کے لیے اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت ہوتی ہے۔ اب ہم اہل تشیع

سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ نماز جنازہ میں اقتداء کرنے والوں کی ان مرنے والوں کے بارے میں استغفار قبول ہوئی۔ یا رد کر دی گئی؟ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تم مستجاب الدعوات سمجھتے ہو یا کہ نہیں؟ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعاء کو تم اللہ کی بارگاہ میں مقبول و منظور سمجھتے ہو۔ تو تمہیں اس مقام پر دو باتیں لازماً ماننا پڑیں گی۔ اول یہ کہ حضرت علی نے جن کی نماز جنازہ پڑھائی۔ وہ کافر نہ تھے۔ مشرک نہ تھے۔ منافق نہ تھے۔ (جیسا کہ خود حضرت علی نے ان کے بارے میں فرما دیا ہے۔) دوسری یہ کہ اگر ان کے چھوٹے موٹے گناہ تھے بھی تو وہ ان حضرات کی دعا کے صدقہ معاف ہو گئے۔ اور وہ پکے مومن ہونے کے ساتھ مغفور بھی ہوئے۔

شہادتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ملوّث نہ تھے

شیعی مفروضہ:۔

شیعوں کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ "سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ معاذ اللہ مسلمان نہ تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت بامر مجبوری اور تقیہ کے طور پر کی تھی۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی خلافت کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اور ان کے خلیفہ بننے میں قطعاً راضی نہ تھے۔"

یہی وجہ ہے۔ کہ جب سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بلوائیوں نے حملہ کیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن بلوائیوں کے خلاف اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں کچھ بھی نہ کیا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان کو بھرپور معاونت ہوتی۔

توشہادتِ عثمان وقوع پذیر نہ ہوتی۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ چوں کہ حضرت عثمان سے راضی نہ تھے۔ اس لیے ان کی شہادت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ خوش تھے۔ اور ان کی ہمدردیاں ان لوگوں کے ساتھ تھیں جنہوں نے حضرت عثمان کو جامِ شہادت نوش کرادیا۔

اس مفروضہ کی حقیقت :-

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت کے دعویٰ میں اگر ان لوگوں کے اس قسم کے خیالات ونظریات پر غور کیا جائے۔ تو انہیں " محبان علی " کی بجائے " دشمنانِ علی " کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔ جو کہ حقیقت بھی ہے۔ کیونکہ ان کے بقول اگر صرف یہی بات ثابت ہوجائے۔ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایماء سے ہوئی۔ تو پھر یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی۔ کہ ہزاروں مسلمانوں کے قتلِ ناحق کے ذمہ دار حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس سے اپنی برأت کا ہمیشہ اظہار فرماتے رہے۔ اور بارہا آپ نے صاف صاف الفاظ میں فرمایا۔ " دمِ عثمان میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔"

لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت کے نام پر بغضِ عثمان ان کے کلیجوں کو جلائے جارہا ہے۔ اور اسی حسد کی آگ میں کم بخت خود تو جل ہی رہے ہیں۔ لیکن اس آگ کے شعلوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھی پھیلانے کی انہوں نے ناپاک جسارت کی اس لیے ہم نے مناسب سمجھا۔ کہ ان کے ایسے باطل خیالات و نظریات کا بطلان واضح کیا جائے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات پر جو ان کے خیالات کے مطابق داغ لگتا ہے۔ اُسے دور کردیا جائے۔ کیونکہ جب تک یہ ثابت نہ ہوجائے۔ کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر

تھے۔ اس وقت تک حضرت عثمان غنی کے دم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سچا ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا شیعہ کتب سے چند حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔ جن میں معلوم ہوگا کہ دم عثمان رضی اللہ عنہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بالکل غیر متعلق تھے اور بلوائیوں کو کسی طرح بھی حضرت علی کی ہمنوائی حاصل نہ تھی۔

تاریخ یعقوبی :۔

ثُمَّ قَدِمَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْبَصْرَةَ وَكَانَتْ وَقْعَةُ الْجَمَلِ بِمَوْضِعٍ يُقَالُ لَهُ الْحَرِيْبَةُ فِيْ جَمَادِى الْاُوْلٰى سَنَةَ ۳۶ وَخَرَجَ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ فِيْمَنْ مَعَهُمَا فَوَقَفُوْا عَلٰى مَصَافِّهِمْ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِمْ عَلِيٌّ مَا تَطْلُبُوْنَ وَمَا تُرِيْدُوْنَ؟ قَالُوْا نَطْلُبُ بِدَمِ عُثْمَانَ. قَالَ عَلِيٌّ لَعَنَ اللّٰهُ قَتَلَةَ عُثْمَانَ۔

(تاریخ یعقوبی جلد دوم ص ۱۸۲ مطبوعہ بیروت طبع جدید۔ خلافت امیر المومنین علی علیہ السلام)

ترجمہ:۔ جمادی الاولیٰ ۳۶ھ ہجری میں مقام حریبہ پر جنگ جمل ہوئی۔ جب حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما اپنے ساتھیوں کو لے کر اس مقام پر پہنچے۔ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا۔ تمہارا کیا مطالبہ ہے۔ اور تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا۔ ہم دم عثمان کا مطالبہ کرتے ہیں (یعنی حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص چاہتے ہیں) یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ قاتلانِ عثمان پر لعنت بھیجے۔ (لہٰذا جب میرے نزدیک

قاتلانِ عثمان لعنتی ہیں۔ تو پھر میرا تمہارا جھگڑا کس بات پر؟)

تہذیب المتین:۔

روضۃ الصفا میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ بہتر ہے کہ ہم اس معاملہ میں مباہلہ کریں یعنی ہم سے جو اس کے قتل پر راضی ہوا۔ اور جس نے اس بارہ میں سعی کی ہو۔ طرفین سے دعا کریں۔ کہ وہ فی الفور غضب الٰہی میں گرفتار ہو جائے۔

(تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین جلد دوم ص۴۵
ذکر شروع قصہ جمل۔ مطبوعہ یوسفی طبع قدیم)

امالی طوسی:۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اِنْ شَآءَ النَّاسُ قُمْتُ لَہُمْ خَلْفَ مَقَامِ اِبْرَاھِیْمَ فَحَلَفْتُ لَہُمْ بِاللّٰہِ مَا قَتَلْتُ عُثْمَانَ وَلَا اَمَرْتُ بِقَتْلِہٖ وَلَقَدْ نَہَیْتُہُمْ فَعَصَوْنِیْ۔

(امالی شیخ طوسی جلد اول ص۴۷۵ الجزء العاشر
مطبوعہ قم۔ ایران۔ طبع جدید)

ترجمہ:۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر لوگ چاہیں۔ تو میں مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑا ہو کر اللہ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں۔ کہ نہ تو میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ اور نہ ہی ان کے قتل کا حکم دیا۔ میں نے تو ان قاتلانِ عثمان کو

روکا تھا لیکن انہوں نے میری ایک نہ مانی۔

مروج الذہب :۔

ثُمَّ نَادٰی عَلِیٌّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ طَلْحَۃَ حِیْنَ رَجَعَ الزُّبَیْرُ یَا اَبَا مُحَمَّدٍ مَا الَّذِیْ اَخْرَجَکَ قَالَ الطَّلَبُ بِدَمِ عُثْمَانَ قَالَ عَلِیٌّ قَاتَلَ اللہُ اَوْلَانَا بِدَمِ عُثْمَانَ۔

ترجمہ:۔ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنگ سے روگرداں ہوگئے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو آواز دے کر پوچھا۔ اے ابو محمد انہیں کونسی بات نے جنگ پر آمادہ کیا۔ کہا۔ حضرت عثمان کے قصاص نے یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں ہم میں سے جو بھی ملوث ہو۔ اللہ اس کو تباہ و برباد کرے۔

الحاصل :۔

عبارات مذکورہ سے بالکل واضح ہوگیا۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان غنی کی شہادت میں قطعاً ہاتھ نہ تھا۔ اگر اس قسم کا کوئی آپ کا دخل ہوتا۔ تو قاتلانِ عثمان پر اللہ کی لعنت اور پھٹکاریں کیوں مانگتے۔ کیا کوئی ذی ہوش اپنے لیے اللہ کی پھٹکار مانگتا ہے؟

بلکہ آپ نے تو حضرت عثمان غنی کے خون میں ملوث ہونے پر الزام دینے والوں کو دعوتِ مباہلہ دی۔ اور یہاں تک برملا کہہ دیا۔ کہ آؤ دعا کرتے ہیں۔ جو قاتل عثمان ہو۔ یا جس کے ایماء سے یہ فعل واقع ہوا۔ اللہ تعالیٰ اُسے تباہ و برباد

کردے۔

اس سے بڑھ کر آپ نے تو یہ بھی فرما دیا۔ کہ چلو۔ مجھے مقام ابراہیم پر لے چلو۔ خدا کے گھر میں اس کے خلیل کے مقام پر کھڑا ہو کر قسم اٹھا کر کہتا ہوں۔ کہ میں نہ تو خود قتل عثمان میں شریک ہوں نہ قاتلان عثمان کو میری شہ تھی۔ بلکہ میں تو انہیں روکتا رہا۔ لیکن ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایثار

الشیعہ فی التاریخ :-

اَلَیْسَ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الْمَآءَ اِلٰی عُثْمَانَ یَوْمَ شُدِّدَ عَلَیْهِ الْحِصَارُ وَعَارَضَةَ طَلْحَةُ بِکَلَامٍ شَدِیْدٍ اَرْسَلَ وَلَدَیْهِ الْحَسَنَیْنِ وَمَوْلَاهُ قَنْبَرًا لِلدِّفَاعِ عَنْ عُثْمَانَ حَتّٰی جُرِحَ الْحَسَنُ فِیْ سَبِیْلِ عُثْمَانَ وَصُبِغَ بِالدَّمِ وَشُجَّ رَاْسُ قَنْبَرٍ فِیْ هٰذَا السَّبِیْلِ۔

(الشیعہ فی التاریخ مصنفہ محمد حسین الزین شیعی ص ۱۱۰

مطبوعہ قاہرہ طبع جدید)

ترجمہ:- کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ وہی نہیں جنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

کو پانی بھیجا جب کہ آپ پر بلوائیوں کا محاصرہ سخت ہو گیا تھا حالانکہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو سخت کلام کے ساتھ روکنا چاہا۔ اور آپ نے اپنے صاحبزادوں حسنین کریمین اور اپنے غلام قنبر کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لیے بھیجا۔ حتیٰ کہ اس کام (حفاظتِ عثمان رضی اللہ عنہ) میں امام حسن رضی اللہ عنہ مجروح ہوئے اور خون آلودہ ہو گئے۔ اور حضرت قنبر رضی اللہ عنہ کا سر زخمی ہو گیا۔

ناسخ التواریخ :-

ایں خبر بعلی علیہ السلام بردند علی غلام خویش قنبر را بدو فرستاد و پیام داد کہ شنیدم مرا اندا کردی بگوی حاجت چیست ؟ گفت ایں قوم آب از من باز گرفتہ اند و گروہی از فرزنداں و عزیزان من تشنہ اند اگر توانی مرا آب فرست علی علیہ السلام آنجماعت را خطاب کرد

فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ الَّذِیْ تَفْعَلُوْنَ لَا يَشْبَهُ اَمْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا اَمْرَ الْكَافِرِيْنَ

...... ایں قوم ابا داشتند و رضانی دادند لاجرم علی علیہ السلام سہ مشک آب بدست چند تن از بنی ہاشم بدو فرستاد تا ہمگان بخوردند و سیراب شدند

(ناسخ التواریخ تاریخ خلفاء مصنفہ میرزا محمد تقی

سپہر جلد سوم ص۲۵۲ دوران خلافت عثمان بن عفان)

مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ :- یہ خبر (کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکارا ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچائی گئی۔ آپ نے اپنے غلام قنبر کو یہ پیغام دے

کر بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نے مجھے پکارا ہے۔ بتایئے کیا حاجت ہے؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس قوم (بلوائیوں) نے مجھ سے پانی روک لیا ہے۔ اور میرے فرزندوں اور عزیزوں کا گروہ پیاسا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آکر اس قوم کو خطاب کیا اور فرمایا اے لوگو! تمہارا کرتوت نہ مسلمانوں کی شان کے لائق ہے اور نہ کافر ایسا کرتے ہیں۔ ...... بلوائیوں نے اس بات کا جواب انکار سے دیا اور رضامند نہ ہوئے آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین مشک پانی بنی ہاشم کے چند مردوں کے ہاتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیجا جو انہوں نے اور گھر کے سارے افراد نے خوب سیر ہو کر پیا۔

ایضاً:۔

آنگاہ نوشت کہ چگونہ رضامے دھی کہ پسر عم و پسر عمات رابے موجبی بقتل رسانند۔ علی علیہ السلام در پاسخ گفت عثمان ایں سخن بصدق میگوید سوگند با خدا لئے نمی گذارم پسر حضرمیہ اورا با تیغ بگذارند۔

(ناسخ التواریخ تاریخ خلفاء جلد سوم ص ۲۶۰
دوران خلافت عثمان بن عفان مطبوعہ تہران
طبع جدید)

ترجمہ:۔ اس وقت (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو) لکھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں کہ آپ کے چچا اور چچی کے بیٹے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کو ناحق قتل کر دیا جائے۔ اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صحیح کہا ہے قسم بخدا

حضرمیہ کے بیٹے کو ہرگز یہ اجازت نہیں دوں گا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تیغ چلائے۔

مروج الذہب :-

وَقَالَ لِابْنَیْہِ کَیْفَ قُتِلَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنْتُمَا عَلَی الْبَابِ وَلَطَمَ الْحَسَنَ وَضَرَبَ صَدْرَ الْحُسَیْنِ۔

(مروج الذہب للمسعودی جلد دوم ص ۳۴۵ ذکر ذی النورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:- امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تم دونوں کے دروازے پر موجود ہوتے ہوئے کیسے شہید ہو گئے۔ یہ کہہ کر امام حسن کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اور امام حسین کی چھاتی پر مکہ مارا۔

ان صراحتوں اور وضاحتوں کے باوجود بھی کوئی "محبتِ علی" کا دعویدار یہی کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مخالفت تھی۔ اس لیے آپ کے قتل میں حضرت علی کا ہاتھ تھا۔ تو اس "محبِ علی" کے رنگ میں "دشمن علی" اور کون ہو گا۔ حضرت علی قسمیہ لاتعلقی فرمائیں۔ قاتلوں کو لعنتی اور کافروں سے بدتر جانیں۔ اور دعوت مباہلہ کے ذریعہ اللہ کی پھٹکار چاہیں۔ اور یہ "بناوٹی محب" حضرت علی کو قاتلانِ عثمان میں گردانے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کی بدعقیدگی اور بے ایمانی کو آشکارا کرنا چاہتا ہے۔ تو اس بدعقیدہ کی زبان سے نیک لوگ لعن وطعن سنتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد۔ میلش اندر طعنۂ پاکاں کند۔

نہج البلاغہ :-

وَمِنْ كِتَابٍ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ. كَتَبَهُ إِلَى أَهْلِ الْأَمْصَارِ يَقُصُّ فِيهَا مَا جَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِ صِفِّينَ.

وَكَانَ بَدْءُ أَمْرِنَا إِنَّا الْتَقَيْنَا وَالْقَوْمُ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ وَالظَّاهِرُ أَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَنَبِيَّنَا وَاحِدٌ وَدَعْوَتَنَا فِي الْإِسْلَامِ وَاحِدَةٌ وَلَا نَسْتَزِيدُهُمْ فِي الْإِيمَانِ بِاللّٰهِ وَالتَّصْدِيقِ بِرَسُولِهِ وَلَا يَسْتَزِيدُونَنَا الْأَمْرُ وَاحِدٌ إِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بُرَآءُ۔

(نہج البلاغہ خطبہ ۵۸ ص ۴۴۸ چھوٹا سائز مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔ اکثر شہروں کے معززین کو حضرت نے یہ خط تحریر فرمایا ہے۔ جس میں ماجرائے جنگ صفین کا بیان ہے۔ ہماری اس ملاقات (لڑائی) کی ابتداء جو اہل شام کے ساتھ واقع ہوئی۔ کیا تھی۔ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے۔ کہ ہمارا اور ان کا خدا ایک ہے۔ رسول ایک ہے۔ دعوت اسلام ایک ہے (جیسے وہ اسلام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں ویسے ہی ہم بھی) ہم خدا پر ایمان لانے اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں ان پر کسی فضیلت کے خواہاں نہیں۔ نہ وہ ہم پر فضل و زیادتی کے طلبگار ہیں۔ ہماری حالتیں بالکل یکساں ہیں۔ مگر وہ ابتداء یہ ہوئی۔ کہ خون عثمان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ حالانکہ ہم اس سے بری تھے

(نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ ص ۲۶۷)

مطبوعہ یوسفی دہلی طبع قدیم۔)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ کلام سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

۱۔ جنگ صفین کے تمام شرکاء مسلمان تھے۔

۲۔ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کا خدا ایک، رسول ایک قرآن ایک اور تبلیغ بھی ایک تھی۔

۳۔ ان حضرات میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر فضیلت کا خواہاں نہ تھا۔

۴۔ ان میں جو جنگ ہوئی۔ اس میں خونِ عثمان ہی ایک مرکزی نقطہ تھا۔ کیونکہ باغی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جا گھسے تو اس سے اہل بصرہ و کوفہ کو یہ شک گذرا۔ کہ قتلِ عثمان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی ہاتھ ہے۔ حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس سے بالکل بری تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اس قسم کا اعلان لکھوا کر مختلف شہروں میں تقسیم کروانا اس امر کی وضاحت کرتا ہے۔ کہ حضرت علی اور امیر معاویہ کے درمیان کوئی ذاتی عناد نہ تھا۔ نہ ہی یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کو کافر سمجھتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اس امر کی بھی وضاحت فرمادی۔ کہ قتلِ عثمان میں میرا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ کیونکہ میرے اور ان کے درمیان بھی کوئی عناد و عداوت نہ تھی۔ دراصل اہل شام شک کرتے تھے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قتل عثمان میں کچھ دخل تھا۔

اس قدر واضح الفاظ کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص یہ کہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلافات تھے۔ جن کی بنا پر حضرت علی، حضرت عثمان کی خلافت کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا اسی منصوبہ کو کامیاب کرنے کے لیے آپ نے حضرت عثمان کو شہید کروادیا۔ یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے بالکل بری ہیں۔ جیسا کہ گذشتہ حوالہ جات میں گذر چکا ہے۔ کہ آپ مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر قسم کھانے کو تیار تھے۔ کہ میرا قتل عثمان میں کوئی ہاتھ نہیں۔

طعن سوم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امام حسن کو روضۂ رسول میں دفنانے نہ دیا۔ اور ان کی لاش پر تیر پھینکے تھے،

امام حسن رضی اللہ عنہ کا جب وقت وصال قریب آیا۔ تو انہوں نے اپنے خورد بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وصیت فرمائی۔ کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ میں دفن کیا جائے اور اگر میری اس وصیت پر عمل کرنے میں لوگ رکاوٹ ڈالیں۔ تو پھر جنت البقیع میں دفن کر دینا۔ اس وصیت کے بعد جب امام حسن رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو بنو امیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہا۔ کہ حسن (رضی اللہ عنہ) کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ میں دفن نہ کرنے دیا جائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی بات مان لی اور گدھے پر سوار ہو کر آگئیں اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر تیر پھینکے۔

(منتہی الاعمال جلد اوّل صفحہ ۲۷۴۔ ۲۷۵ دربیان وصیت نامہ امام حسن)

مندرجہ بالا مضمون سے معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو چونکہ اہلِ بیت سے انتہائی دشمنی تھی جس کی بنا پر انہوں نے بنی امیہ کے کہنے پر امام حسن رضی اللہ عنہ کو روضۂ رسول میں دفن کرنے کی اجازت دینے کے بجائے ان کی نعش پر تیر پھینکے۔

جواب:- اعتراض اور طعن کرنے والوں کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے

لہ اپنے مقصد کی عبارت ڈھونڈ کر مخالف پر اعتراض دے مارا۔ نہ اس کے سیاق سباق کو دیکھا اور نہ واقعات کی صحیح ترجمانی کی۔ یہی کچھ اس اعتراض اور طعن میں کیا گیا۔ مذکورہ واقعہ کی تفصیل یوں ہے۔

بنی امیہ کو اس بات کا شدید صدمہ تھا۔ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہید کرنے کے بعد ان کی نعش کو تو جنت البقیع میں بھی نہ دفنایا گیا۔ بلکہ باغیوں کی شرارت کی وجہ سے جنت البقیع سے باہر دفن ہوئے۔ جب امام حسن وصال فرماتے ہیں، تو انھوں نے اس بات پر بھی اصرار کیا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو روضۂ رسول میں ہرگز دفن نہ کیا جائے اور یہ حقیقت ہے کہ بنی امیہ اس وقت برسرِ اقتدار تھے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کو اس بات کے کچھ اشارات معلوم تھے۔ کہ بنی امیہ مجھے روضۂ رسول میں دفن نہیں ہونے دیں گے۔ اسی لیے آپ نے وصیت فرمائی۔ کہ مجھے وہیں دفنایا جائے اور اگر کوئی مزاحمت ہو یا مخالفت ہو۔ تو پھر ضد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خون خرابہ نہ ہونے پائے۔ اور مجھے اپنی والدہ کے پہلو میں جنت البقیع کے اندر دفن کر دینا۔

واقعات بتلاتے ہیں کہ جب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسدِ خاکی کو روضۂ رسول میں دفنانے کی بنی ہاشم تیاری کر رہے تھے تو مروان آیا اور اسی موضوع پر بات چیت میں تلخی پیدا ہو گئی اور معاملہ مار کٹائی تک پہنچا نظر آیا۔ اس دوران حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور دونوں فریقوں میں جدائی کر دی۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بنو ہاشم کو فرمایا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت کے دوسرے حصے کے مطابق ان کی والدہ ماجدہ کے قریب جنت البقیع میں دفن کر دیا جائے۔

آپ نے واقعہ کی حقیقت پڑھی۔ اس میں کہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے

منع کرنے اور روضۂ رسول میں دفنانے سے انکار کرنے کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ بلکہ اس کے برعکس ام المومنین رضی اللہ عنہ نے تو روضۂ رسول میں دفنانے کی اجازت دے دی تھی۔ مگر بنو امیہ کی مخالفت کی وجہ سے امام حسن رضی اللہ عنہ روضہ رسول میں دفن نہ ہو سکے۔ اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا کیا قصور تھا۔ جس پر ان کے خلاف آواز اُٹھائی جا رہی ہے۔

مذکورہ حقیقت پر دونوں فریق (شیعہ، سُنی) کی عبارات

ا۔ جنازۂ امام حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق اہل سنت کی عبارات

الکامل فی التاریخ۔

فَاسْتَاذَنَ الْحُسَيْنُ عَائِشَةَ فَاَذِنَتْ لَهٗ فَلَمَّا تُوُفِّيَ اَرَادُوْا دَفْنَهٗ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعْرِضْ اِلَيْهِمْ سَعِيْدُ بْنُ الْعَاصِ وَهُوَ الْاَمِيْرُ فَقَامَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ وَجَمْعُ بَنِيْ اُمَيَّةَ وَشِيْعَتُهُمْ وَمَنَعَ عَنْ ذٰلِكَ فَاَرَادَ الْحُسَيْنُ الْاِمْتِنَاعَ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّ اَخَاكَ قَالَ اِذَا خِفْتُمُ الْفِتْنَةَ فَفِيْ مَقَابِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَهٰذِهٖ فِتْنَةٌ فَسَكَتَ وَصَلّٰى عَلَيْهِ سَعِيْدُ بْنُ الْعَاصِ فَقَالَ لَهُ الْحُسَيْنُ لَوْلَا اَنَّهٗ سُنَّةٌ لَمَا

تَرَكْتُكَ تُصَلِّي عَلَيْهِ .

(الکامل فی التاریخ لابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۴۶۰
ذکر وفات الحسن بن علی مطبوعہ بیروت)

ترجمہ :- امام حسین رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کی کہ امام حسن کو بعد از وصال روضۂ رسول میں دفنایا جائے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی۔ پھر جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو احباب نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دفنانے کا ارادہ کیا۔ حضرت سعید بن عاص نے کوئی اس بارے میں تعرض نہ کیا۔ حالانکہ وہ امیر مدینہ تھے۔ یہ دیکھ کر مروان اٹھا۔ اس کے ساتھ بنی امیہ اور ان کے ساتھیوں کی ایک بہت بڑی جماعت بھی کھڑی ہو گئی۔ ان سب نے مل کر رکاوٹ ڈالی۔ اس کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ لیکن انہیں بتلایا گیا کہ آپ کے بھائی بزرگوار نے یہ بھی وصیت کی تھی، کہ اگر فتنہ و فساد کا خطرہ ہو تو جنت البقیع میں دفن کر دینا اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ حالات خطرناک ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں امام حسین رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کا جنازہ حضرت سعید بن عاص نے پڑھایا۔ انہیں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ اگر طریقہ مسنونہ یہ نہ ہوتا۔ کہ جنازہ کا امام حاکم و امیر وقت ہو، تو میں آپ کو ان کا جنازہ نہ پڑھانے دیتا۔

البدایہ والنہایہ۔

إِنَّ الْحَسَنَ يَسْتَأْذِنُ عَائِشَةَ فِي ذٰلِكَ

فَاَذِنَتْ لَهٗ فَلَمَّا مَاتَ لَبِسَ الْحُسَيْنُ السِّلَاحَ وَ تَسَلَّحَ بَنُو اُمَيَّةَ وَ قَالُوْا لَا نَدَعُهٗ يُدْفَنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ص) اَيُدْفَنُ عُثْمَانُ بِالْبَقِيْعِ وَ يُدْفَنُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فِي الْحُجْرَةِ فَلَمَّا خَافَ النَّاسُ وُقُوْعَ الْفِتْنَةِ اَشَارَ سَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَ جَابِرٌ وَ ابْنُ عُمَرَ عَلَى الْحُسَيْنِ اَلَّا يُقَاتِلَ فَامْتَثَلَ وَ دُفِنَ اَخَاهُ قَرِيْبًا مِّنْ قَبْرِ اُمِّهٖ بِالْبَقِيْعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد ۸ صفحہ ۴۴ سنۃ تسع واربعین مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے بارے میں روضۂ رسول کے اندر دفنانے کی اجازت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مانگی۔ مائی صاحبہ نے اجازت دے دی۔ پھر جب ان کا انتقال ہو گیا۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہتھیار پہنے۔ ادھر بنو امیہ بھی مسلح ہو گئے، اور کہنے لگے، ہم امام حسن کو روضۂ رسول میں ہرگز دفن نہیں کرنے دیں گے۔ کیا یہ انصاف ہے کہ عثمان غنی تو جنت البقیع میں مدفون ہوں اور حسن بن علی حجرۂ مبارکہ میں

دفنائے جائیں۔ لوگوں نے جب فتنہ فساد کے آثار دیکھے۔ تو حضرت سعد بن ابی وقاص، ابو ہریرہ، جابر اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ جھگڑا چھوڑ دو۔ امام حسین نے ان حضرات کی بات مان لی۔ ان کے بھائی امام حسن کو ان کی والدہ کے قریب جنت البقیع میں دفنایا گیا۔

تاریخ الخلفاء

فَلَمَّا مَاتَ اَتَى الْحُسَيْنُ اِلٰى اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالَتْ نَعَمْ وَكَرَامَةً فَمَنَعَهُمْ مَرْوَانُ فَلَبِسَ الْحُسَيْنُ وَمَنْ مَعَهُ السِّلَاحَ حَتّٰى رَدَّهُ اَبُوْ هُرَيْرَةَ ثُمَّ دُفِنَ بِالْبَقِيْعِ اِلٰى جَنْبِ اُمِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا۔

(تاریخ الخلفاء للسیوطی ص۱۹۲ وفات الحسن بن علی۔ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔ جب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصال فرمایا تو ان کے بھائی حسین حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور روضہ رسول میں دفنانے کی اجازت طلب کی) ام المومنین نے برغبت و رضا اجازت مرحمت فرما دی۔ مروان نے امام حسین کے احباب کو وہاں دفنانے سے منع کیا۔ اس پر امام حسین

اور ان کے ساتھیوں نے ہتھیار اٹھا لیے تاکہ مقابلہ کیا جائے۔
لیکن حضرت ابوہریرہ (وغیرہ) رضی اللہ عنہ نے امام حسین کو سمجھایا بجھایا۔ پھر انہیں (امام حسن) ان کی والدہ کے قریب جنت البقیع میں دفنایا گیا۔

کتب اہل سنّت کی عبارات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو برضا و رغبت اس بات کی اجازت دے دی کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو روضۂ رسول میں دفن کر سکتے ہیں بلکہ اس کو مبارک سمجھا۔

۲۔ مروان اور اس کے معاونین نے یہ گوارا نہ کیا۔ کہ عثمان غنی تو جنت البقیع میں مدفون ہوں۔ اور حسن بن علی روضۂ رسول میں دفنائے جائیں۔

۳۔ امام حسن کی وصیت میں متبادل یہ وصیت بھی تھی۔ کہ بصورت فتنہ و فساد مجھے اپنی والدہ کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کر دینا۔

۴۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت سعید بن العاص نے پڑھائی۔ اور یہ باجازت امام حسین ہوا۔ امام حسین نے اسی لیے اس موقع پر کہا۔ چونکہ حاکم وقت ارشادات نبوی کے مطابق نماز کی امامت کا سب سے زیادہ حقدار ہوتا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تمہیں اپنے بھائی کی نماز جنازہ کی امامت نہ کرنے دیتا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے متعلق کتب شیعہ کی عبارات

الاخبار الطوال

ثُمَّ قَالَ ادْفِنُوْنِیْ مَعَ جَدِّیْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنْ مُنِعْتُمْ فَالْبَقِیْعُ ثُمَّ تُوُفِّیَ فَمَنَعَ مَرْوَانُ اَنْ یُّدْفَنَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَدُفِنَ فِی الْبَقِیْعِ۔

(الاخبار الطوال مصنفہ احمد بن داؤد الدینوری ص۲۲۱ موت الحسن بن علی مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:۔ (پھر امام حسن رضی اللہ عنہ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا) مجھے اپنے نانا جان کے پہلو میں دفن کر دینا۔ پھر اگر تمہیں اس وصیت پر عمل کرنے سے روک دیا جائے۔ تو جنت البقیع میں دفن کر دینا۔ پھر جب امام حسن انتقال فرما گئے تو مروان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کرنے سے منع کر دیا۔ لہذا انھیں جنت البقیع میں دفنایا گیا۔

روضۃ الصفاء۔

قولی آنکہ عائشہ بوصیت حسن رضا دادہ اما سعید ابن العاص کہ

والیٔ مدینہ بود و طائفہ از عثمانیہ ہمراہ پیش آمدند صاحب مستقصی گوید کہ درآں زماں حکومت مدینہ بمروان الحکم تعلق میداشت و او نگذاشت کہ امام حسن را پیش رسول خداوند دفن کنند و ابوحنیفہ دینوری نیز در تاریخ خویش ایں حرکت ناپسندیدہ را بہ مروان نسبت کردہ است۔

(روضۃ الصفا جلد سوم ص ۵۴ ذکر وفات امام حسن۔ مطبوعہ لکھنؤ)

ترجمہ:۔ ایک قول کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی وصیت پر عمل کرنے کی اجازت دے دی۔ لیکن مدینہ کے حاکم سعید بن العاص بمعہ بہت سے عثمانیوں کے آگے بڑھے صاحب مستقصی کہتا ہے۔ کہ ان دنوں مدینہ کی حاکمیت مروان بن الحکم کے پاس تھی۔ اس نے یہ اجازت نہ دی۔ کہ امام حسن کو روضہ رسول میں دفن کیا جائے۔ اور ابوحنیفہ دینوری نے بھی اپنی تاریخ میں لکھا کہ یہ ناپسندیدہ حرکت مروان کی تھی۔

مقاتل الطالبین

اِنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ اَرْسَلَ اِلٰی عَائِشَۃَ اَنْ تَاْذَنَ لَہٗ اَنْ یُّدْفَنَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ نَعَمْ مَاکَانَ بَقِیَ اِلَّا مَوْضِعُ قَبْرٍ وَاحِدٍ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِذٰلِکَ بَنُوْ اُمَیَّۃَ اِسْتَمْلَوْا

بِالسَّلَاحِ هُمْ وَ بَنُوْهَاشِمٍ لِلْقِتَالِ وَ قَالَتْ بَنُوْ اُمَيَّةَ وَ اللّٰهِ لَا يُدْفَنُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ اَبَدًا فَبَلَغَ ذٰلِكَ الْحَسَنَ فَاَرْسَلَ اِلٰى اَهْلِهٖ اَمَّا اِذَا كَانَ هٰذَا فَلَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهِ اِدْفِنُوْنِيْ اِلٰى جَانِبِ اُمِّيْ فَاطِمَةَ فَدُفِنَ اِلٰى جَنْبِ اُمِّهٖ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ۔

(مقاتل الطالبین لابی الفرج الاصفہانی ص۵، تذکرہ حسن بن علی مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:۔ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کسی کو بھیجا۔ تاکہ انھیں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کرنے کی اجازت عطا فرمائیں۔ تو انھوں نے یہ کہہ کر اجازت دے دی۔ کہ وہاں صرف ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ وہ تم انھیں دے دو۔ جب بنوامیہ کو اس کا علم ہوا۔ تو انھوں نے بنی ہاشم کے ساتھ دنگا فساد کی ٹھان لی اور ہتھیار اٹھا لئے بنوامیہ نے کہا۔ خدا کی قسم! ہم امام حسن کو کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں دفن نہیں ہونے دیں گے۔ جب یہ بات امام حسن کو پہنچی تو انھوں نے ایک آدمی کو اپنے اقارب واحباب کی طرف بھیجا اور کہلا بھیجا۔ اگر معاملہ اس قدر پیچیدہ ہو گیا ہے تو مجھے وہاں نہ دفنائیں۔ بلکہ مجھے اپنی والدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کر دیں۔ لہٰذا انھیں

(جنّت البقیع) والدہ کے قریب دفن کر دیا گیا۔

ابن حدید

قَالَ اَبُوْ الْفَرَجِ وَقَدْ رَوٰی الزُّبَیْرُ بْنُ بَکَّارٍ اَنَّ الْحَسَنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَرْسَلَ اِلٰی عَائِشَةَ اَنْ تَاْذَنَ لَهٗ اَنْ یُّدْفَنَ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ فَقَالَتْ نَعَمْ فَلَمَّا سَمِعَتْ بَنُوْ اُمَیَّةَ بِذٰلِكَ اِسْتَلْاَمُوْا فِی السَّلَاحِ وَتَنَادُوْهُمْ وَبَنُوْ هَاشِمٍ فِی الْقِتَالِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ الْحَسَنَ فَاَرْسَلَ اِلٰی بَنِیْ هَاشِمٍ اَمَّا اِذَا کَانَ هٰذَا فَلَا حَاجَةَ لِیْ فِیْهِ اِدْفِنُوْنِیْ اِلٰی جَنْبِ اُمِّیْ فَدُفِنَ اِلٰی جَنْبِ فَاطِمَةَ عَلَیْهَا السَّلَامُ۔

(ابن حدید جلد چہارم ص۱۸ فی ذکر ما حدث بعد الصلح بین معاویہ والحسن مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: ابوالفرج نے کہا کہ زبیر بن بکار نے روایت کی ہے۔ کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بھیجا۔ تاکہ وہ اجازت دیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ روضۂ اقدس میں دفن کیا جائے۔ تو جناب صدیقہ نے اجازت دے دی۔ جب بنو امیہ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے ہتھیار سنبھال لیے۔ ادھر بنی ہاشم بھی مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس کا علم جب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوا۔ تو انھوں نے کہلا بھیجا۔ کہ اے بنی ہاشم! اگر معاملہ ایسا بن گیا ہے۔ تو مجھے میری والدہ کے پہلو میں دفن کر دیا جائے۔ مجھے وہیں منظور ہے۔ لہٰذا انھیں ان کی وصیت کے مطابق جنت البقیع میں ان کی والدہ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔

ابنِ حدید

قَالَ وَقَدَّمَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلصَّلٰوةِ عَلَيْهِ سَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ اَمِيْرُ الْمَدِيْنَةِ وَقَالَ تَقَدَّمْ فَلَوْلَا اَنَّهَا سُنَّةٌ لَمَا قَدَّمْتُكَ۔

(ابن حدید شرح نہج البلاغہ جلد چہارم ص۱۸ فی بعض مآثر الحسن مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:۔ راوی کہتا ہے، کہ جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے سعید بن عاص کو امام حسن کی نماز جنازہ کی امامت کرانے کے لیے آگے کیا۔ کیونکہ ان دنوں مدینہ کا امیر یہی تھا، تو فرمایا، چلو بھائی نماز پڑھاؤ۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنت قائم نہ کی ہوتی کہ نماز کی امامت امیر شہر کرائے گا تو میں تمھیں آگے نہ کرتا۔

الحاصل

اہلِ سُنّت و جماعت کی کتب سے جو امور ثابت ہوئے بعینہٖ وہی امور اہلِ تشیع کی عبارات سے بھی ثابت ہیں۔ ان تمام عبارات میں یہ باتیں مشترکہ طور پر موجود ہیں۔

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو روضۂ رسول میں دفنانے کی اجازت دے دی تھی لیکن بنی اُمیہ نے مروان کی سرکردگی میں اس پر عمل درآمد نہ ہونے دیا۔ دونوں قسم کی کتب میں اس رکاوٹ کو مروان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

۲۔ اہلِ سُنّت اور اہلِ تشیع کی کتب میں سے کسی میں بھی امام حسن رضی اللہ عنہ کو نہ دفنانے کی نسبت یا اس کا ذمہ دار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نہیں ٹھہرایا۔ لہٰذا امام حسن رضی اللہ عنہ جو روضۂ رسول میں دفنائے نہیں گئے، اس کا بار حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا پر ڈالنا قطعًا ناانصافی ہے۔

طعن کا دوسرا حصہ یہ تھا کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نعشِ امام حسن رضی اللہ عنہ پر تیر مارے تو اس بارے میں ہم معترض کے گھر کی گواہی پیش کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

ابنِ حدید:

قُلْتُ وَلَيْسَتْ فِيْ رِوَايَةِ يَحْيَى بْنِ الْحُسَيْنِ مَا يُؤْخَذُ عَلَى عَائِشَةَ لِأَنَّهُ لَمْ يَرْوِ أَنَّهَا اسْتَنْفَرَتْ

النَّاسَ لَمَّا رَكِبَتِ الْبَغْلَ وَ اِنَّمَا الْمُسْتَنْفِرُوْنَ هُمْ بَنُوْ اُمَيَّةَ وَ يَجُوْزُ اَنْ تَكُوْنَ عَآئِشَةُ رَكِبَتْ لِتَسْكِيْنِ الْفِتْنَةِ لَا سِيَّمَا وَ قَدْ رُوِيَ عَنْهَا اَنَّهُ لَمَّا طُلِبَ مِنْهَا الدَّفْنُ قَالَتْ نَعَمْ فَهٰذِهِ الْحَالُ وَ الْقِصَّةُ مَنْقَبَةٌ مِنْ مَنَاقِبِ عَآئِشَةَ .

(ابنِ حدید شرح نہج البلاغہ جلد ۴ ص۱۸ فی لبعض مارثی بہ الحسن، مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: میں کہتا ہوں۔ کہ یحییٰ بن حسین کی روایت میں قطعًا وہ بات نہیں۔ جو حضرت عائشہ پر بطور الزام لگائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس قسم کی کوئی روایت نہیں ملتی جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ آیا ہو کہ انھوں نے لوگوں کو بھگا دیا۔ حالانکہ بھگانے والے درحقیقت بنو امیہ تھے (باقی رہا یہ معاملہ کہ حضرت عائشہ خچر پر سوار کیوں ہوئیں؟ تو اس کا جواب ابنِ حدید یہ دیتا ہے) اور یہ بھی بات درست ہے۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خچر پر سوار ہونا صرف فتنہ و فساد کی آگ کے ٹھنڈا کرنے کی خاطر ہو۔ خاص کر جب یہ اُن سے روایت نظر آتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے امام حسن کے دفن کے مطالبہ کو مان لیا تھا۔ اور روضۂ رسول میں جگہ دینے کی حامی بھر لی تھی تو یہ حال اور قصہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مناقب میں سے ایک منقبت ہے۔

ابن حدید شیعی نے اس مقام پر انصاف سے کام لے کر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر یہ طعن کرنا کہ انھوں نے نعشِ حسن پر خچر دوڑایا۔ بالکل غلط اور محض الزام ہے۔ الزام کی بجائے یہ واقعہ تو ان کے فضائل و مناقب بیان کرتا ہے کہ دنیا و آخرت میں سے بہترین جگہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر خالی جگہ میں امام حسن کو دفنانے کی اجازت دے رہی ہیں۔ حالانکہ اگر چاہتیں تو اپنی خاطر انکار بھی کر سکتی تھیں۔ لیکن انھوں نے اجازت مرحمت فرما کر دُنیا کو دکھا دیا کہ ان کے دل میں عقیدت اور محبت اہل بیت کس قدر موجزن تھی۔ اگر کسی کے دل میں رائی بھر بھی ایمان ہو تو مذکور طعن کو وہ واقعی جھوٹ کا پلندہ ہی سمجھے گا۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار۔)

باب ششم: سیدہ عائشہ و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم پر کیے گئے مطاعن

طعن اوّل

انہوں نے خلیفہ وقت سے جنگ جمل میں بغاوت کی

جب سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے۔ تو آپ کی خلافت پر جہاں دیگر موجود صحابہ کرام نے آپ سے بیعت کی۔ وہاں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی بیعت کرلی۔ لیکن موقع پا کر جب یہ دونوں صحابی بصرہ پہنچے۔ تو وہاں کے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکایا۔ اور اچھی خاصی تعداد کو اپنا ہمنوا بنا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ ایک لشکر عظیم لے کر آپ پر چڑھائی کر دی۔

ان دونوں حضرات کا یہ طریقہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کی بیعت محض مجبوری کے عالم میں کی تھی۔ دلی طور پر ان کی بیعت نہ تھی۔ مجبوری کی بیعت تھی تو جب موقع آیا۔ تو اُسے بھی توڑ دیا۔ اور پھر حضرت علی المرتضیٰ کے خلاف جو ان سے ہو سکتا تھا۔ کیا آپ کی خلافت کو درہم برہم کرنے کی ہر کوشش کی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ اہل بیت کے سخت ترین دشمن تھے۔ کیونکہ اوّل تو انہوں نے حضرت علی کی خلافت کو روکنے کی انتہائی کوشش کی۔ جب اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اور آپ خلیفہ بن گئے۔ تو پھر خلافت کو ناکام کرنے کے لیے بغاوت تک سے باز نہ آئے۔

جواب:

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی ذات پر یہ طعن یا الزام دینا کہ

انہیں اہل بیت کے ساتھ حسد و بغض تھا۔ اس لیے انہوں نے بیعت توڑ دی۔ لہٰذا وہ (معاذ اللہ) جہنمی ہیں۔ یہ سراسر باطل اور لغو الزام ہے۔ یہ دونوں حضرات وہ جلیل القدر صحابی ہیں جن کا شمار ان دس مخصوص صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظاہری دنیا میں ہی جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ جنہیں عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔ ان میں سے یہ دونوں ہیں۔ انشاء اللہ عنقریب کتب شیعہ سے آپ ان کے بارے میں یہی خصوصیت حوالہ جات کے ساتھ ملاحظہ کریں گے۔

باقی رہا مسئلہ کہ انہوں نے اوّل تو بیعت کی۔ پھر اُسے توڑا۔ تو یہ کیوں کیا؟ دراصل ان دونوں حضرات کا پہلے بیعت کر لینا اور پھر اس کے بعد توڑ کر بغاوت تک کر لینا "اجتہادی خطاء" تھی۔ حسد و بغض کی وجہ سے ایسا نہ ہوا۔ اس کی بھی عنقریب انشاء اللہ وضاحت آرہی ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ ہم اہل سنّت و جماعت کا عقیدہ ہے۔ کہ حضرت طلحہ، زبیر اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم نے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مخالفت رکھی۔ اور پھر ابن سبا یہودی اور اس کی پارٹی کی سازشوں کی بنا پر ان حضرات کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں حضرت علی حق پر تھے۔ اور ان حضرات کا حضرت علی سے لڑنا خطا تھا لیکن یہ خطا چونکہ اجتہادی تھی۔ اس لیے خطاءِ اجتہادی پر ملامت اور لعن طعن جائز نہیں۔ اس خطاء کے اجتہادی ہونے پر اور لعن طعن کا مقام نہ ہونے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جنگ جمل کے اختتام پر افسوس کرنا ایک واضح دلیل ہے۔ آپ نے (حضرت علی نے) ان حضرات کے بارے میں جنتی ہونے کی پیشین گوئی فرمائی۔ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بڑے احترام و عزت کے ساتھ واپس بھیجا۔

جنگ جمل کا تاریخی پس منظر

شیعہ حضرات اس طعن کو بڑا طول طویل کر کے پیش کرتے ہیں۔ اور ادھر اُدھر کی ادھوری نامکمل اور من گھڑت کڑیاں ملا کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا ان تمام باتوں سے مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ حضرت طلحہ، زبیر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کو چونکہ اہل بیت سے بغض و عناد تھا۔ اس لیے جب دیکھا۔ کہ ابھی ہماری دال نہ گلے گی۔ تو بیعت کر لی۔ اور جب قوت جمع ہو گئی۔ تو بیعت توڑ کر بغاوت کر دی۔ پھر لڑنے کے لیے میدان میں اتر آئے۔

لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ سب سے پہلے "جنگ جمل کا پس منظر" بیان کر دیا جائے۔ تاکہ اس سے قارئین کرام اور صاحب انصاف یہ جان سکیں۔ کہ ان حضرات کی مخالفت کیسی تھی۔ یعنی کیا وہ از روئے دشمنی تھی۔ یا اس وجہ سے کہ وہ کسی غلط فہمی کی بنا پر اختلاف میں پڑ گئے۔

خلیفہ ثالث سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج پر تشریف لے گئیں۔ جب آپ مکۃ المکرمہ میں تھیں۔ تو پیچھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ شہادت عثمان کے بعد لوگوں نے خلافت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ جب حضرت علی المرتضیٰ خلیفہ بن گئے۔ تو بعض صحابہ کرام جن میں سے حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما سر فہرست ہیں نے حضرت علی المرتضیٰ سے حضرت عثمان کا قصاص لینے پر زور دیا۔ چونکہ مدینہ منورہ میں شہادتِ عثمان اور خلافتِ علی کے ابتدائی دور میں ان لوگوں کی کثرت تھی۔ جنہوں نے بلوا کر کے حضرت عثمان کو شہید کر دیا تھا۔ اس کے پیش نظر حضرت علی نے حضرت عثمان کے قصاص کو کچھ دیر تک کے لیے موقوف رکھنا پسند فرمایا

تاکہ امر خلافت مستحکم ہو جائے۔ اور میرے پاؤں مضبوط ہو جائیں۔

ادھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت مسلمانوں کے لیے ایک عظیم صدمہ بن کر آئی۔ اس بنا پر مسلمان یہ نہیں چاہتے تھے۔ کہ اتنی مظلومیت سے شہید ہونے والے صحابی رسول کا قصاص بہت دیر بعد لیا جائے۔ ادھر قاتلانِ عثمان مدینہ منورہ میں بے خوف دندناتے پھر رہے تھے۔ یہ حالات دیکھ کر حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما نے نتیجہ نکالا۔ کہ حضرت عثمان کا خون رائیگاں جاتا نظر آتا ہے اور قصاص لینے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

ان دونوں حضرات نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے عمرہ پر جانے کی اجازت مانگی۔ آپ نے انہیں اجازت دے دی۔ مدینہ منورہ سے عمرہ کی غرض سے یہ دونوں چلنے والے حضرات مکۃ المکرمہ پہنچے۔ وہاں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ، خلافتِ حضرت علی اور دیگر حالات سے مطلع کر دیا۔ پھر مکہ شریف میں کچھ صحابہ کرام کا ایک اجتماع ہوا۔ جس میں شہادت عثمان کے بارے میں غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ مدینہ منورہ میں حالات کے خراب ہونے سے بات یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ کہ قاتلانِ عثمان سے قصاص لینا ناممکن نظر آتا ہے۔ اور خلیفۂ وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حالات سے مجبور دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بھی قصاص لینے سے عاجز ہیں۔ لہٰذا اس کی صورت یوں ہو سکتی ہے۔ کہ بصرہ جائیں۔ اور اگر وہاں کچھ معاونین و مددگار بنانے میں کامیابی ہو جائے۔ تو پھر قصاص کی کوئی صورت نکل سکے گی۔

اسی پروگرام کو کامیاب بنانے کی خاطر حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے سیدہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی۔ کہ اگر آپ ہمارے ساتھ بصرہ تشریف لے چلیں۔ تو مہینوں کا کام دنوں اور دنوں

کا کام منٹوں میں طے ہو جائے گا۔

بصرہ کے لوگ آپ پر جانیں قربان کر دیں گے۔ اس لیے آپ کی تشریف آوری سے اُمت کو ایک عظیم فائدہ حاصل ہوگا۔ اگر ہمارے مقابلہ میں بلوائی مارے گئے۔ تو اُمت میں پیدا شدہ فتنہ کا قلع قمع ہو جائے گا۔ اور ملت اسلامیہ پھر سے ایک مضبوط اور مستحکم بنیاد پر کھڑی ہو جائے گی۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی خلافت کو درپیش خطرات سے نجات مل جائے گی۔ امور خلافت بخیر و خوبی سرانجام پائیں گے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ فیصلہ کرنے میں کوئی رو کاٹ محسوس نہ کریں گے یوں پھر سے قوت و شوکت اسلام کا بھرپور مظاہرہ ہوگا۔

یہ تو ان حضرات کا فیصلہ تھا۔ اور ایک طرح کی قاتلان عثمان سے قصاص لینے کی ترکیب تھی لیکن تقدیر اس تدبیر پر خندہ تھی۔ حالات نے ایسا رُخ بدلا۔ جس کا اِن حضرات کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔

دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی مجبوریوں پر قابو پانے کی سوچ و بچار میں مصروف تھے۔ انہوں نے جب یہ دیکھا۔ کہ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے ان بلوائیوں پر قابو پانا بہت مشکل ہے۔ اور شریعتِ اسلامیہ کے قواعد کے مطابق خلافت کے امور سرانجام دینا بھی بہت مشکل ہے۔ لہٰذا کیوں نہ ہو۔ کہ مسند خلافت کو مدینہ منورہ کی بجائے کوفہ میں منتقل کر لوں۔ تاکہ وہاں ٹھنڈے دل سے ان حالات پر گرفت مضبوط کرنے کی ترکیب سوچی جائے۔ آخر آپ نے حتمی فیصلہ کر لیا۔ کہ اب مسند خلافت کوفہ ہی منتقل کرنی چاہیئے۔ اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جب آپ نے مدینہ منورہ کو چھوڑنا چاہا۔ تو بڑے بڑے صحابہ کرام نے اس کی مخالفت کی۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے۔ کہ یہ ایک ایسا فیصلہ ہے۔ جس میں مسلمانوں کے

دو مستقل گروہ بنتے نظر آرہے ہیں۔ اور خدانخواستہ کہیں معاملہ باہمی جنگ وجدل تک نہ پہنچ جائے۔

لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں کسی کی بات نہ مانی۔ اور کوفہ جانے کی مکمل تیاری میں تھے۔ کہ ایک جاسوس آیا۔ اور اُس نے بتایا۔ اے خلیفۃ المسلمین! حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم مکہ سے بصرہ روانہ ہو چکے ہیں۔ تاکہ وہاں سے ایک بہت بڑا لشکر ساتھ لائیں۔ اور مدینہ پر حملہ کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ خبر سُنی۔ تو آپ نے سوچا۔ بہتر ہے کہ کوفہ کی بجائے سیدھا بصرہ جاؤں۔ اگر جاسوس کی اطلاع کے مطابق وہ حضرات راستے ہی کہیں مل گئے۔ تو انہیں روکنے کی کوشش کروں گا۔ اور اگر میرے بصرہ پہنچنے تک وہ وہیں رہے۔ تو پھر ان سے ملاقات کر کے افہام وتفہیم کی کوئی راہ نکالوں گا۔ لیکن اطلاع کے مطابق یہ بھی احتمال تھا۔ کہ وہ اپنے ساتھ کچھ فوج لے کر آئیں۔ تو اس بنا پر حضرت علی نے بھی حفظ ماتقدم کے تحت اپنا لشکر ساتھ لے لیا۔ تاکہ شائد اس کی وجہ سے وہ مصالحت پر آمادہ ہو جائیں۔

مختصر یہ کہ جب آپ نے لشکر کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ تو آپ کے مخصوص غلام حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ اور آکر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے چند باتیں کی۔ جن کو ایک شیعہ مصنف علامہ دینوری کتاب "الاخبار الطوال" میں یوں نقل کرتا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ اُسَامَةَ بْنَ زَیْدٍ دَخَلَ فَقَالَ اَعْفِنِیْ مِنَ الْخُرُوْجِ مَعَکَ فِیْ ھٰذَا الْوَجْهِ فَاِنِّیْ عَاھَدْتُ اللّٰهَ اَلَّا اُقَاتِلَ مَنْ یَّشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

الاخبار الطوال ص۱۴۲ مطبوعہ بیروت طبع جدید۔

بیعت علی بن ابی طالب)

ترجمہ:۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔ اور عرض کی۔ حضور! مجھے آپ اپنے ساتھ اس معاملہ میں چلنے کی معافی دے دیں۔ کیونکہ میں نے اللہ رب العزت سے یہ وعدہ کر لیا ہوا ہے کہ کسی کلمہ گو کے خلاف لڑائی نہیں کروں گا۔

اسی طرح ان کے بعد حضرت عقبہ بن عامر بدری رضی اللہ عنہ بھی حاضر خدمت ہوئے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی۔

وَلَمَّا هَمَّ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ بِالْمَسِیْرِ اِلَی الْعِرَاقِ اجْتَمَعَ اَشْرَافُ الْاَنْصَارِ فَاَقْبَلُوْا حَتّٰی دَخَلُوْا عَلٰی عَلِیٍّ فَتَكَلَّمَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ وَكَانَ بَدْرِيًّا فَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ الَّذِیْ يَفُوْتُكَ مِنَ الصَّلٰوةِ فِیْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالسَّعْیِ بَيْنَ قَبْرِهٖ وَمِنْبَرِهٖ اَعْظَمُ مِمَّا تَرْجُوْا مِنَ الْعِرَاقِ۔

(الاخبار الطوال ص۱۴۳)

ترجمہ:۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عراق کی طرف روانگی کا قصد کیا۔ تو بہت سے معزز انصار آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عقبہ بن عامر بدری رضی اللہ عنہ نے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ اے امیر المؤمنین! مسجد نبوی میں آپ کی نماز ادا ہونا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور و منبر شریف کے درمیان آنا جانا جو مدینہ رہ کر آپ کو میسر تھا۔ اس کا

چھوٹ جانا اس سے کہیں عظیم ہے۔ جس کی آپ عراق جا کر امید کئے بیٹھے ہیں۔

اس کے بعد کے واقعات کا خلاصہ از الاخبار الطوال

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا۔ کہ صحابہ کرام کی اکثریت میرے ارادہ کے خلاف ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنا عراق جانا ملتوی فرما دیا۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا۔ جب یہ دونوں حضرات واردِ کوفہ ہوئے تو گورنرِ کوفہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ لوگوں سے خطاب فرما رہے تھے۔ آپ ارشاد فرما رہے تھے۔ " لوگو! اس وقت اُمّت مسلمہ میں سخت فتنہ پیدا ہو چکا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس بارے میں کسی گروہ کا ساتھ نہیں دینا چاہیئے۔ بلکہ ہمیں اپنی تلواریں توڑ کر خاموشی سے گھروں میں بیٹھ جانا چاہیئے۔ تاکہ ایک مسلمان کا ہاتھ دوسرے مسلمان کے خون سے رنگنے نہ پائے۔"

دورانِ خطبہ یہ دونوں حضرات وہاں پہنچ گئے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو خطبہ سے روک کر ایک طرف کر دیا۔ اور خود تمام حاضرین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شمولیت کی دعوت دی۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اس کی پرزور تائید کی۔ جس پر لوگوں نے ان کے ساتھ چلنے کو ترجیح دی۔ اور نو ہزار چھ سو پچاس ۹۶۵۰ افراد ان کے ساتھ کوفہ سے چل پڑے۔ جب یہ لشکر بصرہ کے قریب پہنچا۔ تو ادھر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جس لشکر کو لے کر آ رہے تھے۔ مقام ذیقار جو بصرہ کے بالکل قریب تھا۔ وہاں پہنچ گئے۔ دونوں لشکر اکٹھے ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوچ کا اعلان فرمایا۔ امام حسن نے عرض کی ابا جان! میں نے آپ سے تین باتیں عرض کی تھیں۔ لیکن آپ نے ایک بھی نہ مانی۔ فرمایا۔ بیٹا۔ وہ باتیں کونسی ہیں؟

امام حسن رضی اللہ عنہ کی وہ تین باتیں جو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیں

۱۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد لوگ آپ کے پاس صبح و شام آجا رہے تھے۔ (اور آپ سے یہ کہہ رہے تھے۔ کہ آپ ہمارے خلیفہ بن جائیں۔ ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں۔ تو ابا جان! میں نے اس وقت عرض کیا تھا۔ کہ لَا تَقْبَلْهُ حَتّٰى يَأْتِيَكَ طَاعَةُ جَمِيْعِ النَّاسِ فِي الْآفَاقِ یعنی خلیفہ بننا منظور نہ کریں اور ان کی بیعت نہ لیں۔ جب تک مملکت اسلامیہ کی تمام جوانب و اطراف سے آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا پیغام نہ آجائے۔

۲۔ جب ہمیں معلوم ہوا تھا۔ کہ حضرت سیدہ عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم مکہ سے بصرہ روانہ ہو چکے ہیں۔ تو اس وقت بھی میں نے آپ کے حضور درخواست کی تھی۔ اَنْ تَرْجِعَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَتُقِيْمَ فِيْ بَيْتِكَ۔ یعنی آپ مدینہ واپس تشریف لے چلیں۔ اور اپنے گھر قیام فرمائیں۔ (کیونکہ آپ کے واپس نہ جانے میں مسلمانوں کا باہمی خون خرابہ نظر آتا ہے)۔

۳۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا گیا تھا۔ تو میں نے عرض کی تھی۔ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ فَاِنْ قُتِلَ قُتِلَ وَاَنْتَ غَائِبٌ لَمْ تُقْبَلْ دَاهِيَةٌ بِشَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ یعنی آپ مدینہ سے کہیں باہر چلے جائیں۔ آپ کی عدم موجودگی میں اگر حضرت عثمان قتل کر دیئے گئے۔ تو ٹھیک ہے شہید ہو گئے (لیکن آپ کو اس قتل میں کوئی ملوث نہ کر سکے گا) لیکن افسوس ہے ابا جان! آپ نے ان باتوں میں سے میری ایک بات بھی نہ مانی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان تین باتوں کے متعلق جوابات

۱۔ جب حرمین شریفین کے تمام مہاجرین وانصار نے میری بیعت کر لی ہے۔ اور جس کے بیسے یہ حضرات امر خلافت سپرد کرنے میں راضی ہو جائیں۔ اس کا ماننا تمام لوگوں پر واجب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مجھے تمام اطراف وجوانب سے اطاعت کے پیغامات کا انتظار کرنے کی کیا پڑی تھی؟

۲۔ جب میں مدینہ سے باہر نکل چکا تھا۔ اور اس کے باوجود مجھے اس بات کا بھی علم تھا۔ کہ امت عنقریب ایک بہت بڑے فتنہ سے دوچار ہونے والی ہے۔ تو ایسی صورت میں خاموشی کے ساتھ مدینہ منورہ واپسی دراصل اُمت سے بہت بڑی غداری تھی۔ اس سے اُمت میں اتفاق کی بجائے انتشار بڑھ جاتا۔

۳۔ جب حضرت عثمان غنی کا لوگوں نے گھیراؤ کر لیا تھا۔ تو تم نے مجھے یہ یہ مشورہ دیا۔ اس سے قبل اگر کوئی بات ہوتی۔ تو شاید اس پر عمل کرنا آسان ہوتا۔ لیکن گھیراؤ کے بعد۔ فَكَيْفَ اَمْكَنَنِيْ ذٰلِكَ وَقَدْ كَانَ النَّاسُ اَحَاطُوْا بِيْ كَمَا اَحَاطُوْا بِعُثْمَانَ ایسے وقت میں میرے لیے مدینہ سے نکل جانا کیونکر ممکن تھا۔ جبکہ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرح میرا بھی گھیراؤ کر لیا تھا۔ میں خود محصور ہو چکا تھا۔

الاخبار الطوال ص ۱۴۳۔۱۴۶ فی بیعت علی ابن ابی طالب (مطبوعہ بیروت طبع جدید)

صلح کے بعد یہ جنگ قاتلان عثمان کی شرانگیزی کے سبب بلا ارادہ چھڑ گئی تھی

حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ میں پہنچے۔ تو جانبین میں مسلمان ہونے اور اسلام کا درد رکھنے کی وجہ سے گفتگو شروع ہوگئی۔ تاکہ صلح کی کوئی صورت نکل آئے۔

جنگ جمل کے موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے حمد وثنا کے بعد جہالت کی بدبختی اور اسلام کی سعادت کا ذکر کیا۔ اور اُمت کے اتفاق پر اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو ذکر فرمایا۔ اور یاد دلایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین خلفاء کے ذریعہ اُمت کو متفق رکھا۔ اور فرمایا۔ آج ہم جس حادثے سے دوچار ہیں۔ اسے ایک ایسے گروہ نے اُمت پر مسلط کیا ہے۔ جس کا مطلب ہی دنیا طلبی ہے۔ اس اُمت پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اس گروہ نے حسد کیا! اسلام کو ختم کرنے کی ٹھانی۔ یہ لوگ زمانہ جاہلیت کو واپس لانا چاہتے ہیں۔ اللہ ہی ہر کام کی انتہاء جاننے والا ہے۔

سنو! میں کل مدینہ منورہ واپس جا رہا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ کوچ کرو۔ وہ لوگ میرے ساتھ ہرگز نہ چلیں۔ جنہوں نے حضرت عثمان پر طعن کرنے یا قتل کرنے میں کسی قسم کی اعانت کی۔ ایسے بے وقوفوں کو اپنے نفس پر ملامت کرنی چاہیئے۔ جب عبداللہ بن سباء کی پارٹی نے یہ سُنا۔ تو ان کے پاؤں سے زمین نکل گئی۔ اور ان کو یقین ہوگیا۔ کہ صلح کا وبال انہی پر ہے۔ اگر یہ صلح تمام ہوگئی۔ تو ان کے قتل پر منتج ہوگی۔ کیونکہ علی قصاص طلب کرنے والوں سے زیادہ عالم ہے اور وہ کتاب اللہ پر عمل کرنے میں بھی ان سے قریب ہے لہٰذا وہ جلد کتاب اللہ پر عمل کرے گا۔ چنانچہ اس مصالحت کو ختم کرنے کے لیے انہوں نے آپس میں ایک میٹنگ کی۔ جس میں اشتر علیاء بن ہیثم عدی بن حاتم

سالم ابن ثعلبہ شریح ابن اوفی شامل تھے عبداللہ بن سباء نے ہر ایک کا مشورہ سن کر کہا "بئس الرائی" تمہاری رائے بری ہے۔ اور آخر میں اپنا مشورہ دیتے ہوئے یوں کہا "اے میری قوم! تمہاری کامیابی اسی میں ہے۔ کہ لوگوں میں مل کر رہو۔ جب لوگ ایک دوسرے سے ملیں۔ تو لڑائی برپا کر دو۔ اور ان کو سوچنے کی مہلت ہی نہ دو۔ تم جس کے ساتھ ہو گے۔ وہ رک نہیں سکے گا۔ اور یوں اللہ تعالیٰ طلحہ، زبیر، علی اور ان کے ساتھیوں کو جنگ میں الجھا کر صلح سے غافل کر دے گا۔ اپنی رائے پختہ کر لو۔ اور لوگوں کو اس بات کا علم نہ ہونے دو۔

(کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۳۴ تا ۲۳۶ مطبوعہ بیروت ذکر مسیرۃ)

تفسیر قرطبی:

وَقَالَ جُمْلَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ اِنَّ الْوَقْعَةَ بِالْبَصْرَةِ بَيْنَهُمْ كَانَتْ عَلٰى غَيْرِ عَزِيْمَةٍ مِّنْهُمْ عَلَى الْحَرْبِ بَلْ فُجَاءَةً وَّ عَلٰى سَبِيْلِ دَفْعِ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْفَرِيْقَيْنِ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لِظَنِّهِ اَنَّ الْفَرِيْقَ الْاٰخَرَ قَدْ غَدَرَ بِهٖ لِاَنَّ الْاَمْرَ كَانَ قَدِ انْتَظَمَ بَيْنَهُمْ وَ تَمَّ الصُّلْحُ وَ التَّفَرُّقُ عَلَى الرِّضَا فَخَافَ قَتَلَةُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنَ التَّمْكِيْنِ مِنْهُمْ وَالْاِحَاطَةِ بِهِمْ فَاجْتَمَعُوْا وَتَشَاوَرُوْا وَاخْتَلَفُوْا ثُمَّ اتَّفَقَتْ اٰرَاؤُهُمْ اَنْ يَّفْتَرِقُوْا فَرِيْقَيْنِ

يَبْدَؤُا بِالْحَرْبِ سَحْرَةً فِي الْعَسْكَرَيْنِ وَتَخْتَلِفَ السِّهَامُ بَيْنَهُمْ وَيَصِيحَ الْفَرِيقُ الَّذِي فِي عَسْكَرِ عَلِيٍّ غَدَرَ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَالْفَرِيقُ الَّذِي فِي عَسْكَرِ طَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ غَدَرَ عَلِيٌّ فَتَمَّ لَهُمْ ذٰلِكَ عَلٰى مَادَبَّرُوهُ وَنَشَبَتِ الْحَرْبُ فَكَانَ كُلُّ فَرِيقٍ دَافِعًا لِمَكْرِيْنِهٖ عِنْدَ نَفْسِهٖ وَمَانِعًا مِنَ الْإِشَاطَةِ بِدَمِهٖ وَهٰذَا صَوَابٌ مِنَ الْفَرِيقَيْنِ وَطَاعَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى إِذْ وَقَعَ الْقِتَالُ وَالْإِمْتِنَاعُ مِنْهُمَا عَلٰى هٰذِهِ السَّبِيلِ وَهٰذَا هُوَ الصَّحِيحُ الْمَشْهُورُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔

(تفسیر قرطبی جلد ۱۶ سورۃ حجرات ص ۳۱۸ تا ۳۱۹

مطبوعہ قاہرہ طبع جدید)

ترجمہ: اہل علم کے اچھے خاصے طبقہ نے کہا کہ بصرہ میں جنگ غیر ارادی تھی۔ یہ تو اچانک چھڑ گئی۔ اور باوجود اس کے کہ ہر ایک فریق یہ چاہتا تھا۔ کہ اپنا دفاع کرے۔ اس ظن پر کہ دوسرے فریق نے دھوکہ کیا ہے۔ کیونکہ معاملہ ان دونوں فریقوں کے درمیان سلجھ چکا تھا۔ اور صلح مکمل ہو چکی تھی اور یہ کہ رضامندی کے ساتھ ہر فریق منتشر ہو جائے۔

حضرت عثمان کے قاتلین کو خوف ہوا۔ کہ اس طرح یہ قابو میں آجائیں گے۔ اور گھیرے جائیں گے۔ تو یہ اکٹھے ہوئے۔ مشورہ کیا۔ اختلاف رائے ہوا۔ پھر اس بات پر سبھی متفق ہو گئے۔ کہ ہم دو حصوں میں بٹ جاتے ہیں۔ اور دونوں فوجوں کے درمیان جادوانہ انداز میں لڑائی شروع کرا دیتے ہیں۔ اِدھر اُدھر تیر چلیں گے۔ (لہٰذا وہ دو حصوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک فریق حضرت علی کی فوج میں اور دوسرا حضرت طلحہ کی فوج میں جا گھسا)

حضرت علی کے لشکر میں گھسنے والے فریق نے شور مچایا۔ کہ طلحہ اور زبیر وعدہ سے پھر گئے ہیں۔ اور دوسرے فریق نے جو حضرت طلحہ کے لشکر میں تھا۔ شور مچایا۔ کہ حضرت علی نے معاہدہ توڑ دیا ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنا داؤ مکمل کیا۔ اور لڑائی بھڑک اٹھی۔ ہر فریق اس مکر کا اپنی طرف سے دفاع کرتا اور اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے سے مدافعت کرتا رہا۔ اور فریقین کا یہ رویہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور باہمی بھلائی کی خاطر تھا۔ اس جنگ کی ابتداء یوں ہوئی۔ اور ان دونوں گروہوں کا جنگ نہ کرنے کا اصل یہ تھا اور جنگ کی صورت جو بیان ہوئی۔ یہی مشہور اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شیعہ تاریخ روضۃ الصفاء سے تفسیر قرطبی اور کامل ابن اثیر کے مضمون کی تائید و توثیق

روضۃ الصفاء:۔

دراں چند روز کہ ہر دو فریق در برابر ہم نشستہ بودند از ہر دو جانب اہل صلاح وسداد تردد نمودہ در اصلاح سعی واہتمام مینمودند۔ چوں قریب باں شد کہ مہم مصالحت تمشیت پذیرفتہ مادہ وحشت ونزاع برطرف گردد۔ قتلہ عثمان در شبی کہ روز دیگر اتفاق مقاتلہ اتفاق افتد ترتیب تا ثیر صبح صادق بر باد پایاں عربی سوار شدند۔ وبجانب معسکر عائشہ تاختن کردند۔ وچوں بمفار لشکرگاہ رسیدند دست بتیر انداختن بردند وازیں حرکت شورش درمیان سپاہ پیدا شدہ تصور کردند۔ کہ عساکر نصرت قرین بہ فرمان امیر المومنین بر شبخون اقدام نمودہ اند۔ طلحہ وزبیر چوں برایں حال مطلع شدہ گفتند

ما دانستہ ایم کہ ابن ابی طالب ہرگز دست از جنگ باز ندارد و خاطر او از خون ریختن متبرم و ملول نگردد۔ آنگاہ بر ترتیب و تجہیز سپاہ پرداختہ ہودج عائشہ را کہ بصفائح حدید استحکام دادہ بودند بر شتری قوی ہیکل کہ یعلی بن امیہ برسم تحفہ جہت او آوردہ بود بار کردند۔ و طائفہ از دلیران لشکر بدفع قتلہ عثمان مشغول شدہ بر ایشاں حملہ بردند۔ و آں جماعت بعد از آنکہ جمعے را کشتند۔ و برخی را مجروح ساختند۔ روئی بہزیمت آوردند۔ و سپاہ عائشہ ارباب مکر و حیلہ را نعاقب نمودہ ایشاں خود را درمیان معسکر ظفر انجام افگندند و آوازہ در انداختند۔ کہ اینک طلحہ و زبیر شبخون آوردند غوغا درمیان لشکر ظفر انتساب پدید آمدہ گفتند کہ مارا معلوم است۔ کہ از ابن عبد اللہ و پسر عوام جز غدر و نقض پیمان امرے دیگر توقع نتواں داشت۔ و امیر المومنین علی نیز دل بر حرب نہادہ بتسویہ صفوف و تعبیر لشکر پرداختہ و درمیان لشکر نصرت انتساب حضرت ولایت مآب ہفت علم بود و ہر علمی از آں تعلق با امیرے گرفتہ بود۔

(تاریخ روضۃ الصفا جلد دوم ص ۴۸۴ - ۴۸۵
جلد دوم ذکر خلافت امیر المومنین۔ مطبوعہ نولکشور
طبع قدیم)

ترجمہ:۔ ان چند دنوں میں جبکہ دونوں لشکر آمنے سامنے پڑاؤ ڈالے بیٹھے تھے دونوں طرف کے امن پسند اور صلح جو حضرات نے حالات سنوارنے میں انتہائی کوششیں کی۔ جب ان کی صلح کی کوششیں بار آور ہوتی نظر آئیں۔ اور باہمی جھگڑا اور اجنبیت ختم ہوتے دکھائی دینے لگے۔ حضرت عثمان غنی کے قاتلین اس رات جس کے ختم ہونیکے بعد دن میں لڑائی

شروع ہوئی۔ صبح سویرے تیز رفتار عربی گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کی طرف تباہی پھیلاتے ہوئے پہنچے۔ جب لشکر کے قریب پہنچے تو تیراندازی بند کردی۔ ان کی اس حرکت سے بہت ہنگامہ بپا ہوگیا۔ فوج نے گمان کیا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فوجیوں نے ان کے حکم سے ہم پر شبخون مارا۔ جب حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہ کو اس حالت کا علم ہوا۔ کہنے لگے۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ ابوطالب کے بیٹے (حضرت علی) نے جنگ سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اوران کا دل باہم خون ریزی سے پریشانی محسوس نہیں کرتا۔ اس کے بعد اپنی افواج کی تیاری میں مصروف ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہودج جو لوہے کی پتریوں کے ساتھ مضبوطی سے جڑا ہوا تھا۔ اسے ایک مضبوط اور بارعب اونٹ پر رکھ دیا۔ یہ اونٹ مائی صاحبہ کو یعلی بن امیہ نے بطور تحفہ دیا تھا۔ مائی صاحبہ اونٹ پر بیٹھ گئیں۔ اور فوجیوں میں سے ایک بہادر دستہ، حضرت عثمان کے قاتلوں کے خلاف حرکت میں آیا۔ ان پر حملہ کر کے بہت سے آدمیوں کو جان سے مار ڈالا۔ اور کچھ زخمی ہوگئے۔ انہوں نے شکست اٹھائی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج نے ان مکار اور حیلہ بازوں کا تعاقب کیا۔ یہ بھاگتے بھاگتے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں جا گھسے۔ اور وہاں جا کر شور مچا دیا۔ کہ دیکھو۔ طلحہ اور زبیر شبخون مار رہے ہیں۔ حضرت علی کے لشکر میں شور مچ گیا۔ لوگوں نے کہا۔ ہمیں معلوم تھا۔ کہ عبداللہ کا بیٹا (طلحہ) اور عوام کا بیٹا (زبیر) غدر اور وعدہ خلافی کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جنگ کے لیے آمادہ ہوگئے۔ صفوں کو درست کرتے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں سات آدمی جھنڈا بردار تھے۔ اور ہر جھنڈا

ایک سالار کے ماتحت تھا۔

اخبار الطوال اور روضۃ الصفاء کی عبارات سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ جنگ جمل میں شریک دونوں فریق مسلمان تھے۔ ان میں کوئی بھی غیر مسلم نہ تھا۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے عرض کی تھی۔ میں کسی کلمہ گو کے خلاف لڑنے سے معذرت چاہتا ہوں۔ اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ آپ جس مقصد کے لیے عراق کا رُخ کر رہے ہیں۔ اس سے کہیں بہتر مسجد نبوی میں نماز پڑھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ و منبر سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنا ہے۔ کیونکہ وہاں جا کر مسلمانوں کی باہمی خونریزی ہوگی۔ جو کسی صورت بھی اچھی بات نہیں۔

۲۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جو تین باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے۔ ابا جان! آپ سمجھتے تھے۔ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت میں ہمارا ہاتھ نہیں۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکماً امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو حضرت عثمان کی حفاظت پر مامور کیا تھا اور شہادت کی خبر ملنے پر حضرت علی نے ان کے منہ پر طمانچے بھی لگائے تھے۔ مروج الذہب جلد دوم ص۳۴۵) مگر ان باغیوں سے جب قصاص لینا مشکل ہوگیا۔ تو لوگ ہمیں بھی قتل عثمان میں ملوث کرنے لگے۔ حضرت علی نے جواباً فرمایا۔ کہ تم مدینہ چھوڑ کر یہاں سے بھاگ جانے کا مشورہ دیتے تھے۔ میں کیسے بھاگ سکتا تھا۔ جبکہ میں بھی حضرت عثمان کی طرح گھیرے میں لیا گیا تھا۔

۳۔ بصرہ میں دونوں گروہوں میں تقریباً صلح و صفائی ہو گئی تھی۔ لیکن قاتلانِ عثمان نے جب یہ بھانپ لیا۔ کہ اگر آج کی رات بخیر و عافیت گذر گئی۔ تو صبح ہماری خیر نہیں۔ لہٰذا انھوں نے ایک سکیم کے تحت دونوں گروہوں میں جنگ کرا دی۔ اس جنگ کے لیے کوئی بھی گروہ نہ راضی تھا۔ اور نہ تیار تھا۔ یہ سب کچھ عبد اللہ بن سباء کی ناپاک کوششوں کا نتیجہ تھا۔ کامل ابن اثیر نے اس کی وضاحت کر دی۔ اس کے ساتھ ابن اثیر نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ قاتلانِ عثمان غنی یہ جانتے تھے۔ کہ حضرت علی ہم سے قصاص صرف اس وجہ سے نہیں لے رہے۔ کہ ان کی خلافت کے پاؤں ابھی اتنے مضبوط نہیں۔ جونہی استحکام ہوا۔ ہماری گردنیں قصاص میں ضرور اڑائی جائیں گی۔ کتاب اللہ پر عمل کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اولین پروگرام ہے۔

الحاصل :-

جنگ جمل کا دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کا بھی ارادہ نہ تھا۔ بلکہ ایک یہودی (عبد اللہ بن سباء) کی سازش تھی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں غلط فہمی ہو گئی۔ حالانکہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو مسلمان و مومن سمجھتے ہوئے صلح کے قریب پہنچ چکے تھے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں یہ آیت سنائی تھی۔

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا الخ

(مناقب ابن شہر آشوب فی حرب الجمل جلد سوم
ص ۱۵۵ مطبوعہ قم جدید)

جس کا واضح مطلب یہ ہے۔ کہ جس طرح حضرت علی اپنے لشکر و گروہ کو مومن سمجھتے

تھے۔اسی طرح حضرت طلحہ وزبیر اور ام المومنین حضرت عائشہ کے گروہ کو بھی مومن سمجھتے تھے۔امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا۔کہ آیت مذکورہ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔فرمایا۔یہ آیت (وان طائفتان من المومنین الخ) جنگ جمل کے بارے میں ایک پیشین گوئی تھی۔

(فروع کافی جلد ہشتم صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ تہران طبع جدید
الذین خرجوا یوم البصرہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلاوتِ آیت اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا اِسے جنگ جمل کی پیش گوئی فرمانا دونوں اس امر کی تصدیق کرتی ہیں۔کہ جنگ جمل کے فریقین مسلمان تھے۔اور غلط فہمی کی بنا پر جنگ پر اُترے۔ایک دوسرے کو عہد شکن سمجھتا تھا۔دوسرا پہلے کو وعدہ خلاف سمجھ رہا تھا۔لیکن وعدہ خلافی اور نقض عہد کسی جانب سے بھی نہ تھا۔بلکہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کی چال تھی۔جس سے لڑائی چھڑ گئی لہٰذا یہ جنگ بطور باہمی عناد وحسد وبغض نہ ہوئی۔بلکہ خطاء اجتہادی کی وجہ سے یہ نوبت آئی۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

خطاء اجتہادی پر چند کارآمد حوالہ جات از کتب شیعہ۔

جنگ جمل میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کی شمولیت اجتہادی خطاء کی وجہ سے تھی

حوالہ نمبر (۱) الاخبار الطوال :۔

غلط فہمی کی بنا پر جب جنگ چھڑ گئی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلوا کر یاد دلایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری موجودگی میں تم سے پوچھا تھا۔ کہ تمہیں علی (رضی اللہ عنہ) سے محبت ہے؟ تم نے کہا تھا۔ ہاں مجھے علی سے محبت ہے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔ ایک دن تیری علی کے ساتھ لڑائی ہوگی۔ اور تو غلطی پر ہوگا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ہاں مجھے یاد آگیا اس کے بعد حضرت علی اپنے لشکر کی طرف چلے گئے۔ تو جنگ زور پکڑ گئی۔ پھر اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سمجھانے پر اپنی اجتہادی غلطی کا یوں ازالہ کیا۔

فَقَالَ یَا بُنَیَّ اَنَا مُنْصَرِفٌ قَالَ وَکَیْفَ یَا اَبَتِ قَالَ مَالِیَ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ مِنْ بَصِیْرَةٍ وَقَدْ ذَکَّرَنِیْ عَلِیٌّ اَمْرًا قَدْ کُنْتُ غَفَلْتُ عَنْهُ فَانْصَرِفْ یَا بُنَیَّ مَعِیَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَا اَرْجِعُ اَوْ یَحْکُمُ اللّٰهُ بَیْنَنَا فَتَرَکَهُ الزُّبَیْرُ وَمَضٰی نَحْوَ الْبَصْرَةِ لِیَتَحَمَّلَ مِنْهَا وَیَمْضِیْ بِنَحْوَ

الْحِجَازِ - وَيُقَالُ اِنَّ طَلْحَةَ لَمَّا عَلِمَ بِانْصِرَافِ الزُّبَيْرِ هَمَّ اَنْ يَنْصَرِفَ فَعَلِمَ مَرْوَانُ ابْنُ الْحَكَمِ مَا يُرِيْدُهُ فَرَمَاهُ بِسَهْمٍ فَوَقَعَ فِيْ رُكْبَتِهٖ فَنَزَفَ حَتّٰى مَاتَ -

(الاخبار الطوال ص۱۴۸ وقعۃ الجمل مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو کہا، بیٹا، میں جنگ لڑنا چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ بیٹا بولا۔ ابا جان! کیونکر؟ کہا مجھے یہ کام نہیں آتا ہے بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک بات یاد دلائی۔ جس سے میں غافل ہو گیا تھا۔ تو اے بیٹے! تو بھی میرے ساتھ چل۔ عبداللہ نے کہا۔ خدا کی قسم! میں نہیں جاؤں گا۔ یا اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ حضرت زبیر نے اُسے چھوڑا اور بصرہ کی طرف چل دیئے۔ تاکہ وہاں سے کوئی سواری مل جائے۔ اور پھر حجاز چلے جائیں۔

بیان کیا گیا ہے۔ کہ جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حضرت زبیر کے جانے کا علم ہوا۔ تو انہوں نے بھی واپسی کا ارادہ کر لیا۔ لیکن اس کا علم مروان بن حکم کو ہو گیا۔ تو اُس نے ان کے گھٹنے میں تیر مارا۔ جو چبھ گیا۔ اور اتنا خون بہہ نکلا۔ کہ آپ فوت ہو گئے۔

حوالہ نمبر ۲ کشف الغمہ:

جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زور سے آواز دی۔ زبیر کہاں ہے؟

اسے چاہیئے کہ میری طرف آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر لوگوں نے کہا۔ اے امیر المومنین! آپ بغیر مسلح ہوتے کے زبیر (رضی اللہ عنہ) کی طرف جا رہے ہیں جبکہ وہ لوہے سے مسلح ہے (ابن حدید نے مزید نقل کرتے ہوئے لکھا۔ کہ لوگوں نے یہ بھی کہا۔ وَاَنْتَ تَعْرِفُ شَجَاعَتَهٗ قَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ لِقَاتِلِي۔ یعنی آپ زبیر کی بہادری کو جانتے ہیں۔ فرمایا۔ وہ میرا قاتل نہیں ہو سکتا) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ لَيْسَ عَلَيَّ مِنْهُ بَاْسٌ یعنی مجھے زبیر (رضی اللہ عنہ) سے کوئی خوف نہیں۔ تو جب حضرت زبیر حضرت علی کے پاس آئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے زبیر! تجھے وہ دن یاد ہے۔ جبکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے فرمایا تھا۔ کہ آیا تجھے علی سے پیار ہے؟ تو تو نے جواب دیا تھا۔ وَمَا يَمْنَعُنِيْ مِنْ حُبِّهٖ وَهُوَ ابْنُ خَالِيْ۔ کونسی چیز مجھے ان کی محبت سے روک سکتی ہے۔ جبکہ وہ میرے ماموں کے بیٹے ہیں۔ تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے فرمایا۔

وَلَتَخْرُجَنَّ عَلَيْهِ يَوْمًا وَاَنْتَ ظَالِمٌ لَهٗ؛ فَقَالَ الزُّبَيْرُ اَللّٰهُمَّ بَلٰى وَلٰكِنْ اَنْسَيْتُ فَاَمَّا اِذَا ذَكَّرْتَنِيْ ذٰلِكَ فَلَاَ تَصْرِفَنَّ عَنْكَ وَلَوْ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَمَا خَرَجْتُ عَلَيْكَ۔

(کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ جلد اول ص۲۴۱ فی شجاعتہ علیہ السلام مطبوعہ تبریز طبع جدید)

(شرح نہج البلاغۃ ابن حدید جلد اول ص۲۰ قول فی ذہاب طلحہ والزبیر الی المکہ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

(تاریخ یعقوبی جلد دوم ص۱۸۲ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: تو ضرور ایک دن اس پر خروج کرے گا۔ اور تو اس پر زیادتی کرنے والا ہوگا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ باتیں ہوئی تھیں۔ لیکن مجھے یاد نہ رہا۔ اب جبکہ تم نے مجھے یاد دلادی۔ تو میں آپ کے سامنے سے دل لڑائی کرنے سے واپس جا رہا ہوں۔ کاش کہ آپ نے پہلے یاد دلایا ہوتا۔ تو میں آپ پر خروج ہی نہ کرتا۔

حوالہ نمبر۳ مروج الذہب :۔

جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بنفس نفیس غیر مسلح ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر شریف پر سوار ہو کر نکلے۔ تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو آواز دی "میری طرف آیئے" حضرت زبیر، حضرت علی کے پاس آئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پیار و محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور ایک دوسرے کو گلے لگا لیا۔ اس کے بعد حضرت علی نے فرمایا۔ زبیر! تمھیں وہ دن یاد ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے بنی بیاضہ میں ملاقات کی۔ آپ گدھے پر سوار تھے۔ تو آپ میرا چہرہ دیکھ کر مسکرائے۔ اور میں آپ کا چہرہ انور دیکھ کر مسکرایا۔ اس وقت تو (زبیر) آپ کے ساتھ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے دریافت کیا تھا۔ تجھے علی سے محبت ہے؟ تو تو نے کہا تھا۔ خدا کی قسم! میں ان سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ایک دن تو علی پر چڑھائی کرے گا۔ اور زیادتی تیری ہوگی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بولے۔ استغفر اللہ! خدا کی قسم اگر تم مجھے پہلے بتا دیتے۔ تو میں کبھی چڑھائی نہ کرتا۔ اس پر حضرت علی نے فرمایا۔ زبیر! جنگ چھوڑ کر چلا جا۔ جناب زبیر نے کہا۔ اب جبکہ جنگ چھڑ چکی ہے۔ تلواریں آپس میں مل چکی ہیں۔ ایسے میں نکل کر جانا بڑی شرم کی بات ہے۔ حضرت علی نے کہا۔ چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ شرم اور آگ تمہارے لیے دونوں اکٹھی ہو جائیں۔ اس پر حضرت زبیر جنگ چھوڑ کر چلے گئے۔ جب ان

کے بیٹے عبداللہ نے پلٹ کر دیکھا۔ تو پوچھا۔ ابا جان! انہیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؛ فرمایا۔ بیٹے! حضرت علی نے مجھے وہ بات یاد دلا دی۔ جو میں بھول چکا تھا۔ یہ سن کر آپ کے بیٹے عبداللہ نے بطور طعنہ کہا۔ بات یہ نہیں۔ بلکہ آپ بنی عبدالمطلب کی تلواروں سے ڈر گئے ہیں۔ تو اس بات کا حضرت زبیر نے یوں جواب دیا۔

لَا وَاللّٰهِ وَلٰكِنِّیْ ذُكِّرْتُ مَا اَنْسَانِيْهِ الدَّهْرُ فَاخْتَرْتُ الْعَارَ عَلَى النَّارِ۔ خدا کی قسم بات وہ نہیں جو تم نے کہی۔ ہاں مجھے ایک بھولی بسری بات یاد دلا دی گئی۔ تو میں نے شرم کو آگ کے بدلہ پسند کرتے ہوئے جنگ سے منہ موڑ لیا ہے۔

(مروج الذہب للمسعودی جلد دوم ص ۳۶۲-۳۶۲
مطبوعہ بیروت طبع جدید۔ ذکر بین علی والزبیر)
(شرح نہج البلاغۃ ابن حدید جلد اول ص ۶۷
القول فی ذہاب طلحہ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

"ابن حدید" نے یوں لکھا ہے۔ کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اَتُحِبُّنِیْ عَلٰى حَرْبِهٖ اَمَا عَنِّیْ قَدْ حَلَفْتُ اَلَّا اُحَارِبَهٗ۔ یعنی تو مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ پر اکساتا ہے۔ لیکن میں قسم کھا چکا ہوں کہ ان سے نہیں لڑوں گا۔

حوالہ نمبر ۴ کامل ابن اثیر:۔

وَقَالُوْا لِیْ يَا اَخَا عُرَيْنَةَ هَلْ لَكَ دَلَالَةٌ بِالطَّرِيْقِ؟ قُلْتُ اَنَا مِنْ اَدَلِّ النَّاسِ قَالُوْا فَسِرْ مَعَنَا فَسِرْتُ مَعَهُمْ فَلَا اَمُرُّ عَلٰى

وَادٍ اِلَّا سَاَلُوْنِیْ عَنْهُ حَتّٰی طَرَقْنَا الْحَوَابَ وَهُوَ مَاءٌ فَنَبَحَتْنَا كِلَابُهٗ فَقَالُوْا اَیُّ مَاءٍ هٰذَا؟ فَقُلْتُ هٰذَا مَاءُ الْحَوَابِ فَصَرَخَتْ عَائِشَةُ بِاَعْلٰی صَوْتِهَا وَقَالَتْ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اِنِّیْ لَهِیَهْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَعِنْدَهٗ نِسَاءُهٗ لَیْتَ شِعْرِیْ اَیَّتُكُنَّ تَنْبَحُهَا كِلَابُ الْحَوَابِ ثُمَّ ضَرَبَتْ عَضُدَ بَعِیْرِهَا فَاَنَاخَتْهُ وَقَالَتْ رُدُّوْنِیْ اَنَا وَاللّٰهِ صَاحِبَةُ مَاءِ الْحَوَابِ فَاَنَاخُوْا حَوْلَهَا یَوْمًا وَّلَیْلَةً فَقَالَ لَهَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ الزُّبَیْرِ اَنَّهٗ كَذِبَ وَلَمْ یَزَلْ بِهَا وَهِیَ تَمْتَنِعُ فَقَالَ لَهَا النَّجَاءُ النَّجَاءُ قَدْ اَدْرَكَكُمْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فَارْتَحَلُوْا نَحْوَ الْبَصْرَةِ۔

(الکامل فی التاریخ لابن الاثیر جلد سوم ص۲۱۰
ذکر ابتداء وقعۃ الجمل مطبوعہ بیروت جدید)

ترجمہ:۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم جب مکہ سے روانہ ہوئے تو قبیلہ عرینہ کا ایک آدمی ملا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں یہ راستہ آتا ہے۔ وہ بولا میں نے کہا۔ مجھ سے بڑھ کر اس راستہ کا جاننے والا کون ہوگا؟ ان سب نے کہا۔ پھر ہمارے ساتھ چلو۔ میں چل پڑا۔ راستے میں جس وادی سے گذرتے۔ مجھے اس کے متعلق پوچھتے میں بتا دیتا۔ یہاں تک کہ ہم "حواب" پہنچے۔ یہ ایک پانی کا چشمہ تھا۔ تو

وہاں کے کتوں نے ہم پر بھونکنا شروع کر دیا۔ پوچھا یہ کونسا پانی ہے۔ میں نے کہا۔ حواب کا چشمہ ہے۔ یہ سُن کر حضرت عائشہ نے زوردار چیخ ماری۔ اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور فرمانے لگیں۔ میں آگے نہیں جاؤں گی کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سُنا تھا۔ اس وقت دوسری ازواج مطہرات بھی موجود تھیں۔ کاش میں جان لیتا۔ کہ تم میں سے کس پر حواب کے کُتے بھونکیں گے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اونٹ کے پاؤں باندھ کر بٹھا دیا۔ اور فرمایا۔ مجھے واپس بھیج دو۔ خدا کی قسم! میں ہی "صاحب حواب" ہوں۔ لوگوں نے ان کے اِرد گرد اونٹ بٹھا دیئے۔ ایک دن رات گذر گیا۔ تو عبداللہ بن زبیر نے کہا۔ راستہ بتانے والے نے نام غلط بتایا ہے۔ سیدہ رضی اللہ عنہا سے یہی کہتے رہے۔ اور وہ منع کرتی رہیں۔ حضرت عبداللہ نے کہا۔ جلدی کیجئے ایسا نہ ہو۔ کہ کہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ تمہیں آلیں۔ اس کے بعد انہوں نے کوچ کیا۔ اور جانب بصرہ روانہ ہو گئے۔

حوالہ نمبر ۵ مناقب آل ابی طالب :-

فَتَقَدَّمَتْ عَائِشَةُ اِلَى الْحَوْئَبِ وَهُوَ مَاءٌ نُسِبَ اِلَى الْحَوْئَبِ بِنْتِ كَلْبِ بْنِ وَبَرَةَ فَصَاحَتْ كِلَابُهَا فَقَالَتْ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ رُدُّوْنِيْ۔ ذَكَرَ الْاَعْثَمُ فِي الْفُتُوْحِ وَالْمَاوَرْدِيْ فِيْ اَعْلَامِ النُّبُوَّةِ وَشِيْرَوَيْهِ فِي الْفِرْدَوْسِ وَاَبُوْ يَعْلٰى فِي الْمُسْنَدِ وَابْنُ مَرْدُوَيْهِ فِيْ فَضَائِلِ اَمِيْر

اَلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُوَفَّقِ فِي الْاَرْبَعِيْنَ وَالشَّعْبِهِ وَالشَّعْبِي وَسَالِمُ بْنُ اَبِي الْجَعْدِ فِي اَحَادِيْثِهِمْ وَالْبَلَاذُرِي وَالطَّبَرِي فِي تَارِيْخِهِمَا اَنَّ عَائِشَةَ لَمَّا سَمِعَتْ نُبَاحَ الْكِلَابِ قَالَتْ اَيُّ مَاءٍ هٰذَا؟ فَقَالُوا الْحَوْئَبُ قَالَتْ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اِنِّي لَهِيَتُهُ قَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ نِسَاءُهُ يَقُوْلُ لَيْتَ شِعْرِي اَيَّتُكُنَّ تَنْبَحُهَا كِلَابُ الْحَوْئَبِ؟ وَفِي رِوَايَةِ الْمَاوَرْدِي اَيَّتُكُنَّ صَاحِبَةُ الْجَمَلِ الْاَدِيْبِ تَخْرُجُ فَتَنْبَحُهَا كِلَابُ الْحَوْئَبِ يُقْتَلُ مِنْ يَمِيْنِهَا وَيَسَارِهَا قَتْلَى كَثِيْرٌ وَتَنْجُوْ بَعْدَ مَا كَادَ تُقْتَلُ۔

(مناقب آل ابی طالب جلد سوم ص ۱۴۹ فی حرب الجمل
مطبوعہ قم طبع جدید)

(مروج الذہب للمسعودی جلد دوم ص ۳۵۷
ذکر الاخبار عن یوم الجمل۔ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا "حوئب" پہنچیں۔ یہ حوئب بنت کلیب بن وبرہ نامی لڑکی کی طرف منسوب ہے۔ اس کے کتے ان پر بھونکے۔ تو حضرت عائشہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور فرمایا۔ مجھے واپس بھیج دو۔ اعثم نے فتوح میں، ماوردی نے اعلام النبوۃ میں، شیرویہ نے فردوس میں، ابویعلی نے مسند میں، ابن مردویہ نے فضائل امیر المومنین میں، موفق نے اربعین میں، شعبہ، شعبی اور سالم بن ابی جعد نے اپنی اپنی احادیث میں اور بلاذری و طبری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا۔ کہ جب حضرت عائشہ رضی

اللہ عنہا نے وہاں کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی۔ تو پوچھا کونسا پانی ہے؛ لوگوں نے کہا۔ حوئب۔ مائی صاحبہ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور کہا میں بھول گئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا۔ اس وقت دیگر ازواج مطہرات بھی بیٹھی تھیں۔ فرمایا کاش مجھے پتہ چل جائے۔ کہ تم میں سے کس پر حوئب کے کتے بھونکیں گے؛ ماوردی کی روایت میں ہے۔ کہ حضور نے فرمایا۔ کاش مجھے پتہ ہوتا۔ کہ تم میں سے کون ہے۔ جو بہترین اونٹ پر سوار ہو کر نکلے گی۔ پھر اس پر حوئب کے کتے بھونکیں گے۔ اس کے دائیں بائیں کثیر تعداد میں مقتول ہوں گے۔ اور قتل ہوتے ہوتے وہ بچ جائے گی۔

حوالہ نمبر ۶ تاریخ یعقوبی:

وَمَرَّ قَوْمٌ فِي اللَّيْلِ بِمَاءٍ يُقَالُ لَهُ مَاءُ الْحَوَابِ فَنَبَحَتْهُمْ كِلَابُهُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ مَا هٰذَا الْمَاءُ؟ قَالَ بَعْضُهُمْ مَاءُ الْحَوَابِ قَالَتْ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. رُدُّونِي! هٰذَا الْمَاءُ الَّذِي قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُونِي الَّتِي تَنْبَحُكِ كِلَابُ الْحَوَابِ فَأَتَاهَا الْقَوْمُ بِأَرْبَعِينَ رَجُلًا فَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَاءِ الْحَوَابِ۔

(تاریخ یعقوبی مصنفہ احمد بن ابی یعقوب شیعہ جلد دوم صفحہ ۱۸۱ خلافت امیر المومنین علی ابن ابیطالب)

(مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا گروہ رات کے وقت "ماء الحواب" نامی جگہ سے گذرا۔ تو وہاں کے کتے بھونکے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے پوچھا۔ یہ پانی کونسا ہے؟ بعض نے کہا اسے ماء الحواب کہتے ہیں۔ تو کہنے لگیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مجھے واپس بھیج دو۔ یہ وہ پانی (جگہ) ہے۔ جس کے بارے میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ تو وہ عورت نہ بنا۔ جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے۔ پھر اس گروہ میں سے چالیس مرد اللہ کی قسمیں اٹھاتے ہوئے کہنے لگے۔ یہ ماء الحواب نہیں ہے۔

مذکورہ عبارات سے چند امور واضح ہوئے:

۱۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان خاندانی نسبت بھی تھی۔ (ایک دوسرے کے ماموں زاد اور پھوپھی زاد بھائی تھے) اسی طرح ان کی باہمی محبت بھی ایک حقیقت تھی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زبیر سے پوچھا۔ تجھے علی سے پیار ہے۔ تو انہوں نے جواباً عرض کیا۔ کیوں نہیں۔ وہ تو میرے ماموں زاد بھائی ہیں۔

۲۔ ان دونوں کی محبت وقتی نہ تھی۔ اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک محدود تھی۔ بلکہ تادم آخر ان کی محبت ایمانی قائم تھی۔ جنگ جمل میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر کو بلوایا۔ تو دونوں کا ایک دوسرے کو محبت کی نظر سے دیکھنا اور معانقہ کرنا اسی دائمی محبت کی علامت تھی۔

۳۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ قاتلانِ عثمان کے بارے میں ایک سخت گیر رویہ پر

قائم تھے۔ ان کا خیال تھا۔ کہ اگر ان سے قصاص نہ لیا گیا۔ تو ایک بہت بڑا شرعی جرم ہو گا۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ اگرچہ وقتی طور پر اس کے لیے تیار نہیں۔ مگر ان قاتلوں کو ڈھیل دینا بہت بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا قانون ڈھیلا پڑ جائے گا۔ آپ نے سخت رائے کی وجہ سے بصرہ کا سفر کیا۔ لیکن جب جنگِ جمل کے دوران حضرت علی المرتضیٰ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات یاد دلائی۔ تو انہوں نے اپنی اجتہادی غلطی سے رجوع کر لیا۔ اور میدانِ جنگ سے چلے گئے۔ گویا اپنی رائے کے مقابلہ میں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اہمیت دی۔ حتیٰ کہ اپنے حقیقی بیٹے عبداللہ کی باتوں کی بھی پرواہ نہ کی۔

۴۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت علی المرتضیٰ سے حدیثِ رسول سنی۔ تو استغفار پڑھی۔ اور قسمیہ کہا۔ کہ اگر مجھے یہ حدیث یاد ہوتی تو میں لڑائی کے لیے ہرگز نہ نکلتا۔

۵۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جب میدانِ جنگ سے جانے لگے۔ تو بیٹے عبداللہ نے پوچھا۔ ہمیں چھوڑ کر کدھر جا رہے ہیں؟ فرمایا۔ حضرت علی نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد دلا دی۔ اس لیے میں اب لڑ نہیں سکتا۔ بیٹے نے ذرا جذبات کو ابھارنے کی خاطر طنزاً کہا۔ بنی عبدالمطلب کی تلواریں آپ کو ڈرا رہی ہیں۔ اس لیے بھاگے جا رہے ہیں۔ فرمایا۔ یہ بات نہیں۔ مجھے اس شرم سے کہ لوگ کہیں زبیر بھاگ گیا۔ اُس آگ کا زیادہ خطرہ ہے۔ جو دوزخ میں تپ رہی ہے۔

۶۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اجتہاد فرمایا۔ کہ ممکن ہے میں بصرہ جاؤں۔ اور وہاں سے رسول اللہ کی نسبت کی وجہ سے مجھے بھاری

ملک مل جائے۔ تاکہ میں قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے پر قادر ہو جاؤں۔ لیکن آپ نے جب دوران سفر "ماء الحواب" پر کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔ تو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ شیعہ سُنی دونوں کی کتب میں مذکور ہے۔ کہ مائی صاحبہ نے کہا۔ میں بھول گئی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج مطہرات کی موجودگی میں جو بات کہی تھی۔ آج مجھے وہ حقیقت بن کر سامنے نظر آرہی ہے۔ لہٰذا حضرت عائشہ نے بھی اپنی اجتہادی غلطی سے رجوع کر لیا۔ اور واپسی کا مکمل ارادہ کر لیا۔ لیکن چالیس آدمیوں کے قسمیہ بیان سے کہ یہ جگہ حواب نہیں۔ آپ نے قصدِ سفر کر لیا۔

الحاصل:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت ابھی مستحکم نہ ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے قاتلانِ عثمان غنی سے قصاص لینے میں آپ نے کچھ دیر انتظار کرنے کو کہا۔ ادھر حضرت طلحہ اور زبیر اس بارے میں سخت رائے رکھتے تھے۔ مکہ گئے۔ وہاں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کو تمام واقعات سے باخبر کیا۔ یہ تینوں ایک نیک ارادہ لے کر بصرہ روانہ ہوئے۔ تاکہ وہاں سے کچھ افرادی قوت جمع کر سکیں۔ اور حضرت علی کی خلافت کی کمزوری جس امر میں آڑے آرہی ہے۔ اُسے پورا کر دیا جائے۔ گویا ان تینوں کا سفر نیک تھا۔ اور حضرت علی کی امداد کی خاطر تھا۔ لیکن ان کو دورانِ سفر جب اپنی اپنی اجتہادی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً رجوع کر لیا۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابتداءً ہی حق پہ تھے۔ اور یہ تینوں حضرات شروع میں اپنے اجتہاد کے پابند تھے۔ جب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ تو فوراً استغفار پڑھی۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان تین حضرات کے مابین کوئی عناد و عداوت نہ تھی۔ محض ایک فکری اختلاف

تھا۔ جس سے رجوع کر لیا گیا۔ اور اجتہادی غلطی قابلِ مواخذہ نہیں ہوتی۔ یہ سنی شیعہ سب کا متفقہ عقیدہ ہے۔ اس لیے جنگ جمل میں شریک ہونے والے دونوں گروہ مسلمان تھے۔ اور جنتی تھے۔ ماسوا ان کم بختوں کے جنہوں نے حضرت عثمان کو شہید کیا۔ اور پھر چالاکی سے جنگ جمل میں بھی اپنا گھناؤنا کردار ادا کرکے دو مسلمان جماعتوں کو باہم ٹکرا دیا۔

شہادت طلحہ وزبیر (رضی اللہ عنہما) پر حضرت علی المرتضیٰ کا ان کے بارے میں حسنِ ظن وحسنِ اعتقاد

الاخبار الطوال وغیرہ :-

وَقَامَ الزُّبَيْرُ فِي الصَّلٰوةِ فَلَمَّا سَجَدَ حَمَلَ عَلَيْهِ عَمْرٌو بِالسَّيْفِ فَضَرَبَهٗ حَتّٰى قَتَلَهٗ وَاَخَذَ دِرْعَهٗ وَسَيْفَهٗ وَفَرَسَهٗ وَاَقْبَلَ حَتّٰى اَتٰى عَلِيًّا وَهُوَ وَاقِفٌ وَالنَّاسُ يَجْتَلِدُوْنَ بِالسُّيُوْفِ فَاَلْقَى السِّلَاحَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَمَّا نَظَرَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اِلَى السَّيْفِ قَالَ اِنَّ هٰذَا السَّيْفَ طَالَمَا فَرَّجَ بِهٖ صَاحِبُهُ الْكَرْبَ عَنْ وَجْهِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْشِرْ يَا قَاتِلَ ابْنِ صَفِيَّةَ بِالنَّارِ فَقَالَ عَمْرٌو نَقْتُلُ اَعْدَاءَكُمْ وَتُبَشِّرُوْنَا بِالنَّارِ ۔

(الاخبار الطوال مصنفہ احمد بن داؤد دینوری ص ۱۴۹)

مطبوعہ بیروت طبع جدید)

(تاریخ روضۃ الصفاء جلد دوم ص۴۸۶ مطبوعہ
نولکشور لکھنؤ۔ طبع قدیم)

(ابن حدید شرح نہج البلاغہ" جلد اول ص۷۱ تا ۷۹
فی قتل زبیر۔ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

(مروج الذہب للمسعودی جلد دوم ص۳۶۴
مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے۔ جب سجدہ میں گئے۔ تو عمرو نے تلوار کے ذریعہ آپ پر حملہ کر دیا۔ حتیٰ کہ آپ کو شہید کر دیا اور آپ کی زرہ، تلوار اور گھوڑا لے کر حضرت علی کے پاس آگیا۔ حضرت علی اس وقت کھڑے تھے۔ اور جنگ جاری تھی۔ حضرت زبیر کے ہتھیار حضرت علی کے سامنے لا ڈالے۔ جب حضرت علی نے حضرت زبیر کی تلوار دیکھی۔ تو کہا۔ یہ وہ تلوار ہے۔ جس کے ذریعہ اس تلوار والے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی تکالیف دور فرمائیں۔ اس کے بعد حضرت علی نے اس قاتل عمرو کو مخاطب کر کے فرمایا۔ تجھے جہنم کی آگ مبارک ہو۔ کہنے لگا۔ حضور۔ ہم آپ کے دشمنوں کا صفایا کریں۔ اور آپ ہمارے حق میں جہنم کی آگ کی بشارت دیں۔

ابن حدید:۔

قَالَ وَاللّٰہِ مَا کَانَ ابْنُ صَفِیَّۃَ جَبَانًا وَلَا لَئِیْمًا۔

(ابن حدید شرح نہج البلاغہ" جلد اول ص۷۹

مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔ جب قاتل نے حضرت زبیر کا سر انور لا کر حضرت علی کے سامنے رکھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! ابن صفیہ (زبیر) نہ تو بزدل تھا۔ اور نہ ہی مطعون تھا۔

روضۃ الصفاء:۔

نقل است کہ چوں طلحہ از رفتن زبیر آگاہ شد او نیز آہنگ آں کرد کہ از موافقت عائشہ تخلف نمودہ بگوشہ رود۔ مروان بن الحکم برایں حال مطلع شد وایں قضیہ علاوہ بکینۂ دیرینہ او کہ از قتل عثمان درخاطر داشت گردید برمی سہمی پائے او درر کاب بدوخت واز زخم طلحہ چنداں خون رفت کہ سست شد۔ وبنا برآنکہ خود را بر بالائے اسپ محافظت نتوانست نمود غلامی را فرمود تا ردیف او گشتہ بنشست اورا درکنار گرفتہ وضعف بر طلحہ استیلا یافتہ غلام را گفت مرا بشہر بر کہ من ازیں زخم جان نخواہم برد غلام بواسطہ ناتوانی طلحہ پیش از آنکہ او را بشہر رساند بخرابہ فرود آورد۔ ومقارن ایں حال چشم طلحہ بر سواری افتاد او را پیش خود طلبیدہ وپرسید کہ از کدام فریقے آں سوار جواب داد کہ لشکر علی بن ابی طالبم طلحہ گفت دست خویش بدست من دہ تا بیعت امیر المومنین علی علیہ السلام تجدید سازم آں شخص ملتمس طلحہ مبذول داشت۔ تا بیعت کرد۔ بعد از انقضائے مدت پیمان مرغ روح طلحہ بکنگرۂ عرش پرواز نمود وچوں لشکر صورت واقعہ را معروض رائے مقدس امیر المومنین علی گردانیدند۔ فرمود باری سبحانہ وتعالیٰ نخواست کہ طلحہ را از بیعت من معرا بہ بہشت درآورد۔

(تاریخ روضۃ الصفاء۔ جلد دوم ص ۲۰۴ ذکر خلافت

امیر المومنین۔ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔ طبع قدیم)

ترجمہ: منقول ہے۔ کہ جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے چلے جانے کی خبر ملی۔ تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ساتھ دینے سے علیحدگی اختیار کر کے ایک طرف ہو گئے۔ جب مروان بن الحکم کو اس بات کا علم ہوا۔ تو اس واقعہ کے علاوہ ایک دیرینہ کینہ جو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل کے سلسلہ میں تھا۔ اس کی بنا پر اس نے حضرت طلحہ کے پاؤں پر تیر مار کر گھوڑے کی رکاب کے ساتھ پاؤں کو سی دیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے زخم سے بہت زیادہ خون بہنے کی وجہ سے آپ کمزور ہو گئے۔ اس وجہ سے کہ آپ گھوڑے کی پشت پر خود جم کر نہ بیٹھ سکتے تھے آپ نے اپنے غلام کو اپنے پیچھے گھوڑے پر بٹھایا۔ تاکہ اس کے ساتھ اپنی پشت کو سہارا دے سکیں۔ جب کمزوری اور بڑھ گئی۔ تو غلام کو فرمایا۔ مجھے شہر لے چلو۔ میں اس زخم سے جانبر نہ ہو سکوں گا۔ غلام نے آپ کی زیادہ کمزوری کی بنا پر بجائے شہر کے ایک ویرانے میں اُتار دیا۔ اسی حالت میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی نظر ایک سوار پر پڑی۔ اُسے اپنے پاس طلب کیا۔ اور پوچھا۔ کس گروہ سے تمہارا تعلق ہے؟ اُس سوار نے کہا حضرت علی بن ابی طالب کے لشکر سے متعلق ہوں۔ جناب طلحہ نے اُسے کہا۔ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو۔ تاکہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمہارے ہاتھ پر تجدید بیعت کروں۔ اس شخص نے حضرت طلحہ کی درخواست منظور کر لی۔ اور انہوں نے بیعت کر لی۔ کچھ وقت گذرنے پر حضرت طلحہ کی روح عرش کی بلندیوں کو پرواز کر گئی۔ اور جب لشکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے یہ واقعہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ

نہ چاہا۔ کہ طلحہ کو میری بیعت کے بغیر جنت میں داخل کرے۔

مروج الذہب :۔

فَقَالَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ رَجَعَ الزُّبَيْرُ وَ يَرْجِعُ طَلْحَةُ مَا اُبَالِيْ رَمَيْتُ هٰهُنَا اَمْ هٰهُنَا فَرَمَاهُ فِي اَكْحَلِهٖ فَقَتَلَهٗ فَمَرَّ بِهٖ عَلِيٌّ بَعْدَ الْوَقْعَةِ فِيْ مَوْضِعِهٖ فِيْ قَنْطَرَةِ قُرَّةَ فَوَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ وَ اللّٰهِ لَقَدْ كُنْتُ كَارِهًا لِهٰذَا اَنْتَ........ وَ ذُكِرَ اَنَّ طَلْحَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمَّا وَلّٰى سُمِعَ وَ هُوَ يَقُوْلُ نَدَامَةً مَا نَدِمْتُ وَضَلَّ حُلْمِيْ وَ لَهْفِيْ ثُمَّ لَهْفَ اَبِيْ وَ اُمِّيْ .... وَ هُوَ يَمْسَحُ عَنْ جَبِيْنِهِ الْغُبَارَ وَ يَقُوْلُ (وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا)

(مروج الذہب للمسعودی جلد دوم ص۳۶۵ ذکر موقعۃ الجمل۔ مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔ (جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر کو سمجھایا۔ تو انہوں نے لڑائی سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاد دلائی۔ تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ اور فرمایا) میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ اور یہ کہہ کر میدانِ جنگ سے پلٹ آئے۔ اس پر مروان بن الحکم نے کہا۔ زبیر چلا گیا۔ اور طلحہ بھی جا رہا ہے۔ مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ کہ میں جہاں چاہوں اُسے

طلحہ) تیر ماروں۔ مروان نے حضرت طلحہ کے "اکحل" میں تیر مارا۔ اور وہ شہید ہو گئے۔ جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ جب قرّہ نامی پُل کے پاس سے گذرے۔ تو اس جگہ پر ٹھہرے جہاں حضرت طلحہ شہید ہوئے تھے۔ حضرت علی نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور کہا۔ خدا کی قسم! اے طلحہ! تو اس جنگ کو بہت ناپسند کرتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ بھی مذکور ہے۔ کہ جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جنگ سے پلٹے۔ تو کسی نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ "جنگ جمل میں آنے پر مجھے سخت پشیمانی ہے۔ میری بُردباری اور میری عقل مجھے چھوڑ گئی۔ پھر میرے ماں باپ کے بیٹے افسوس! آپ کی جنگ سے واپسی اس حال میں تھی۔ کہ آپ اپنی پیشانی سے گرد و غبار کو صاف کر رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے۔" اللہ کا حکم مقدر تھا۔ جو ہو کر رہا۔"

الاخبار الطوال، روضۃ الصفا، اور مروج الذہب کی مذکورہ عبارات سے درج ذیل امور ثابت ہوئے

۱۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل نے جب حضرت زبیر کے ہتھیار اور آپ کا سَر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس ارادے سے رکھا۔ کہ مجھے شاباش ملے گی۔ اور حضرت علی خوش ہوں گے۔ تو اس کے ارادے کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر کی تلوار کی تعریف کی۔ اور فرمایا۔ یہ وہ تلوار ہے۔ کہ جس کے ذریعہ اس تلوار والے نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی مرتبہ مصائب و آلام دُور کئے۔ اور اس قاتل کو فرمایا۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد کے قاتل! تجھے جہنم کی خوشخبری ہو۔

۲۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ تو جنگ سے کنارا کشی

اختیار کر لی۔ جس پر مروان بن حکم نے انہیں تیر مار کر شہید کر دیا۔ پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے ان کے لشکر کے ایک سپاہی کے ہاتھ پر حضرت طلحہ نے شہید ہونے سے قبل تجدید بیعت کی۔ تو حضرت علی نے اس واقعہ کی اطلاع کے بعد فرمایا۔ کہ اللہ نے حضرت طلحہ کو جنت میں داخل کرنے میں ایک سعادت انہیں یہ بھی عطا کر دی۔ کہ وہ میری بیعت کر کے جنت میں داخل ہوئے۔ یعنی وہ جنتی ہیں۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جناب طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حلفاً فرمایا۔ کہ طلحہ ارادۂ جنگ سے نہیں آیا تھا۔ بلکہ قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے کا مطالبہ انہیں اس طرف لے آیا تھا۔

۴۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے آخری لمحات میں اپنے اوپر ندامت کے آنسو بہائے اور اپنی دانائی و بے صبری کا رونا رویا۔ لیکن تقدیر خداوندی کے سامنے کسی کا کوئی بس نہیں چلتا۔ لہٰذا جو ہونا تھا۔ وہ ہو کر رہا۔

الحاصل:

عبارات مذکورہ سے یہ ثابت ہوا۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما پکے مسلمان اور جنتی تھے۔ اور ان حضرات کے درمیان اختلاف کوئی ذاتی نہ تھا۔ بلکہ ایک اجتہادی اختلاف تھا۔ اور اس اختلاف کے نتیجہ میں جو کچھ رونما ہوا۔ وہ تقدیر الٰہی تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو جو جہنمی ہونے کی بشارت دی۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ایک مومن کا قاتل (عمداً) ہی جہنمی ہوتا ہے۔ اور یہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس قاتل کے بارے میں پیش گوئی تھی۔ اور جو بعد میں حرف بحرف پوری ہوئی۔ صاحب "روضۃ الصفا" نے لکھا ہے۔

"در بعضے تواریخ بنظر رسیدہ کہ چوں حضرت امیرالمومنین علی، عمرو را بنار جحیم توعید نمود، عمرو از غایت جبن و غضب شمشیر بر شکم خود نہادہ زور کرد تا از پشت بیروں آمد۔"

یعنی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلِ زبیر، عمرو کو دوزخ کی آگ کا ڈراوا دیا۔ تو انتہائی بزدلی اور غصہ میں آکر مذکور عمرو نے تلوار کو اپنے پیٹ پر رکھ کر اس زور سے دبایا۔ کہ وہ پشت سے باہر نکل گئی۔ (اور مر گیا) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پھر خود بھی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں میری بیعت سے مشرف بنا کر جنت میں داخل فرمایا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کا صاف اقرار ہے لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ عنہما دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک جنتی تھے۔

حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما بالاتفاق جنّتی ہیں

گذشتہ اوراق میں آپ نے جنگ جمل کا پس منظر دیکھا۔ اس جنگ میں جہاں ایک طرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے سردار تھے۔ وہاں دوسری طرف حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما اپنے لشکر کے سردار تھے۔ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بلاشک جنتی ہیں۔ اسی طرح حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے جنتی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور جو شخص ان کے جنتی ہونے میں شک کرتا ہے۔ وہ خود جنتی نہ ہوگا۔ کیونکہ ان حضرات کی اسلام میں اس قدر گراں قدر خدمات ہیں۔ کہ ان میں سے ہر ایک خدمت کا صلہ جنت ہو سکتی ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں۔ کہ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیتے جاگتے انہیں جنتی فرما دیا تھا۔ عشرہ مبشرہ میں یہ دونوں بھی داخل ہیں۔ آیئے خود شیعہ مصنف سے اس کی وضاحت سنیئے۔

طَلْحَۃُ اَحَدُ الْعَشَرَۃِ الْمَشْھُوْدِ لَھُمْ بِالْجَنَّۃِ وَ اَحَدُ اَصْحَابِ الشُّوْرٰی وَ کَانَ لَہٗ فِی الدِّفَاعِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ یَوْمَ اُحُدٍ اَثَرٌ عَظِیْمٌ وَ شَلَّتْ بَعْضُ اَصَابِعِہٖ یَوْمَئِذٍ وَ قٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ بِیَدِہٖ مِنْ سُیُوْفِ الْمُشْرِکِیْنَ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ یَوْمَئِذٍ اَلْیَوْمَ اَوْجَبَ طَلْحَۃُ الْجَنَّۃَ۔

وَالزُّبَیْرُ ھُوَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ الزُّبَیْرُ بْنُ الْعَوَّامِ بْنِ اَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزّٰی بن قصی اُمُّہٗ صَفِیَّۃُ بِنْتُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ ھَاشِمِ بْنِ عَبْد مناف عَمَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَ ھُوَ اَحَدُ الْعَشَرَۃِ اَیْضًا وَ اَحَدُ السِّتَّۃِ وَ مِمَّنْ ثَبَتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ یَوْمَ اُحُدٍ وَ اَبْلٰی بَلَاءً حَسَنًا وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ لِکُلِّ نَبِیٍّ حَوَارِیٌّ وَ حَوَارِیَّ الزُّبَیْرُ۔

(ابن ابی حدید شرح نہج البلاغۃ جلد اول ص۶۲ القول فی نسب طلحۃ وزبیر مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ:۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان دس خوش قسمت صحابہ کرام میں سے ایک ہیں۔ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں ہی جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبِ مشورہ بھی تھے۔ غزوۂ اُحد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں ان کی نمایاں خدمات ہیں۔

مشرکین کی تلواروں کو حضور پر پڑنے سے روکتے ہوئے ان کے ہاتھوں کی کچھ انگلیاں اُس دن بے کار ہو گئی تھیں۔ اور غزوۂ اُحد کے دن ان کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا۔ آج طلحہ پر جنت واجب ہو گئی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ۔ ابو عبداللہ الزبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعُزیٰ بن قصی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام صفیہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ یہ (ان کی والدہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ حضرت زبیر بھی ان دس خوش نصیب حضرات میں سے ایک تھے۔ جنہیں ظاہری زندگی میں جنتی ہونے کی حضور نے بشارت دے دی تھی۔ اور غزوۂ اُحد میں بھی شدت کے وقت حضور کے ساتھ رہے۔ اور عظیم تکلیفیں برداشت کیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر نبی کا حواری ہوتا ہے۔ اور میرا حواری زبیر ہے۔

باب ہفتم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیے گئے شیعہ مطاعن

طعن اول

امام برحق سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جنگ کرنے کی وجہ سے امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) باغی ٹھہرے۔

تمام اہل سنت وجماعت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین اور اپنا امام برحق مانتے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے امام برحق اور خلیفۃ المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بلاوجہ مخالفت کی تھی۔ صرف مخالفت پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ان کے خلاف صف آرا بھی ہوئے اور جنگ بھی کی۔ ادھر اسلامی نظامِ حکومت کا ایک مسلمہ قانون یہ ہے کہ جو شخص بھی امام برحق کی مخالفت کرے وہ باغی ہے اور بغاوت کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ اس مسلمہ اصول کو مدِنظر رکھا جائے اور امیر معاویہ کے معاملہ کو اس پر پرکھا جائے تو بالکل صاف طور پر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جناب امیر معاویہ نے خلیفہ و امامِ برحق کی مخالفت کر کے دینِ اسلام کی مخالفت مول لی۔ ایسے باغی اور مخالفِ اسلام شخص کو جو بھی اپنا امام سمجھتا ہے وہ یوں تصور کیا جانے گا کہ اس شخص کا نہ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے کوئی واسطہ بلکہ وہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی بھی تعلق نہیں رکھتا۔

جواب:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت کے بارے میں اہل سنت وجماعت کا

کا عقیدہ یہ ہے کہ جس دور میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز تھے۔ اس دور میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت برحق نہ تھی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو بھی امیر معاویہ امام برحق نہیں تھے لیکن جب سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت سے دست بردار ہوئے اور خلافت کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی امام برحق تھے اور پھر تادمِ آخر آپ بلا شرکت غیرے امتِ مسلمہ کے خلیفہ رہے۔ انہوں نے اپنی خلافت کے دور میں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ساتھ عمدہ سلوک کیا اور آخری دم تک حسنِ سلوک میں کمی نہ آنے دی اور مقتل ابی مخنف ص۔۔ مطبوعہ نجف کے مطابق جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان حضرات کو ہر سال مختلف اجناس خوردنی وغیرہ کے علاوہ دس لاکھ سونے کے دینار ارسال کرتے رہے اور امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما ان تحائف اور ہدایا کو بخوشی قبول کرتے رہے اور اس رقمِ کثیر سے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اپنے خانگی اخراجات کو پورا کرنے کے علاوہ اپنے قرضہ جات بھی ادا کرتے رہے اور مزید یہ کہ انہی دیناروں سے اپنے شیعوں کی بوجہ غربت مالی مدد بھی فرماتے رہے۔

(جلاء العیون جلد اول)

یہ تھا وہ عقیدہ جو اہل سنت وجماعت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کے بارے میں رکھتے ہیں۔ عقیدہ کی وضاحت کے بعد طعن میں مذکور دوسری باتوں کی وضاحت کرتے ہوئے مختصر طور پر یوں کہا جا سکتا ہے کہ پورے طعن میں بطور خلاصہ دو ہی باتیں ہیں جو معترض کا سہارا بنتی ہیں۔

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف جنگ کیوں لڑی؟

۲۔ جب اس جنگ کی وجہ سے امیر معاویہ امام برحق کے باغی ٹھہرے جس کی بنا پر وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے تو پھر ایسے باغی اور دائرہ اسلام سے خارج شخص کو اُمتِ مسلمہ کا خلیفہ ماننا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟ چہ جائیکہ ان کو خلیفۃ المسلمین برحق کہا جائے؟

جنگِ صفین کا پس منظر از کتبِ شیعہ:

الاخبار الطوال

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر جب شام پہنچی تو امیر معاویہ نے چاہا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو فوراً سزا ملنی چاہیے تو اس پر اہلِ شام نے جب امیر معاویہ کی مدد کا ارادہ کیا۔ ابو مسلم خولانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا جو کہ اہلِ شام کے دیندار لوگوں میں سے تھا اور اس کے ساتھ دینداروں کی ایک جماعت بھی تھی۔ اس نے امیر معاویہ سے کہا کہ ہم نے سُنا ہے کہ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہو۔ تم کیسے ان سے جنگ کر سکتے ہو جبکہ تمہارے لیے ان پر کوئی فضیلت نہیں۔ اس کا امیر معاویہ نے یوں جواب دیا:

"لَسْتُ اَدَّعِیْ اَنِّیْ مِثْلُهٗ فِی الْفَضْلِ وَلٰکِنْ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ عُثْمَانَ قُتِلَ مَظْلُوْمًا؟ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَلْیَدْفَعْ لَنَا قَتَلَةَ حَتّٰی نُسَلِّمَ اِلَیْهِ هٰذَا الْاَمْرَ"

یعنی میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں مثلِ علی ہوں لیکن تم جانتے ہو کہ عثمان غنی کو ظلماً شہید کیا گیا۔ انہوں نے کہا بالکل صحیح ہے۔ امیر معاویہ نے فرمایا کہ حضرت علی کو چاہیے کہ عثمان غنی کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں تو ہم امرِ خلافت ان کے سپرد کر کے ان کو خلیفہ برحق تسلیم کر لیں گے۔

ابو مسلم نے امیر معاویہ سے کہا یہ سوال آپ مجھے لکھ دیں تو میں خود حضرت علی کے پاس

ے کر جاتا ہوں۔ لہٰذا امیر معاویہ نے یوں خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من معاویۃ ابن ابی سفیان الی علی بن ابی طالب۔ السلام علیکم یعنی یہ خط امیر معاویہ کی طرف سے علی بن ابی طالب کی طرف ہے۔ میں حمد کرتا ہوں اس ذات کی جس کا کوئی شریک نہیں۔ بعدازیں عرض ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت تمہارے محلہ میں ہوئی۔ جب کہ تم نے ان کی چیخ و پکار کی آواز سُنی۔ تم نے ان کی نہ قول سے مدافعت کی نہ فعل سے۔ قسم بخدا! اگر تم سچے دل سے عثمان غنی کے مسئلہ میں کھڑے ہو جاتے تو لوگوں کو ان سے دور کر سکتے تھے۔ اور اس کے برخلاف تم نے عثمان غنی کے قاتلین کو جگہ دی اور وہ تمہارے ہاتھ اور بازو اور مددگار اور دیرینہ دوست بن گئے اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ تم عثمان غنی کے خون کو حلال جانتے ہو۔ اور اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ تمہارا عثمان کے قتل میں کوئی ہاتھ نہیں۔ "فَامْكِنَّا مَنْ قَتَلَهٗ نَقْتُلُهُمْ بِهٖ وَنَحْنُ اَسْرَعُ النَّاسِ اِلَيْكَ" یعنی عثمان غنی کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو تو ہم ان کو قتل کر دیں تو سب سے پہلے ہم تمہاری بیعت کریں گے۔ ورنہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لیے ہمارے پاس سوائے تلوار کے کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔ قسم بخدا ہم عثمان کے قاتلوں کو سمندروں اور جزیروں میں تلاش کریں گے۔ یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیں یا ہماری روحیں اللہ کے پاس پہنچ جائیں۔ والسلام

امیر معاویہ کا یہ خط ابومسلم خولانی کوفہ کو لے کر روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت علی کے پاس پہنچا اور ان کو خط دیا۔ جب حضرت علی نے خط پڑھ لیا تو ابومسلم خولانی نے حضرت علی سے عرض کیا۔

يَا اَبَا الْحَسَنِ اِنَّكَ قَدْ قُمْتَ بِاَمْرٍ وَوَلِيْتَهٗ وَاللّٰهِ مَا نُحِبُّ اَنَّهٗ لِغَيْرِكَ اِنْ اَعْطَيْتَ الْحَقَّ مِنْ

نفسك ان عثمان رضی اللہ عنہ قتل مَظْلُوْمًا فادفع اِلَيْنَا قَتَلَتَهٗ وَ اَنْتَ اَمِيْرُنَا فَاِنْ خَالَفَكَ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ كَانَتْ اَيْدِيْنَا لَكَ نَاصِرَةً وَاَلْسِنَتُنَا لَكَ شَاهِدَةً وَكُنْتَ ذَا عُذْرٍ وَّ حُجَّةٍ فَقَالَ لَهٗ عَلِیٌّ اَغْدُ عَلَیَّ بِالْغَدَاةِ وَ اَمَرَ بِهٖ فَاُنْزِلَ وَ اُكْرِمَ۔"

یعنی اے ابو الحسن! آپ بیشک خلیفہ بن چکے ہیں اور قسم ہے اللہ تعالیٰ کی ہم آپ کے علاوہ کسی غیر کے خلیفہ بننے کو پسند نہیں کرتے بشرطیکہ آپ اپنی طرف سے عثمان کے قتل کا حق فیصلہ کر دو۔ کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عثمان غنی ظلماً قتل ہوئے ہیں۔ لہٰذا آپ ان کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیں تو ہم آپ کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیتے ہیں اور اگر کوئی آدمی اس مسئلہ میں آپ کی مخالفت کرے تو ہمارے ہاتھ آپ کے مددگار اور ہماری زبانیں آپ کی گواہ ہوں گی اور آپ کے لیے اس مسئلہ میں عذر ہوگا اور آپ کے لیے دلیل ہوگی۔ حضرت علی نے ابو مسلم خولانی سے فرمایا کہ تم کل تک میرے پاس ٹھہرو۔ لہٰذا حضرت علی کے حکم سے ابو مسلم خولانی کو معزز مہمانوں کی طرح ٹھہرایا گیا اور ان کی عزت کی گئی۔

جب دوسری صبح ہوئی ابو مسلم خولانی حضرت علی کے پاس اس وقت مسجد میں پہنچا کہ جس وقت ان کے پاس دس ہزار آدمی مسلح ہو کر آوازیں دے رہے تھے کہ ہم سب قاتلانِ عثمان ہیں۔ ابو مسلم نے حضرت علی سے عرض کیا کہ میں ایسی قوم کو دیکھتا ہوں کہ جس پر آپ کو کوئی تسلط نہیں ہے سبب مجھے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو معلوم ہو چکا ہے جس مطالبہ کے سلسلے میں آیا ہوں اور ان لوگوں نے جو حرکت کی ہے یہ صرف اس لیے کی ہے اگر

انہیں خوف ہے کہ ایسا نہ ہو کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں۔

اس کے جواب میں حضرت علی نے یوں فرمایا:

إِنِّي ضَرَبْتُ أَنْفَ هٰذَا الْأَمْرِ وَعَيْنَهُ فَلَمْ أَرَ يَسْتَقِيمُ دَفْعُهُمْ إِلَيْكَ وَلَا إِلَىٰ غَيْرِكَ فَاجْلِسْ حَتّٰى أَكْتُبَ جَوَابَكَ۔

میں نے آپ کے سوال پر خوب غور و فکر کیا۔ میں نے یہی سمجھا ہے کہ عثمان کے قاتلوں کو نہ تمہارے حوالہ کرنا مناسب ہے اور نہ تمہارے غیر کے لہذا تم بیٹھو میں تمہیں معاویہ کے نام خط لکھ کر دیتا ہوں۔

تو آپ نے لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم من عبد اللہ علی امیر المؤمنین الی معاویۃ بن ابی سفیان

یہ خط عبد اللہ علی بن ابی طالب کی طرف سے معاویہ کے نام ہے،
"کہ میرے پاس ابو مسلم خولانی تمہارا خط لے کر آیا جس میں تم نے ذکر کیا ہے کہ میں نے عثمان کے رحم کو قطع کیا اور لوگوں کو ان کے خلاف برانگیختہ کیا تو میں نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا۔ اللہ عثمان پر رحم کرے۔ عثمان پر لوگ ناراض تھے۔ لہذا انہوں نے عثمان پر جب ہجوم کیا تو میں نے عثمان کے معاملہ کو چھوڑ کر اپنے گھر میں علیحدگی اختیار کر لی۔

لیکن تم نے سوال کیا ہے کہ عثمان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو تو میں اس کو یہ سمجھا ہوں کہ تم اس کے ذریعہ سے اپنی مراد حاصل کرنا چاہتے ہو اور تمہارا ارادہ حقیقت میں عثمان کے خون کا مطالبہ نہیں اور مجھے قسم ہے اپنی عمر کی اگر تم اس سرکشی سے باز نہ آئے تو تمہارے ساتھ وہی سلوک

کیا جائے گا جو باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے ۔ والسلام

اخبار الطوال مصنفہ احمد بن داؤد دینوری شیعی ص ۱۶۲-۱۶۳

تذکرہ واقعہ صفین مطبوعہ بغداد طبع جدید

"اخبار الطوال" کی ذکر کردہ عبارت سے مندرجہ ذیل چھ امور ثابت ہوتے ہیں :

۱۔ حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان تنازع کا اصل اور واحد سبب خونِ عثمان رضی اللہ عنہ تھا

۲۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ علم و فضل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان سے بڑھ کر ہیں لیکن بات علم و فضل کی زیادتی کی نہ تھی بلکہ "خونِ عثمان رضی اللہ عنہ" جھگڑے کی بنیاد تھا ۔

۳۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صاف صاف لکھ بھیجا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر عثمان غنی کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں تو ہم فوراً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کریں گے ۔

۴۔ جناب ابو مسلم خولانی جو ایک دیندار اور صاحب تقویٰ آدمی تھے ۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قسمیہ کہا کہ ہم آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو خلیفہ ہرگز ماننے کے لیے تیار نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ قاتلانِ عثمان غنی کو ہمارے سپرد کر دیں اگر آپ ہماری اس شرط کو پورا کر دیتے ہیں تو پھر ہمارے بازو آپ کے معاون اور ہماری زبانیں آپ کی گواہ ہوں گی ۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں قاتلانِ عثمان اس کثیر تعداد میں تھے کہ دس ہزار کے لگ بھگ مسلح ہو کر موجود تھے اور ان مسلح افراد نے بیانگِ دہل کہا "ہم عثمان غنی کے قاتل ہیں "

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ تو ان قاتلانِ عثمان پر قابو تھا اور نہ ہی دوسرے باغیوں پر آپ کو مکمل دسترس تھی۔ اسی کمزوری کی وجہ سے انہوں نے ان سرکشوں کو امیر معاذؓ کے سپرداری میں دینے سے انکار کر دیا۔

حاصل کلام :

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور شامیوں کو اس بات کا شک تھا کہ قتلِ عثمان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی طور ملوث ہیں اور اسی بناء پر ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بار بار اپنا یہ مطالبہ دہراتے رہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلانِ عثمان کو ہمارے حوالے کر دیں تو ہم ان کی خلافت اور پھر بیعت سے متفق ہو جائیں گے۔ صرف اتفاق ہی نہیں بلکہ پھر جو شخص بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس بارے میں مخالفت کرے گا ہم اس کے مقابلہ میں حضرت علی کے مکمل طور پر ساتھ ہوں گے۔

اس کا واضح مفہوم یہی نکلتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے دیگر رفقائے کار کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کوئی ذاتی عناد و رنجش نہ تھی اور نہ ہی علم و فضل میں ان کی افضلیت کے منکر تھے بلکہ بات صرف اور صرف یہ تھی کہ قتلِ عثمان میں یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کسی طور شرکت کا شبہ رکھتے تھے اور اس شبہ کی بناء پر وہ خونِ عثمان کے بدلہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس بات کی تاریخ گواہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اس نسبی رشتہ کی بناء پر انہیں یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ یہ مطالبہ کرتے اس لیے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب تھے۔

تردید امر اوّل یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کیوں لڑی؟ اخبار الطوال کی مذکورہ عبارت پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے

کہ ابن ابو داؤد دینوری شیعی نے امر اول کو خود واضح کر دیا کہ ان دونوں حضرات کے مابین تنازع کا اصل محرک کیا تھا اور بنیادی کیا وجہ تھی وہ صرف ایک اجتہادی معاملہ تھا۔ باہم بغض و عناد پر مبنی نہ تھا۔ عبارت مذکورہ میں صاف موجود ہے کہ قتلِ عثمان کے ضمن میں قاتلانِ عثمان کی سپرداری کا معاملہ اور مطالبہ صرف حضرت امیر معاویہ کا تنہا نہ تھا بلکہ اہلِ شام کے صاحبانِ فہم و فراست اور حضرات اہل حل و عقد سبھی کا یہ مطالبہ تھا۔ انتہا یہ کہ جناب ابو مسلم خولانی ایسے عابد و زاہد اور صاحب تقویٰ بھی اس مطالبہ کے حق میں تھے جو دلی طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا انتہائی احترام اور ان کے محب خاص تھے۔ انہوں نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اللہ کی قسم اٹھا کر کہہ دیا کہ آپ اگر ہمارے اس مطالبہ کو مان کر قاتلانِ عثمان کو ہمارے حوالے کیے دیتے ہیں تو ہم آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو خلیفہ بنانا اور ماننا ہرگز پسند نہ کریں گے اور ہم آپ کی خلافت و امامت کے تحفظ کی خاطر ہر طرح سے تعاون کریں گے۔

اگر اہلِ شام کے صاحبانِ بصیرت یہ مطالبہ نہ بھی کرتے صرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطالبہ ہوتا تو بھی کوئی بُری بات نہ تھی کیوں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رشتہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی لگتے تھے تو اپنے چچا زاد بھائی کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے کا انہیں حق پہنچتا تھا لیکن اس میں جنگ تک نوبت پہنچ گئی کیوں کہ ایک طرف جو آپ مطالبہ کر رہے تھے وہ حق تھا اور شریعت نے مقتول کے ورثاء کو یہ حق تفویض کیا ہے تو خونِ عثمان کے مطالبہ میں حق بجانب ہوتے ہوئے ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ نہ کرنی چاہیے تھی کیوں کہ جب مہاجرین و انصار نے مرکزِ اسلام میں انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا تھا تو دوسرے علاقہ جات کے رہنے والے مسلمانوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کر کے بیعت کر لینی چاہیے تھی اسی طرح ہر معاملہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی بیعت کر لینی چاہیے تھی۔ بعد ازیں وہ خونِ عثمان کا

مطالبہ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے خونِ عثمان کے مطالبہ کو اولیت دی اور اس سے بیعت کی خاطر دستبرداری روا نہ رکھی۔ لہٰذا یوں وہ ایک اجتہادی خطا کر بیٹھے جس کا نتیجہ جنگ کی صورت میں رونما ہوا۔

جمہور اہلِ سنّت کا یہی مسلک ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے خلاف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو جنگ لڑی۔ یہ ان کی اجتہادی خطا پر مبنی تھی۔ اور امتِ مسلمہ کا قانون ہے کہ مجتہد اجتہادی خطاء سرزد ہونے سے فاسق و فاجر نہیں ہوجاتا بلکہ نیت کی درستگی اور تلاشِ حق کی بنا پر اسے اس کوشش کا بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔ جو کسی دوسرے کو خطا نظر آئے۔

تردید امر دوم یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغاوت کی اور خلیفہ برحق کی بغاوت کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے تو جب بوجہ بغاوت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خارج از اسلام ٹھہرے تو پھر انہیں خلیفہ ماننا کیوں کر صحیح ہے؟

سو اس بارے میں عرض ہے کہ "باغی" کو کافر و مشرک کے معنی میں نہ تو کسی لغت نے ذکر کیا اور نہ ہی آیاتِ قرآنیہ میں اس لفظ کو اس مفہوم میں کہیں بیان کیا گیا۔ لہٰذا باغی کا معنی دائرۂ اسلام سے خارج قرار دینا بالکل لغو اور سراسر باطل ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ لفظ باغی (اور بغاوت) کا مفہوم پہلے عربی لغت کی کتب سے پیش کروں اور پھر آیاتِ قرآنیہ سے اس کی توثیق کروں اور آخر میں ائمہ اہلِ بیت کے اقوال و ارشادات سے اس کا فیصلہ کروں تاکہ قارئین کرام اس سے مکمل استفادہ کر سکیں اور اس مشکل و دقیق بحث کو سمجھنے میں دقت محسوس نہ کریں۔

لُغتِ عرب میں "بغی" کا استعمال

لسان العرب وَالْبَغْیُ التَّعَدِّیْ وَبَغَی الرَّجُلُ

عَلَيْنَا بَغْيًا عَدَلَ عَنِ الْحَقِّ وَ اَصْلُ الْبَغْيِ مُجَاوَزَةُ الْحَدِّ وَ فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لِرَجُلٍ اَنَا اُبْغِضُكَ قَالَ لِمَ؟ قَالَ لِاَنَّكَ تَبْغِيْ فِيْ اَذَانِكَ۔ اَرَادَ التَّطْرِيْبَ فِيْهِ وَ التَّمْدِيْدَ مِنْ تَجَاوُزِ الْحَدِّ۔

(لسان العرب لابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم جلد ۱۴ صفحہ ۷۸ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:

بغاوت کا اصل (لغوی معنی) زیادتی ہے اور محاورہ ہے کہ آدمی نے ہم پر بغاوت کی بغاوت کرنا۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص حق سے پھر جائے۔ اور "البغی" کا اصلی مفہوم حد سے بڑھنا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو کہا میں تجھ سے ناراض ہوں۔ آدمی بولا۔ کیوں؟ فرمایا بایں وجہ کہ تو اذان میں بغاوت کرتا ہے۔ اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ وہ شخص اذان میں سرود اور بے جا الفاظ کو کھینچ کر ادا کیا کرتا تھا۔

عرب کی اس مستند اور مشہور لغت سے یہ ثابت ہو گیا کہ "البغی" کا معنی کفر و شرک نہیں اور نہ ہی دائرۂ اسلام سے خروج ہے بلکہ اس کا معنی زیادتی کرنا ہے، اور اگر بقولِ معترض یہ مان لیا جائے کہ باغی کا فر و مشرک کو کہتے ہیں تو پھر صاحب لسان العرب نے جو اذان میں الفاظِ اذان کو لمبا کرنے اور ان کو سُر سے ادا کرنے کو بغاوت ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد کیا ہو گی؟ کیا اس طرح سے اذان دینے والا دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر و مشرک ــــ ہو گا؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ "البغی" کا معنی کفر و شرک کر لینا لغت عرب کے خلاف ہے اور بالکل باطل ہے۔

لفظ "البغی" قرآنی آیات میں

آیت نمبر ۱:

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۔

(پ ۲۶ ۔ سورۃ الحجرات)

ترجمہ:

اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان کے مابین صلح کرا دو پھر اگر ان میں سے ایک، دوسرے پر زیادتی کرے۔ تو اس سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو تا آنکہ وہ اللہ کے فیصلے کی طرف رجوع کرے تو انصاف سے ان دونوں کے مابین اصلاح کر دو اور عدالت برتو۔ بے شک اللہ عدالت برتنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(ترجمہ مقبول شیعی)

قرآنِ پاک کے اس مقام پر فَاِنْ بَغَتْ اور تَبْغِیْ کا ترجمہ خود شیعی مترجم، "زیادتی کرنا" کر رہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس لفظ کا یہی معنی اصل ہے۔ اور تمام مفسرین و اہلِ لغت کا تسلیم شدہ یہی معنی ہے اور ہرگز ہرگز اس لفظ کا معنی کفر و شرک اور اسلام سے خروج نہیں ہے۔ مزید تسلی و وضاحت کے لیے ہم شیعہ تفاسیر کی اس مقام پر چند عبارات نقل کیے دیتے ہیں تاکہ قارئین کرام اور معترض پر بات بالکل ظاہر و باہر ہو جائے اور تارِ عنکبوت کی طرح اعتراض کے تانے بانے اِدھر اُدھر بکھر جائیں۔

تفسیر صافی :

فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى اى تعدت عليها

ترجمہ: ایک گروہ اگر دوسرے پر بغاوت یعنی زیادتی کرے۔

فروع کافی :

اِنَّمَا جَاءَ تَاْوِيْلُ هٰذِهِ الْاٰيَةِ يَوْمَ الْبَصْرَةِ وَهُمْ اَهْلُ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَهُمُ الَّذِيْنَ بَغَوْا عَلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

(فروع کافی جلد ۸ صفحہ ۱۸۰ کتاب الروضہ الذین خرجوا یوم البصرۃ هم البا غون مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ: بے شک اس آیت کریمہ کی تفسیر یوم بصرہ کے متعلق ہے۔ اور وہی لوگ اس آیت کے مصداق بنتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے بغاوت کی۔

آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے جو شیعی مفسر "ملا کلینی رازی" نے لکھا کہ ان دونوں گروہوں سے مراد بصرہ کے رہنے والے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ یہ کہاں تک درست ہے کیوں کہ اس آیت کا اہل بصرہ کو مصداق بنانا اور انہیں یوں قرآن کی زبان سے باغی ثابت کرنا اور ان کے مقابل لڑنے والے گروہ کو "شیعانِ علی" گردانا اس سے مفسر کی اپنی مذہبی عصبیت صاف نظر آرہی ہے بہر حال دبے انداز میں یا بے خبری کے عالم میں یہ بھی مانا جارہا ہے کہ یہ دونوں گروہ

"مومن" تھے۔ کیوں کہ قرآن پاک نے ان دونوں گروہوں کے باہمی قتال کو ذکر کرتے ہوئے یوں فرمایا "طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" یعنی مومنین کے دو گروہ۔ تو اگر بغاوت یعنی قتال کو ذکر کرتے ہو تو اس مقام پر بغاوت کرنے والوں کو مومن ہی کہا جائے گا۔ لطف یہ ہے کہ شیعی مفسر کی تفسیر کے مطابق اس آیت کریمہ میں باغی بھی نہیں کہا گیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل لڑنے والے تھے۔ اگر یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف لڑ کر بھی مومن ہی رہے کافر و مشرک نہ ہوئے اور دائرہ اسلام سے ان کو اللہ تعالیٰ نے خارج نہ کیا۔ تو پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے وہ ساتھی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ پر جنگ صفین میں آئے وہ کافر و مشرک کس طرح ہو گئے۔

سہ
الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

آیت نمبر ۲:

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۔ (پ ۔ ع)

ترجمہ: پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان پر کسی طرح بے جا زیادتی نہ کرو۔

(ترجمہ مقبول شیعی صفحہ ۹۹)

آیت نمبر ۳:

وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۔ (پ ۔ ع)

ترجمہ: اور جو شخص کسی کو اتنی ہی ایذا دے جتنی اس کو ایذا دی گئی پھر اس پر زیادتی کی جائے تو خدا اس کی مدد کرے گا بے شک اللہ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

الحاصل : قرآن مجید کی آیات سے بھی اس امر کی توثیق و تصدیق ہو گئی کہ "البغی" کا معنی زیادتی ہی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ لغتِ عرب اور قرآن مجید کی نصوص سے بالاجماع ثابت ہے کہ "الباغی" زیادتی کرنے والے کو کہتے ہیں اور یہی مسلک ہم اہلسنت وجماعت کا ہے کیوں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے۔ کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو جنگ کی۔ اس میں وہ اپنے اجتہاد کی رو سے حق پر تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ جب مہاجرین وانصار تمام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی تو اس عمومی بیعت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت "خلافتِ حقہ" قرار پا چکی تھی۔ لہٰذا اس حقیقت کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے غلطی کی وجہ سے زیادتی کا ارتکاب ہو گیا۔ کیونکہ خلافتِ حقہ کے بعد اس کے خلاف بغاوت کرنا کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔ لہٰذا بایں وجہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغاوت بمعنی زیادتی ہو گئی۔ اور اس سے کسی اہل سنت کو انکار نہیں۔ اسی لیے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک قول یوں نقل کیا ہے۔

تفسیر قرطبی :-

"فَقَالَ لَهُمْ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اُدْخُلُوْا فِي الْبَيْعَةِ.. وَاطْلُبُوا الْحَقَّ تَصِلُوْا اِلَيْهِ"

(تفسیر قرطبی جلد ۱۶ ص ۳۱۸ مطبوعہ تہران)

ترجمہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان اشخاص سے کہا۔ میری بیعت کر لو۔ اور دخولِ بیعت کے بعد اپنا حق طلب کرو۔ تمہیں اس میں کامیابی ہو جائے گی۔

اس لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے ان کی خلافت کو تسلیم کر لیتے۔ پھر اپنا مطالبہ (یعنی خون عثمان کا بدلہ) بھی پیش کر دیتے۔ لیکن انہوں نے اپنے مطالبے سے اس لیے دست برداری نہ کی۔ کیونکہ وہ اس میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ اس وجہ سے نہیں کی کہ وہ انہیں خلافت سے دست برداری پر مجبور کرنا چاہتے تھے۔ اور خود خلیفہ بننے کی راہ ہموار کرنا چاہتے تھے۔ نہیں نہیں بلکہ صرف اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہوئے اس حق کی وصولی کے لیے یہ سب کچھ ہوا۔ اسے ہی "اجتہادی غلطی" کہتے ہیں۔ اور اس حق کی خاطر جان سے زیادتی ہو گئی۔ وہ ایسی زیادتی نہیں۔ کہ جس کی وجہ سے انہیں دائرہِ اسلام سے ہی نکال باہر پھینکا جائے۔ بلکہ از روئے قاعدہ "اجتہادی خطا" بھی ثواب و اجر کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

تنبیہ:-

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے واقع خطاء اجتہادی کی صورت میں جو ان کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ وہ جس کی انتہاء حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے سبکدوشی تک ہے۔ اور دوسرا حصہ اس سے آگے شروع ہو کر تا اختتامِ خلافتِ معاویہ ہے۔ جہاں تک پہلے حصہ کا تعلق ہے۔ تو اس دور کی خلافت "خلافت حق" تھی۔ لیکن جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دست برداری فرما لی۔ اور دونوں بھائیوں وغیرہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ تو ان چند سالوں کی خلافت اور حکومت حق پر تھی۔ اور آپ ہی خلیفہ برحق تھے۔ خلافت کے اس دور کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا بیعت کر لینا تھی۔ اور اس امر کی تائید و تصدیق شیعہ مذہب

کی کتابیں بھی کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

رجال کشی:۔

فَقَالَ يَا حَسَنُ قُمْ فَبَايِعْ فَقَامَ فَبَايَعَ ثُمَّ قَالَ لِلْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قُمْ فَبَايِعْ فَقَامَ فَبَايَعَ ثُمَّ قَالَ يَا قَيْسُ قُمْ فَبَايِعْ فَالْتَفَتَ لِلْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْظُرُ مَا يَأْمُرُهُ فَقَالَ يَا قَيْسُ اِنَّهُ اِمَامِيْ يَعْنِيْ الْحَسَنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

(رجال کشی ص۱۰۲ تذکرہ قیس بن سعد بن عبادہ مطبوعہ کربلا)

ترجمہ:۔ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک خطیب نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا اے حسن! اٹھیے۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کیجیے۔ یہ سن کر امام موصوف اٹھے۔ اور بیعت کر لی۔ پھر یہی بات خطیب نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہی۔ چنانچہ یہ بھی اٹھے۔ اور بیعت کر لی۔ اس کے بعد خطیب مذکور نے کہا۔ اے قیس! اب تم بھی اٹھو۔ اور بیعت کرو۔ یہ سن کر قیس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف اس غرض سے دیکھا۔ کہ وہ اس بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ چنانچہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے قیس! امام حسن رضی اللہ عنہ میرے امام ہیں۔ (اس لیے جب وہ بیعت کر چکے۔ اور ان کی اتباع میں میں نے بھی بیعت کر لی۔ تو پھر تمہیں بیعت کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے اور کس قسم کی اجازت چاہیے۔ اٹھو

اور فوراً بیعت کرلو۔)

"رجال کشی" کی مذکورہ عبارت سے بالکل واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اور بیعت کرکے یہ ثابت کردیا۔ کہ یہ دونوں حضرات انہیں خلیفۂ برحق اور امام صادق مانتے تھے۔ میدان کربلا میں امام عالی مقام نے یزید کی بیعت نہ کی۔ اور بمعہ دیگر احباب کے جامِ شہادت نوش فرمالیا۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا۔ کہ یزید کی خلافت و امامت کو امام موصوف برحق نہ سمجھتے تھے۔ تو جس طرح یہاں ناحق خلافت و امامت کے وقت بیعت نہ کی۔ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت ناحق ہوتی۔ تو کبھی بھی یہ حضرات اپنا ہاتھ بیعت کی خاطر امیر معاویہ کے ہاتھوں میں نہ دیتے۔ لہٰذا جب حسنین کریمین نے حضرت امیر معاویہ کو امام عادل اور خلیفۂ برحق سمجھ کر بیعت کرلی۔ تو پھر کسی ایرے غیرے کی کیا گنجائش کہ وہ یہ کہے کہ امیر معاویہ کی خلافت ناحق تھی اور ان کی امامت ناجائز تھی۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کے متعلق آئمہ اہل بیت کے ارشادات

قرب الاسناد:

عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ عَلِیًّا عَلَیْهِ السَّلَامُ لَمْ یَکُنْ یَنْسِبُ اَحَدًا مِّنْ اَهْلِ حَرْبِهٖ اِلَی الشِّرْکِ وَلَا اِلَی النِّفَاقِ وَلٰکِنْ یَقُوْلُ هُمْ

لِاِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَیْنَا۔

(قرب الاسناد لابی العباس عبداللہ بن جعفر
القمی ص۴۵ مطبوعہ تہران)

ترجمہ:۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار سے روایت فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ جنگ کرنے والوں میں سے کسی کو بھی شرک وکفر کی طرف منسوب نہ کرتے تھے۔ اور نہ ہی کسی کو ان میں سے آپ نے کبھی منافق کہا۔ لیکن جب کبھی ان کا ذکر ہوتا۔ تو فرماتے۔ وہ ہمارے ہی بھائی ہیں۔ انہوں نے ہم سے بغاوت (زیادتی) کی:۔

وضاحت:۔

حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ کہ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو کہ جنہوں نے جنگ صفین میں حصہ لیا۔ نہ تو مشرک و کافر کہتے اور نہ ہی ان میں سے کسی کو منافق تک کہا۔ بلکہ اپنے دینی بھائی فرما کر یہ ثابت کر دکھایا۔ کہ وہ قطعی مومن اور پکے دیندار تھے۔ ورنہ انہیں اپنے بھائی نہ فرماتے۔ اور پھر آخر میں ان کے ایمان کی پختگی ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔ کہ ان سے کچھ ہم پر زیادتی ہوگئی۔ دراصل یہی زیادتی وہ ہے۔ جسے معترض "بغاوت" کے لفظ سے بہت دور لے گیا۔ حالانکہ اگر بغاوت سے کفر و شرک لازم آتا۔ تو پھر انہیں بھائی کہنا کہاں درست ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ فیصلہ کرنا پڑے گا۔ کہ حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی درست ہے۔ یا معترض کا حیلہ بہانہ اور بغض و عداوت؟ اگر حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کا ارشاد برحق ہے۔ اور یقیناً برحق ہے۔ تو پھر ماننا پڑے گا۔ کہ جنگ صفین اور جنگ جمل کے سب شرکاء مومن اور پکے دیندار تھے۔ (وباللہ التوفیق)

قرب الاسناد:-

عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ عَلِیًّا عَلَیْهِ السَّلَامُ
كَانَ یَقُوْلُ لِاَهْلِ حَرْبِهٖ اِنَّا لَمْ
نُقَاتِلْهُمْ عَنِ التَّكْفِیْرِ وَلَمْ نُقَاتِلْهُمْ
عَلَى التَّكْفِیْرِ لَنَا وَلٰكِنَّا رَاَیْنَا اَنَّا عَلٰى حَقٍّ
وَرَاَوْا اَنَّهُمْ عَلٰى حَقٍّ۔

(قرب الاسناد ص۴۵ مطبوعہ تہران طبع جدید)

ترجمہ:- امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے ساتھ لڑنے والوں کا اس انداز سے ذکر کرتے تھے۔ کہ ہم نے اُن سے اس وجہ سے لڑائی نہیں کی۔ کہ وہ ہمیں کافر کہتے تھے۔ اور نہ ہی ہم انہیں کافر قرار دے کر لڑے۔ بلکہ ہوا یوں کہ انہوں نے خود کو حق پر جانا اور ہم نے اپنے آپ کو حق پر سمجھا۔ دونوں فریق حق کی خاطر اور حق پر ہوتے ہوئے ٹکرا گئے۔ کفر و اسلام کی جنگ نہ تھی۔)

توضیح:-

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے اس کلام سے دو باتیں بالکل ظاہر و باہر ہو گئیں۔ اول یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی لڑائی (اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخاصمت) اور ان کے رفقاء کے ساتھ ان کی لڑائی اس بنا پر نہ تھی۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو معاذ اللہ کافر سمجھتے تھے۔ بلکہ صرف اس وجہ سے ہوئی۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بمعہ اپنے رفقاء کے حضرت عثمان غنی کے قصاص کے معاملہ میں

اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔ اور سیدنا علی المرتضیٰ اپنے طور پر اپنے آپ کو حق پر گردانتے تھے دوسری بات یہ ثابت ہوئی۔ کہ امیر معاویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ حق کی خاطر لڑائی مول لی۔ اور قطعًا وہ اپنے آپ کو باطل پر نہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا جب کوئی شخص اپنے آپ کو حق پر جانتے ہوئے کوئی ایسا فعل یا کوئی ایسی بات کر ڈالتا ہے۔ جو اُس حق کو حاصل کرنے کی خاطر سرانجام دیتا ہے۔ تو نیت کے خلوص کی وجہ سے وہ اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ اور اگر وہی قول و فعل حقیقت میں حق کے مطابق نہ ہو۔ تو پھر ایسے میں یہ "خطائے اجتہادی" کہلاتا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ کے مابین جنگ کسی باہمی عناد اور اختلافِ دین کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ اجتہادی غلطی کی وجہ سے واقعہ ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باوجود اس کے کہ وہ حق پر تھے۔ اور اپنی رائے میں اسی کو حق سمجھتے تھے۔ پھر بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو باطل پر لڑنے والا نہ فرمایا۔ بلکہ انہیں ان کی اپنی رائے کے مطابق حق پر ہی گردانا۔ چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آخر دم تک اپنی رائے پر قائم رہے۔ جو بقول علی المرتضیٰ حق تھی۔ اس لیے آپ کو باغی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یعنی وہ باغی جو خلیفہ برحق کے خلاف ناحق بلوہ کھڑا کر دے۔ اور امت مسلمہ میں انتشار کا باعث بنے۔ لیکن بعد میں تاریخی اور واقعاتی شواہد سے یہ پتہ چلا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے صائب اور درست نہ تھی، اس لیے علمائے اہل سنت نے اس بارے میں یہ عقیدہ رکھا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطاء اجتہادی سرزد ہوئی۔ جسے وہ خود خطاء نہ سمجھتے تھے۔ اگر وہ خود کو خطاء پر سمجھتے۔ تو اس سے رجوع فرما لیتے۔ اسی عقیدہ کی تائید حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس مندرجہ بالا ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

جنگ صفین کے اختتام کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ جو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاءِ کار کے متعلق مختلف ممالک اسلامیہ کو روانہ کیا۔

نہج البلاغہ:-

وَمِنْ كِتَابٍ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَهُ إِلَى أَهْلِ الْأَمْصَارِ يَقُصُّ فِيهِ مَا جَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِ صِفِّينَ وَكَانَ بَدْءُ أَمْرِنَا أَنَّا الْتَقَيْنَا وَالْقَوْمُ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ وَالظَّاهِرُ أَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَنَبِيَّنَا وَاحِدٌ دَعْوَتَنَا فِي الْإِسْلَامِ وَاحِدَةٌ وَلَا نَسْتَزِيدُهُمْ فِي الْإِيمَانِ بِاللّٰهِ وَالتَّصْدِيقِ بِرَسُولِهِ وَلَا يَسْتَزِيدُونَنَا الْأَمْرُ وَاحِدٌ إِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بُرَاءُ۔

(نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ ص۷۴۶
مطبوعہ یوسفی دہلی)

ترجمہ: اکثر شہروں کے معززین کو حضرت نے یہ خط تحریر فرمایا ہے جس میں ماجرائے جنگ صفین کا بیان ہے ہماری اس ملاقات (لڑائی) کی ابتداء

جو اہل شام کے ساتھ واقع ہوئی۔ کیا تھی۔؟ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے۔ کہ ہمارا اور اُن کا خُدا ایک ہے۔ رسول ایک ہے۔ دعوتِ اسلام ایک ہے۔ (جیسے وہ اسلام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔ ویسے ہی ہم بھی) ہم خدا پر ایمان لانے، اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں ان پر کسی فضیلت کے خواہاں نہیں نہ وہ ہم پر فضل و زیادتی کے طلب گار ہیں ہماری حالتیں بالکل یکساں ہیں۔ مگر وہ ابتداء یہ ہوئی۔ کہ خونِ عثمان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ حالانکہ ہم اس سے بری تھے۔

لمحہ فکریہ:۔

قارئین کرام! حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ اور تحریر اُس وقت بر سر عام آئی۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مابین ہونے والی جنگ سرد پڑ چکی تھی۔ اور حالت امن قائم ہو گئی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے امت مسلمہ کی بھلائی اور انہیں باہمی خلفشار سے بچانے کے لیے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا۔ اس خط کے ذریعہ آپ مملکت اسلامیہ کے تمام بڑے بڑے شہروں کے حکمرانوں کے ذریعہ پوری امت مسلمہ کو یہ تبلانا چاہتے تھے۔ کہ میرے اور امیر معاویہ کے درمیان جو جنگ ہوئی۔ وہ کفر و اسلام اور حق و باطل کی جنگ نہ تھی۔ ہم میں سے ہر ایک فریق صاحبِ ایمان اور پختہ مسلمان تھا۔ نہ وہ ہم سے ایمان و اسلام کی زیادتی کے دعوے دار اور نہ ہی ہم اس بات کے مدعی تھے۔

اگر میں (راقم الحروف) حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کی اس تحریر کے بارے میں اپنے دل کی بات کہوں۔ تو امید ہے۔ کہ قارئین کرام اس کو ضرور سراہیں گے۔ اور اس کی تائید بھی کریں گے۔ وہ یہ کہ اللہ رب العزت نے اس باب العلم رضی اللہ عنہ کو

وہ بصیرت عطا فرمائی تھی۔ اور ایسا علم لدنی عطا فرمایا تھا۔ کہ جس کی وجہ سے آپ یہ جانتے تھے کہ ایک دور آئے گا۔ کہ کچھ "نام نہاد محبانِ علی"، اپنی جھوٹی محبت کی آڑ لے کر حضور فداہ امی وابی کے صحابہ پر تنقید و تنقیص کا سوچیں گے۔ اور اپنے خبثِ باطنی کی بنا پر وہ کفر و نفاق کے فتوے لگانے سے بھی نہ چوکیں گے۔ پھر اس پر ان کی ڈھٹائی قابل دید نی یہ ہوگی کہ وہ یہ خرافات میرے حوالے سے بیان کریں گے۔ اور میری آل و اولاد کو اس میں استعمال کرنے کی مذموم کوشش کریں گے آپ نے "اتقوا بفراسة المومن فانه ينظر بنور الله" کے لطفِ ایزدی اور عطائے ربانی سے اسی وقت اس کو بھانپ کر صاف صاف فرما دیا۔ کہ اہل شام اور میرے درمیان جو لڑائی ہوئی۔ ہم میں اور اُن میں ایمان و اسلام کا کوئی فرق نہیں۔ جیسا ان کا رب ایک ویسا ہی ہمارا بھی ایک ہے۔ جیسے وہ اللہ کی تصدیق اور اس کے رسول مقبول کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہم اُن سے اس میں زیادتی کے دعوے دار نہیں۔ اور جس اسلام کی دعوت وہ دیتے ہیں۔ ہم بھی اُسی اسلام کے داعی ہیں۔ ہمارا اور ان کا معاملہ ایک ہی ہے۔

حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ اس قدر واضح ہیں۔ کہ انہیں پڑھ سُن کر کوئی شخص بھی کہ جس کے دل میں تھوڑی سی بھی ایمان کی رمق ہوگی۔ وہ یہ ہرگز نہیں کہے گا۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے دیگر رفقاء معاذ اللہ کافر یا منافق تھے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ارشاد کے مطابق خود اقرار فرما رہے ہیں۔ کہ ایمان باللہ و تصدیق و دعوتِ اسلام میں ہم اُن پر زیادتی کے علمبردار نہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ نفس ایمان و تصدیق میں حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں کوئی فرقِ مراتب نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ اعمال صالحہ کی رُو سے حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل و اعلیٰ ہیں۔ لیکن ایمان و تصدیق میں آپ امیر معاویہ سے زیادتی کے دعوے دار نہیں

اس عظیم ارشاد کے بعد اگر پھر بھی کوئی دریدہ دہن یہ کہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے دیگر رفقائے کار ناقص الایمان یا بالکل بے ایمان تھے۔ (معاذ اللہ) تو پھر ایسے بدزبان سے یہ پوچھا جا سکتا ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایمان و تصدیق کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ایمان اور امیر معاویہ کے ایمان کو برابر قرار دے رہے ہیں۔ اور ان کی تصدیق کو اپنی تصدیق سے فروتر اور کم درجہ نہیں سمجھتے۔ جب تو امیر معاویہ کے بارے ناقص الایمان یا مفقود الایمان ہونے کا قائل اور معتقد ہے۔ تو اسی مساوات سے حضرت علی المرتضیٰ کو بھی یہی کہے گا۔ تیری محبت نے کیا کیا گل کھلائے۔ نہ محبوب کو بخشا اور نہ اس کے ساتھیوں کو معاف کیا۔ کیا یہ سب کچھ تیرے اپنے باطن کا حال ظاہر نہیں ہو رہا؟ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ منہ بدذائقہ ہو۔ تو ہر میٹھی چیز بھی کڑوی لگتی ہے۔ قوت شامہ معطل ہو یا متعفن ہو۔ تو پھولوں کی مہک بھی بدبو لگے گی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے اور امیر معاویہ کے درمیان ایمان و تصدیق اور دعوت اسلام میں فرق نہ جانیں۔ اور ایک قتل عثمان کی غلط فہمی کو جنگ کا سبب قرار دیں۔ اور تو اس کو کفر و اسلام کی ٹکر کہے۔ بخدا! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے بارے میں بالکل صاف تھے۔ اور انہیں مومن و مسلمان سمجھتے تھے۔ اور یہی حق ہے۔ اور اسی کی اتباع چاہیے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

جنگِ صفین کے شرکاء کے بارے میں اہلسنت وجماعت کا مسلک

تفسیر قرطبی:۔

قَالَ الْحَارِثُ الْاَعْوَرُ سُئِلَ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَھُمُ الْقُدْوَۃُ عَنْ قِتَالِ اَھْلِ الْبَغْیِ مِنْ اَھْلِ الْجَمَلِ وَصِفِّیْنَ اَمُشْرِکُوْنَ ھُمْ؟ قَالَ لَا مِنَ الشِّرْکِ فَرُّوْا فَقِیْلَ اَمُنَافِقُوْنَ؟ قَالَ لَا لِاَنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا، قِیْلَ لَہٗ فَمَا حَالُھُمْ قَالَ اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَیْنَا۔

(۱۔ تفسیر قرطبی جزء ۱۶ ص ۳۲۴ سورۃ الحجرات زیر آیت "انما المومنون اخوۃ" مطبوعہ قاہرہ)

(۲۔ السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۸ ص ۱۷۳ کتاب قتال اہل البغی مطبوعہ مکہ مکرمہ)

ترجمہ:۔ حارث اعور کہتے ہیں۔ کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے جنگ جمل اور جنگ صفین کے شرکاء کے بارے میں پوچھا گیا جنہوں نے ان کے خلاف بغاوت کی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کے مقابل لشکروں کے

کرتا دھرتا تھے۔ کیا وہ مشرک ہیں؟ فرمایا نہیں وہ تو شرک سے دور نکل بھاگ گئے ہیں۔ (یعنی شرک اب ان کے قریب پھٹک تک نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔) پھر پوچھا گیا اچھا تو وہ منافق ہوں گے۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ کیونکہ منافقین تو اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں (اور دونوں جنگوں کے شرکاء کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے ہیں) پھر دریافت کیا گیا۔ پھر ان کی کیا حالت ہے۔؟ فرمایا۔ ہمارے ہی بھائی ہیں۔ جنہوں نے ہم سے بغاوت (زیادتی) کی۔

مجمع الزوائد:۔

عَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْاَصَمِّ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَتْلَاىَ وَ قَتْلٰى مُعَاوِيَةَ فِي الْجَنَّةِ۔ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَرِجَالُهٗ وُثِّقُوْا۔

(مجمع الزوائد و منبع الفوائد حافظ ابوبکر الھیثمی جلد ۵ جز ۹ ص ۳۵۷ در باب ماجاء فی معاویۃ بن سفیان" مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔ یزید بن اصم راوی نے کہا۔ کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان لڑائی میں قتال کرنے والے اور شہید ہونے والے تمام جنتی ہیں۔ اس روایت کو امام طبرانی نے ذکر کیا۔ اور اس کے تمام راویوں کو ثقہ کہا گیا۔

اہل سنت وجماعت کی کتب میں یوں تو بہت سی روایات اس موضوع پر موجود ہیں لیکن ہم نے بطور نمونہ چند دو روایات ذکر کیں۔ ان کے مفہوم کو آپ نے پڑھ لیا۔ خاص کر مجمع الزوائد کی روایت کہ جس کے راویوں کی ثقاہت بھی ساتھ ہی موجود ہے۔ ان دونوں روایات میں واضح طور پر یہ کہا گیا۔ کہ خود حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور ان کے تمام ساتھیوں کو جو جنگ صفین میں شریک تھے۔ اور ایک دوسرے کے ہاتھوں شہید ہوئے صاف صاف جنتی فرمایا۔ تو ہماری ان روایات اور کتب شیعہ سے ذکر کردہ روایات کا منبع حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ دونوں طبقوں نے جو اس بارے میں روایات ذکر کیں۔ اُن سے صاف صاف عیاں کہ اہل سنت وجماعت اور اہل تشیع دونوں کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے تمام رفقاء مومن اور جنتی ہیں۔ لہٰذا ان حضرات کے بارے میں زبان لعن طعن دراز کرنا در اصل انہیں تو ملعون نہ بنا سکے گا بلکہ خود کہنے والا اپنی زبان سے اپنے اوپر لعن طعن کر رہا ہے۔ کیونکہ احادیث میں موجود ہے۔ جو کسی ایسے شخص پر لعن طعن کرتا ہے۔ جو اس کا مستحق نہیں۔ تو لعنت لوٹ کر اسی پر پڑتی ہے۔ جو لعنت کر رہا ہوتا ہے۔ خود کتب شیعہ اس مضمون کی تائید کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

قرب الاسناد:۔

قَالَ (اَبُوْعَبْدُ اللهِ) اَبِیْ اَنَّ اللَّعْنَةَ اِذَا خَرَجَتْ مِنْ صَاحِبِهَا تَرَدَّدَتْ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ الَّذِیْ يُلْعَنُ فَاِنْ وَجَدَتْ مَسَاغًا وَ اِلَّا عَادَتْ اِلٰی صَاحِبِهَا وَكَانَ

اَحَقُّ بِهَا فَاحْذَرُوْا اَنْ تَلْعَنُوْا مُؤْمِنًا فَيَحِلُّ بِكُمْ۔

(۱۔ قرب الاسناد ص ۷ مطبوعہ تہران طبع جدید)

(۲۔ حلیۃ المتقین ص ۲۶ (رعایت حقوق مومناں) طبع قدیم ایران)

ترجمہ:۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب کوئی لعنت کرنے والا کسی پر لعنت کرتا ہے۔ تو وہ لعنت ان دونوں یعنی لعنت کرنے والے اور جس پر لعنت کی گئی کے درمیان پھرتی ہے۔ اگر اسے کوئی راستہ مل جائے۔ (اور ایسی وجہ لعنت کئے جانے والے میں پائے۔ جو لعنت کا سبب بن سکتی ہے) تو اس کی طرف چلی جاتی ہے۔) اور اگر اس کی طرف کوئی راستہ نہ ملے۔ تو جس نے کہی۔ اسی پر پلٹ جاتی ہے۔ اور وہی اس کا زیادہ حق دار بھی ہے۔ لہذا کسی مومن پر لعنت کرنے سے حد درجہ احتیاط برتو کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ وہ لعنت خود تم پر آن پڑے۔

روایات بالا میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق یہ بات ظاہر ہے۔ کہ آپ کسی مومن پر لعنت بھیجنے سے بڑی احتیاط کا حکم دے رہے ہیں۔ ورنہ وہ لعنت خود بھیجنے والے پر واقع ہو جائے گی۔ اب جبکہ کتب شیعہ اور کتب اہل سنت سے یہ بات بالاتفاق ثابت ہو چکی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء قطعی اور پکے مومن ہیں۔ اور جنتی ہیں۔

تو پھر ان حضرات پر زبان لعن وطعن دراز کرنا رو فحل ملحون،، نہیں تو اور

کیا ہے؟

لہٰذا ان لوگوں سے مجھے امید ہے۔ جو اس قسم کی واہی تباہی کہتے سنتے اور لکھتے پڑھتے ہیں۔ بقول امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ باز آجائیں گے۔ ورنہ ان کے اس طرز سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کا تو کچھ نہ بگڑے گا۔ بلکہ خود کہنے والا در ملعون،، ہوگا۔ بھلے کی بات جہاں سے بھی ملے۔ لے لینی چاہیئے۔ پھر جب ہمارے تمہارے سب کے محترم کہیں۔ اس سے اعراض ابدی ذلت کے سوا کچھ عطا نہ کرے گا۔

(وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم)

طعن دوم

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ کو قتل کرنے کی وجہ سے امیر معاویہ نص قطعی کے مطابق باغی ہیں۔

فتح القدیر:

وَقَوْلُهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِعَمَّارٍ سَتَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ وَقَدْ قَتَلَهٗ اَصْحَابُ مُعَاوِيَةَ يُصَرِّحُ بِاَنَّهُمْ بُغَاةٌ۔

(فتح القدیر شرح ہدایہ جلد ۵ ص ۴۱ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو فرمایا عنقریب تمہیں باغیوں کا ایک گروہ قتل کرے گا۔ اور یہ حقیقت ہے۔ کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے قتل کیا۔ اس سے صراحۃً ثابت ہو گیا۔ کہ قاتلانِ عمار بن یاسر باغی ہیں۔

حدیث بالا اہل سنت و جماعت کے ایک مسلم و محقق امام جناب ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایسی کتاب میں اس کو ذکر کیا۔ جس کا شہرہ مشرق و مغرب میں ہے۔ اور "فتح القدیر" کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں دو ٹوک انداز میں اس بات کی صراحت ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے تمام لشکری باغی ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی تائید و نصرت پر صادق آتی۔ لہٰذا حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قتل کے جرم کی وجہ سے یہ حضرات باغی قرار پائے۔ اس لیے انہیں باغی قرار نہ دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو جھٹلانا ہے۔ اور اہل سنت کے ایک عظیم امام کے نقل کرنے کی بنا پر اس کو اور تقویت مل جاتی ہے۔

جواب :-

حدیث مذکور میں دو باتوں کا ذکر ہے۔ اول یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کار باغی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اس حدیث کی روشنی میں ان کی بغاوت بالصراحت ثابت ہو گئی۔ لیکن ان دونوں باتوں کے اندر مجموعی طور پر جس بات کو اچھالا جا رہا ہے۔ وہ ان حضرات کا باغی ہونا ہے۔ ہم گزشتہ اوراق میں اس الزام بغاوت کا تفصیلی جائزہ پیش کر چکے ہیں۔ اور بوجہ بغاوت ان حضرات کو اسلام سے خارج قرار دینے کی تفصیل بھی رقم کر چکے ہیں۔ جس کا اعادہ فضول ہے۔ رہی یہ بات کہ اس حدیث کی رو سے ثبوتِ بغاوت کا کیا جواب ہے۔ تو اس بارے میں گزارش یہ ہے۔ کہ حدیث مذکور کہ جس کا ثبوتِ بغاوت میں سہارا لیا جا رہا ہے وہ حدیثِ قطعی متواتر یا مشہور تو کجا بلکہ صحیح اور خبر واحد بھی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس حدیث کے روایت کرنے والوں میں ایک راوی "معلی بن عبدالرحمن" ہے اس راوی کے متعلق فنِ اسماء الرجال کی کتب میں بہت واضح جرح کی گئی ہے۔ اور "کذاب" تک کہا گیا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

تہذیب التہذیب :-

قَالَ اَبُوْ دَاؤدَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ مُعِيْنٍ وَ سُئِلَ عَنْهُ فَقَالَ اَحْسَنُ اَحْوَالِهِ عِنْدِيْ اَنَّهٗ قِيْلَ لَهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ اَلَا تَسْتَغْفِرُ اللهَ

تَعَالٰی فَقَالَ اَلَا اَرْجُوْا اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ وَ قَدْ وَضَعْتُ فِیْ فَضْلِ عَلِیٍّ سَبْعِیْنَ حَدِیْثًا وَقَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَلِیٍّ الْمَدِیْنِیْ عَنْ اَبِیْہِ ضَعِیْفُ الْحَدِیْثِ وَ ذَھَبَ اِلٰی اَنَّہٗ کَانَ یَضَعُ الْحَدِیْثَ قَالَ وَرَمَیْتُ بِحَدِیْثِہٖ وَضَعَّفَہٗ جِدًّا ۔۔۔۔۔۔۔ وَقَالَ اِبْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنْ اَبِیْہِ ضَعِیْفُ الْحَدِیْثِ کَاَنَّ حَدِیْثَہٗ لَا اَصْلَ لَہٗ وَقَالَ مُرَّۃً مَتْرُوْکُ الْحَدِیْثِ ۔۔۔۔۔۔۔ وَقَالَ الدَّارُ قُطْنِیْ ضَعِیْفٌ کَذَّابٌ ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۳۸
مطبوعہ بیروت طبع جدید)

ترجمہ: ابو داؤد کہتے ہیں۔ کہ جب یحییٰ بن معین سے "معلی بن عبد الرحمٰن" کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو میں اس وقت پاس بیٹھا سن رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس کی بہترین حالت کی ایک مثال یہ ہے۔ کہ جب بوقت مرگ اسے کسی نے کہا۔ اللہ تعالیٰ سے معافی کیوں نہیں مانگتے۔؟ کہنے لگا۔ کیا میں اپنی مغفرت سے ناامید ہو جاؤں (یعنی مجھے مغفرت مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں) کیونکہ میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے متعلق ستر احادیث گھڑی ہیں۔ (اتنی بڑی نیکی ہوتے ہوئے مجھے استغفار کی کیا پڑی ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی من گھڑت فضیلتوں کا سہارا میری مغفرت کے لیے کافی ہے اگر معنی یوں کیا جائے۔

دو میں مغفرت کی امید بایں وجہ نہیں رکھتا۔ کہ میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ستر احادیث خود ساختہ اور من گھڑت لوگوں میں پھیلا دیں۔ اتنے بڑے جُرم کے ہوتے ہوئے میری بخشش کیسے ہو سکتی ہے:: تو اس معنی کے طور پر بھی معلوم ہوا۔ کہ یہ شخص من گھڑت احادیث پیش کرنے والا ہے۔)

حضرت عبداللہ بن علی المدینی اپنے والد گرامی سے ناقل کہ انہوں نے اس (معلی) کو "ضعیف الحدیث" کہا ہے۔

اور یہ بھی کہ یہ شخص احادیث خود گھڑتا تھا۔ اور فرمایا۔ کہ میں اس کی بیان کردہ حدیث کو چھوڑ دیتا ہوں۔

اور اس کی بہت زیادہ تضعیف کیا کرتے تھے۔

ابن ابی حاتم اپنے باپ سے راوی کہ میرے باپ بھی اس کو "ضعیف الحدیث" کہتے تھے۔ اور یہ بھی کہتے۔ کہ (معلی مذکور) کی روایت کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔ اسی طرح "مرۃ" نے اسے "متروک الحدیث" کہا۔ اور امام دارقطنی نے "ضعیف اور کذاب" کہا ہے۔

قابل غور:۔

ناظرین وقارئین کرام آپ نے غور فرمایا ہوگا۔ کہ اس حدیث کے ایک راوی "معلی" نامی کے متعلق ناقدین احادیث نے کس قدر گرفت فرمائی۔ اور اسے ایسا شخص قرار دیا۔ جو خود حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا۔ اور پھر اس پر مزید یہ کہ اس شخص کو اس عمل پر اپنی نجات کا بے پناہ سہارا تھا۔ دیا خود اپنی اس بُری حرکت پر اس قدر نالاں تھا۔ کہ اسے اسی وجہ سے اپنے بارے میں یقین تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ سے میری استغفار بھی اس جُرم سے رہائی نہ دے سکے گی) تو کیا بعید کہ روایت زیر بحث بھی اُن احادیث کی طرح اس کی

خود گھڑی ہوئی ہو جس طرح اس نے حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ستر احادیث گھڑی تھیں۔

پھر محدثین کرام نے اس کو "متروک الحدیث"، کذاب اور ناقابلِ اعتبار آدمی قرار دیا۔ جعلی روایت سے استدلال کسی طور درست نہیں ہو سکتا۔ اس قدر ناقابل اعتبار اور من گھڑت حدیثیں بیان کرنے کے باوجود اگر کوئی شیعہ یہ رٹ لگاتا رہے۔ یہ راوی ثقہ ہے اور اسکی یہ حدیث قطعی ہے۔ تو کم از کم میں اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہوں کہ "قطعی" سے اس کی کیا مراد ہے؟ حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ خبر واحد صحیح بھی نہیں۔ بلکہ سرے سے ہے ہی گھڑی ہوئی حدیث۔ تو جس کا نہ سر نہ پاؤں اُسے تم قابلِ استدلال گردانتے ہو۔

آؤ ہم تمہیں اس حدیث کے بارے میں مزید حقائق دکھائیں۔

امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف "لوٗالی المصنوعہ فی احادیث الموضوعۃ" میں اس حدیث کو مکمل سند کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اور پھر اس کی حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے فیصلہ کن چند باتیں تحریر فرمائیں۔ ملاحظہ ہوں۔

لوٗالی المصنوعہ:

(الخطیب) اَخْبَرَنِی الْحَسَنُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْمقْرِی حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ یُوْسُفَ اَنْبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ الْمطِیْری حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ الْمؤدب حَدَّثَنَا الْمُعَلّٰی بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا شَرِیْکٌ عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ مِهْرَانَ الْاَعْمَشِ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدِ

قَالَا اَتَيْنَا اَبَا اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيَّ عِنْدَ مُنْصَرَفِهٖ مِنْ صِفِّيْنَ فَقُلْنَا لَهٗ اَبَا اَيُّوْبَ اِنَّ اللّٰهَ اَكْرَمَكَ بِكَذَا وَكَذَا ثُمَّ جِئْتَ بِسَيْفِكَ عَلٰى عَاتِقِكَ تَضْرِبُ بِهٖ اَهْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ يَا هٰذَا اِنَّ الرَّائِدَ لَا يَكْذِبُ اَهْلَهٗ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنَا بِقِتَالِ ثَلَاثَةٍ مَعَ عَلِيٍّ بِقِتَالِ النَّاكِثِيْنَ وَالْقَاسِطِيْنَ وَالْمَارِقِيْنَ فَاَمَّا النَّاكِثُوْنَ فَقَدْ قَاتَلْنَاهُمْ يَوْمَ الْجَمَلِ طَلْحَةَ وَالزُّبَيْرَ وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَهٰذَا مُنْصَرَفُنَا يَعْنِيْ مُعَاوِيَةَ وَعَمْرًا وَاَمَّا الْمَارِقُوْنَ فَهُمْ اَهْلُ الطُّرَفَاوَاتِ وَاَهْلُ السَّعِيْفَاتِ وَالنُّخَيْلَاتِ وَاَهْلُ النَّهْرَوَانَاتِ وَاللّٰهِ مَا اَدْرِيْ اَيْنَ هُمْ وَلٰكِنْ لَا بُدَّ مِنْ قِتَالِهِمْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ وَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِعَمَّارٍ يَا عَمَّارُ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ وَاَنْتَ اِذْ ذَاكَ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَكَ يَا عَمَّارُ اِذَا رَاَيْتَ عَلِيًّا قَدْ سَلَكَ وَادِيًا وَسَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا غَيْرَهٗ فَاسْلُكْ مَعَ عَلِيٍّ فَاِنَّهٗ لَنْ يُدْلِيَكَ فِيْ رَدًى وَلَنْ يُخْرِجَكَ مِنْ هُدًى يَا عَمَّارُ مَنْ تَقَلَّدَ سَيْفًا اَعَانَ بِهٖ

عَلٰی عُدُوِّہٖ قَلَّدَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وِشَاحَیْنِ مِنْ دُرٍّ وَمَنْ تَقَلَّدَ سَیْفًا اَعَانَ بِہٖ عُدُوًّا عَلٰی عَلِیٍّ قَلَّدَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وِشَاحَیْنِ مِنْ نَّارٍ قُلْنَا لَہٗ یَا ھٰذَا حَسْبُکَ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ حَسْبُکَ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ مَوْضُوْعٌ وَ الْمُعَلّٰی مَتْرُوْکٌ یَضَعُ وَ اَبُوْ اَیُّوْبَ لَمْ یَشْهَدْ صِفِّیْنَ۔

(کتاب لؤالی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ ص۲۱۲-۲۱۳ جلد ۱)

ترجمہ: (بحذف الاسناد) جناب ابراہیم حضرت علقمہ اور اسود علیہما الرحمۃ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں۔ ہم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں اس وقت حاضر ہوئے۔ جب وہ جنگ صفین سے واپس تشریف لائے تھے۔ ہم نے عرض کی۔ اے ابوایوب! اللہ رب العزت نے آپ کو بہت سی باتوں سے نوازا۔ اور صاحب تعظیم و تکریم بنایا۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ تم تلوار اٹھائے ان لوگوں کو قتل کرتے پھرتے ہو۔ جو لا الہ الا اللہ الخ پڑھنے والے ہیں؟ انہوں نے ہمیں جواباً فرمایا۔ اسے شخص! یاد رکھو۔ ہراول دستہ کبھی اپنے لشکر سے غلط بیانی نہیں کرتا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حضرت علی المرتضےٰ کی معیت میں تین اقسام کے گروہوں سے لڑنے کا حکم دیا ہوا ہے۔ اول ناکثین دوم قاسطین اور سوم مارقین۔

جہاں تک اول گروہ سے لڑائی کا تعلق ہے۔ (یعنی ناکثون کہ جنہوں نے

حضرت علی المرتضے رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی تھی، تو ہم جنگ جمل میں ان سے لڑکر فراغت پا چکے۔ جن میں طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہما) بھی تھے۔ اور دوسرا گروہ (یعنی قاسطون کر حق سے ہٹ کر ناحق راستہ پر چل پڑے) تو ہم ابھی اُن کے ساتھ لڑکر واپس آ رہے ہیں۔ یعنی جنگ صفین سے کہ جس جنگ میں امیر معاویہ اور عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) بھی شامل تھے۔ اور تیسرا گروہ (یعنی مارقون کہ جو مسلم اکثریت سے کٹ جائیں) ان لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ جو طرفات، سیعفات، نخیلات اور نہروانات کے باشندہ ہیں۔ خدا کی قسم! میں نہیں جانتا۔ کہ وہ کہاں ہیں؟ لیکن انشاء اللہ اُن سے ضرور لڑائی ہوگی۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمار سے کہتے سُنا۔ اے عمار! تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ اور اس وقت تو حق پر ہوگا۔ اے عمار! اگر کسی وقت تو یہ دیکھے۔ کہ لوگ حضرت علی المرتضے (رضی اللہ عنہ) کے خلاف دوسرے راستہ پر چل رہے ہوں۔ اور حضرت علی کا راستہ اور ہو۔ تو تمہیں حضرت علی کے راستہ پر چلنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ وہ یقیناً تجھے کسی تباہی میں نہ دھکیلیں گے۔ اور نہ ہی غلط راستہ پر ڈالیں گے اے عمار! جس نے تلوار اٹھائی اور اس سے حضرت علی کی حمایت کی۔ اور ان کے دشمنوں کے خلاف لڑا۔ تو ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن موتیوں کے جڑاؤ والے دو ہار پہنائے گا۔ اور جس نے تلوار اس لیے اٹھائی۔ کہ وہ اس سے حضرت علی اور ان کے ساتھیوں کے مقابلہ میں ان کے دشمنوں کی مدد کرے۔ اُسے اللہ تعالیٰ بروز قیامت آگ کے انگاروں کے دو ہار پہنائے گا۔ (جب حضرت ابوایوب نے جناب علقمہ اور اسود

سے یہ گفتگو کی۔ تو) ان دونوں نے کہا۔ ابو ایوب! بس کیجئے۔ ٹھہر جائیے۔
اتنا ہی کافی ہے۔ اللہ آپ پر رحم کرے۔

(علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ اتنا واقعہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں) یہ سب من گھڑت روایت ہے۔ کیونکہ اس روایت کی سند میں ایک ''المعلی'' نامی راوی ایسا ہے جس کی روایت کو متروک کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ اپنی طرف سے حدیثیں گھڑتا تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تو سرے سے جنگ صفین میں شریک ہی نہ تھے۔ (جو اس روایت کے مرکزی کردار ہیں)

حاصل کلام:۔

حدیث خواہ کتنی ہی شہرت یافتہ ہو۔ مگر اس کی صحت اور عدم صحت کے بہت سے اسباب مقرر ہیں۔ ان میں سے ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ جس سند کے ساتھ اُسے روایت کیا گیا اس کے تمام افراد غیر مجروح ہونے چاہئیں۔ امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتح القدیر'' میں مذکورہ روایت ضرور ذکر کی لیکن اس کی سند ذکر نہ کی۔ اور علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو بالتفصیل اور وہ بھی سند کے ساتھ ذکر فرمایا جیسا کہ ''اللآلی المصنوعہ'' میں علامہ سیوطی نے پوری حدیث ذکر کرنے کے بعد اس میں دو طرح کی جرح کی۔

۱۔ یہ کہ اس حدیث کی سند میں ''المعلی بن عبد الرحمٰن'' ایک ایسا راوی ہے۔ جو خود احادیث گھڑتا تھا۔ لہٰذا اسی بنا پر امام السیوطی نے اس حدیث کو ''موضوع'' کہا۔ پھر یہ وہی راوی ہے۔ کہ جس کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی نے کہا۔ کہ یہ کذاب ہے۔ اور بوقتِ مرگ خود اقرار کرتا ہے۔ کہ میں نے صرف حضرت علی المرتضٰے رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ستر احادیث خود گھڑ کر بیان کیں۔ ناظرین کرام! اب

خود فیصلہ کریں کہ جس حدیث کی سند میں ایسا راوی ہو۔ اسے کون قبول کرے گا۔ اور ایسی حدیث کب اس قابل ہے کہ اُسے بطور حجت و دلیل پیش کیا جائے۔

۲۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہ جنہیں اس حدیث کا اصل راوی قرار دیا جا رہا ہے۔ وہ سرے سے جنگ صفین میں شریک ہی نہ تھے۔ تو بغیر شرکت کئے واپسی کا کیا معنی؟ لہذا انہیں جنگ صفین میں شریک بنا کر پھر ان کی واپسی دکھا کر اور اس کے بعد ان سے یہ حدیث بنا کر ذکر کرنا ایک طرح نہیں کئی طرح جھوٹوں کا پلندہ ہے۔

ان دو طرح کی جرح ذکر کرنے کے بعد علامہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت سے فیصلہ صادر فرمایا۔ اور کہا۔ یہ حدیث ”موضوع“ ہے۔ یعنی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی نہیں۔ بلکہ ”معلی بن عبد الرحمٰن“ کی ساخت ہے۔ جو کذب بیانی سے کام لے کر اِسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کہہ رہا ہے

لمحۂ فکریہ :۔

حضرات قارئین! مذکورہ طعن کی مفصل تردید آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی۔ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو لفظِ ”باغی“ سے دھوکہ و فریب دیا جاتا ہے۔ یعنی اس کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے۔ اور ان کا امت مسلمہ سے کوئی تعلق باقی نہ تھا۔ بلکہ وہ کافر اور مشرک ہو گئے۔ (معاذ اللہ) یہ سب عیاری اور مکاری ہے۔ اور دجل و فریب کا ایک شاخسانہ ہے۔ برخلاف اس کے حقیقتِ حال یوں ہے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام میں باہم ایک دوسرے کے حامی و ناصر تھے۔ اور اس معاملہ میں خود کو کوئی بھی فوقیت دینے کو تیار نہ تھا۔ صرف ایک اجتہادی غلطی یعنی خون عثمان غنی

کے معاملہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضٰی کے درمیان جنگ تک نوبت پہنچ گئی۔ اسی کی نشاندہی مندرجہ ذیل عبارت بھی کرتی ہے۔

البدایہ والنہایہ :۔

فَلَمَّا رَاٰی مَلِكُ الرُّوْمِ اِشْتِغَالَ مُعَاوِيَةَ بِحَرْبِ عَلِيٍّ تَدَانٰى اِلٰى بَعْضِ الْبِلَادِ فِيْ جُنُوْدٍ عَظِيْمَةٍ وَطَمَعَ فِيْهِ فَكَتَبَ مُعَاوِيَةُ اِلَيْهِ وَاللّٰهِ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ وَتَرْجِعْ اِلٰى بِلَادِكَ يَا لَعِيْنُ لَاَصْطَلِحَنَّ اَنَا وَابْنُ عَمِّيْ عَلَيْكَ وَلَاُخْرِجَنَّكَ مِنْ جَمِيْعِ بِلَادِكَ وَلَاُضَيِّقَنَّ عَلَيْكَ الْاَرْضَ بِمَا رَحُبَتْ فَعِنْدَ ذٰلِكَ خَافَ مَلِكُ الرُّوْمِ وَانْكَفَّ۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ نمبر ۱۱۹ سن ستین من الهجرة مطبوعہ بیروت)

ترجمہ:۔ جب رومی بادشاہ نے یہ دیکھا۔ کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے بر سر پیکار ہیں۔ تو اس نے بہت بڑے جتھوں کے ذریعہ بہت سے قریبی شہروں کے نزدیک پڑاؤ ڈال لیا۔ اور کچھ امیدیں وابستہ کیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب اس شرارت کا علم ہوا۔ تو لکھ بھیجا۔ خدا کی قسم! اگر تو باز نہ آیا۔ اور اپنے علاقہ میں واپس نہ گیا۔ تو

اے لعنتی! اچھی طرح جان لو کہ میں اور میرے چچا کے بیٹے حضرت علی دونوں باہم صلح کر کے تمہاری شامت لے آئیں گے۔ اور تمام شہروں سے تجھے باہر نکال پھینکیں گے۔ اور زمین اگرچہ اللہ نے بہت وسیع پیدا کی لیکن میں اس کو تم پر تنگ کر دوں گا۔ اس تحریر کے ملنے اور پڑھنے کے بعد رومی بادشاہ ڈرا۔ اور دم دبا کر بھاگ گیا۔

جیسا کہ سبھی جانتے ہیں۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما نسبی طور پر بھائی تھے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے چچیرے بھائی تھے۔ اسی طرح وہ اُس اخوت اور بھائی چارہ میں بھی منسلک تھے۔ جسے اسلام نے قائم کیا۔ روایت مذکورہ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ کیونکہ خونِ عثمان غنی کے معاملہ میں خود کو حق پر سمجھتے ہوئے اگرچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ سے حالتِ جنگ میں تھے۔ لیکن اس دکھ اور انتہائی صدمہ کے باوجود وہ یہ ہرگز برداشت نہ کر سکے۔ کہ ہمارے باہمی اختلاف سے کوئی غیر مسلم ناجائز فائدہ اٹھانے کی فکر کرے۔ اور جب رومی بادشاہ کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ ہمارے اس اختلاف کی وجہ سے کچھ غاصبانہ اور جابرانہ ارادے رکھتے ہوئے فوجی جتھوں کو مسلم شہروں کے قریب لا کھڑا کر رہا ہے۔ تو اس دینی اخوت سے سرشار حضرت امیر معاویہ نے صاف صاف لکھ بھیجا۔ کہ ہماری باہم صلح کوئی ناممکن نہیں۔ بلکہ میں اپنے تمام مطالبات چھوڑ کر حضرت علی سے صلح کر کے تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ بہتر ہے۔ کہ تم اپنے ارادے دل میں ہی لے کر واپس پلٹ جاؤ۔ ورنہ دنیا دیکھے گی۔ کہ تمہاری کیا درگت بنتی ہے۔

آخری گزارش:

اہلِ انصاف ہماری ان گزارشات اور اس سے سابقہ تحریرات سے اس امر کو بخوبی جان چکے ہوں گے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کے مابین کوئی کفر و ایمان کی جنگ نہ تھی۔ اور نہ ہی یہ دونوں ایک دوسرے کو کافر و مشرک کہنے پر تیار تھے۔ بلکہ ایمان و اسلام میں اپنے کو دوسرے پر فوقیت بھی نہ دیتے تھے۔ باہم ایک خدا کے ماننے والے اور ایک ہی رسول کے نام لیوا اور ایک ہی دین کے داعی تھے۔ ان تمام امور کی تصریحات کے بعد اگر کوئی زبان درازی کا یوں مظاہرہ کرے۔ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ کے دشمن تھے۔ تو یہ حقائق و شواہد کی تکذیب نہیں تو پھر کیا ہے۔؟ ہاں جو مجسّم دین (حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ) کا خون گرانے سے نہ چوکے۔ نہ انہیں غیرت و شرم آئی۔ وہ اگر دین کا خون بہا دیں۔ تو کیا تعجب؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان اگر وجہ اختلاف کوئی امر بنا۔ تو وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کا معاملہ تھا۔ جس کی تفصیل آپ گذشتہ اوراق میں ملاحظہ فرما چکے۔ حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ نے اپنے بارے میں یہ بھی صاف صاف فرما دیا۔ کہ اس میں میرا قطعًا ہاتھ نہیں۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

ماخذ و مراجع (شیعہ کتب) برائے تحفہ جعفریہ جلد سوم

نام کتب	تصنیف	طبع
تفاسیر شیعہ:-		
ترجمہ مقبول	مقبول احمد شیعہ	اسلام پورہ لاہور
تفسیر منہج الصادقین	ملا فتح علی کاشانی	تہران
تفسیر صافی	محمد بن مرتضٰے المعروف فیض کاشانی	" طبع جدید
تفسیر مجمع البیان	ابو علی فضل بن حسن طبرسی	" " "
تفسیر قمی	ابو الحسن علی بن ابراہیم قمی	" طبع قدیم
تفسیر لوامع التنزیل	سید علی حیری رضوی لاہوری	لاہور " "
تفسیر امام حسن عسکری مترجم	امام حسن عسکری	
شیعہ کتب حدیث		
اصول کافی	محمد بن یعقوب کلینی رازی	تہران طبع جدید
فروغ کافی	" " "	" " "
من لایحضرہ الفقیہ	ابو جعفر شیخ محمد بن علی صدوق	" " "
الاستبصار	شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی	" " "
تہذیب الاحکام	" " "	" " "
علل الشرائع	شیخ صدوق	بیروت " "
نہج البلاغہ	سید ابو الحسن شریف محمد رضی	" " "
قرب الاسناد	ابو العباس عبداللہ بن جعفر حمیری قمی	تہران " "
کتاب خصال شیخ صدوق	شیخ محمد بن علی صدوق	" " "
بحار الانوار	ملاں باقر مجلسی	" " "

نام کتاب	تصنیف	طبع
شروح حدیث		
ابن میثم شرح نہج البلاغہ	کمال الدین میثم بن علی بن میثم	تہران طبع قدیم
نیرنگ فصاحت ترجمہ " "	ذاکر حسین	دہلی " "
درہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ	شیخ ابراہیم بن حاجی حسین	تہران " "
ابن ابی حدید " " "	ابوالحامد عبدالحمید	بیروت طبع جدید
صافی شرح اصول کافی	ملاں خلیل قزوینی	نول کشور قدیم
فیض الاسلام شرح نہج البلاغہ	حاجی سید علی نقی المعروف فیض الاسلام	تہران طبع جدید
مرآۃ العقول شرح اصول کافی	ملاں باقر مجلسی	
کتب اسماء رجال شیعہ		
رجال کشی	محمد بن عمر کشی	کربلا (اعلمی)
تنقیح المقال فی علم الرجال	شیخ عبداللہ ماحقانی	تہران طبع جدید
جامع الرواۃ	محمد بن اردبیلی	قم " "
رجال العلامۃ الحلی		
شیعہ کتب تاریخ وحالات آئمہ		
روضۃ الصفا	محمد بن خاوند شاہ	لکھنو طبع قدیم
فرق الشیعہ	ابو محمد بن موسیٰ نوبختی	نجف طبع جدید
ناسخ التواریخ	لسان الملک مرزا محمد تقی سپہر	تہران " "
انوار نعمانیہ	سید نعمت اللہ جزائری	" "
احتجاج طبرسی	شیخ ابو منصور احمد بن علی طبرسی	نجف قدیم وجدید
جامع الاخبار	ابو جعفر محمد علی بن حسین صدوق	تہران طبع جدید
حیات القلوب	ملاں باقر مجلسی	لکھنو طبع قدیم
ارشاد شیخ مفید	محمد بن محمد بن نعمان	قم طبع جدید
مجالس المومنین	سید نور اللہ شوستری	تبریز " "
احقاق الحق	" " "	" " "

نام کتاب	تصنیف	طبع
کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ	ابو الحسن علی بن عیسیٰ	تبریز طبع جدید
حملہ حیدری	مرزا محمد رفیع مشہدی	تہران 〃 〃
تاریخ آئمہ	سید علی حیدر نقوی	لاہور
جلاء العیون	ملاں باقر مجلسی	تہران طبع جدید
تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین	سید مظہر حسین سہارنپوری	دہلی 〃 〃
مناقب آل ابی طالب	محمد بن علی بن شہر آشوب	قم 〃 〃
منتہی الآمال	شیخ عباس قمی	تہران 〃 〃
مروج الذہب	ابو الحسن علی بن حسین مسعودی	بیروت 〃 〃
ذبح عظیم	سید اولاد حیدر بلگرامی	لاہور 〃 〃
الاخبار الطوال	احمد بن داؤد دینوری	بیروت 〃 〃
منتخب التواریخ	حاجی محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی	تہران 〃 〃
التنبیہ والاشراف	ابو الحسن علی بن حسین مسعودی	مصر 〃 〃
الآمالی والمجالس	ابو جعفر محمد بن حسن شیخ طوسی	قم 〃 〃
معانی الاخبار	ابو جعفر محمد بن علی شیخ صدوق	بیروت 〃 〃
ارشاد القلوب	شیخ ابی محمد حسین دیلمی	〃 〃 〃
امالی شیخ صدوق	محمد بن علی شیخ صدوق	قم طبع قدیم
حلیۃ الابرار	سید ہاشم حسین	قم طبع جدید
تاریخ یعقوبی	احمد بن ابی یعقوب	بیروت 〃
عمدۃ المطالب	سید جمال الدین احمد بن حسن	نجف 〃 〃
کتاب نسب قریش		
تحفۃ العوام	سید مظفر حسین	نولکشور طبع قدیم
الکنیٰ والالقاب	شیخ عباس قمی	تہران طبع جدید
جامع الاخبار		
اعلام الوریٰ	ابو علی فضل بن حسن طبرسی	بیروت 〃 〃
عیون اخبار الرضا	محمد بن علی شیخ صدوق	تہران 〃 〃